

ظلمات

اسم راہی ایم۔ اے



A contact loved ones.

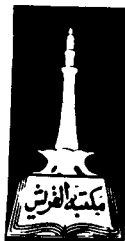
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.

پاکستانی پوائنٹ

www.PakistaniPoint.Com


مُلَّت

اسلم راہی ایم ہے



مکتبۃ القریش چوک اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

| | | |
|---|-------|-----------|
| عبد الغیظ قریشی | _____ | ناشر |
| محمد علی قریشی | _____ | با اہتمام |
| ایف اے ایس پرنٹر | _____ | مطبع |
| 1000 | _____ | تعداد |
| 1994ء | _____ | سن اشاعت |
|  | _____ | قیمت |

ISBN 969 - 38 - 0025 - 7

مکتبہ القیش • چوک اردو بازار • لاہور

انساب

- اپنی اہلیہ
 - اپنی بیٹی اور
 - اپنے بیٹے عمار احمد
- کے نام

جو ناول لکھنے میں میرے بہترین مددگار

اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

پاکستانی وقار
دائریہ علامہ

جنابِ اہم راہی کے دیگر تاریخی ناول

انڈیروں کے ساربان

تاہیک رزم گاہ

صفیہ کا مجاہد

عقاب

صحرا کی آگ

قتیبہ بن مسلم

موت کے مسافر

یشرب کا اہلیس

شہری غول

صلیب و حرم

نیشاپور کا شاہین

بابل کا بخت شکن

طلسم کدہ

آتش نشاں

آخری حصار

بنتِ نیل

سامیریا کا طوفان

آتش و آہن



پاکستان کا
دعوتِ اسلامی
و قلم



سمرقند شہر میں امیر تیمور کا خوش نما محل آج معمول سے زیادہ سجایا گیا تھا۔ اس لیے کہ تیمور کا امیر الامراء سیف الدین سلطنت کے مرکز سے دو چار دن ایران میں گزرنے کے بعد لوٹا تھا۔ امیر تیمور ابھی تک اپنے محل میں تیار ہو کر نہ آیا تھا اور دربار میں سب لوگ اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ یکایک باہر دالان میں نقاروں پر چوٹ پڑی اور اس کے ساتھ ہی محل کے صاحب نے امیر تیمور کی آمد کی نوید پکارنی شروع کی۔

”دست بستہ، نگاہ رو برو، شہنشاہ دوران، جلال سلطنت، صولت جہاں، پاسبان امن عالم، جرات شعلہ طلبی، ہنگام شجاعت موج و گرداب و تلاطم دلاوری، وارث عظمت انسانی، نفرت میں عمیق، محبت میں شفیق، موت کا سکوت محیط، سلطان جہاں پناہ، ظل اللہ علی الارض، صاحب سیف و قرآن، فاتح عالم، امیر ملت تیمور بن طراغاتی تشریف فرما ہوتے ہیں“

پاکستانی پوائنٹ

آمد کی یہ نوید ختم ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد تیمور اس دربار میں داخل ہوا۔ وہ ریشمی چغہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر اونچی باڑھ کی سفید کلاہ تھی جس کے بالائی حصے میں ایک

پوڑا سا یاقوت بڑا ہوا تھا اور اس یاقوت کے گرد جواہرات ٹانگے لگے تھے۔ دربار میں بیٹھے سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہاتھ باندھ کر تعظیم پیش کرنے کے انداز میں کھڑے تھے تیمور نے ان سب کو بیٹھنے کے لیے کہا پھر اس نے وہاں کا جائزہ لیا۔ تیمور کی اپنی نشست کے قریب اس کا بیٹا شاہ رخ بیٹھا ہوا تھا اور شاہ رخ کے ساتھ تیمور کے پوتے محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بعد تیمور کے ہر دل عزیز جرنیل آق بوغا کی نشست تھی اور آق بوغا کے بعد آگے پیچھے کئی قطاروں میں امیر تیمور کے جرنیل بیٹھے ہوئے تھے جن میں علی توجین، امیر مبشر، عمران تابان، رستم بلاس، سوچک بہادر، توکل بلاس، زبیرک، ابوبکر، شیخ اصلان اور دوسرے بہت سے جرنیل بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ تیمور کے تخت کی ایک طرف کی کیفیت تھی جب کہ تخت کے دوسری سمت پہلی نشست پر امیر الامراء سیف الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری نشست پر تیمور کے پیر و مشد مولانا زین الدین تھے۔ تیسری نشست پر ملک الاطباء مولائے تبریزی تھے۔ چوتھی نشست پر تیمور کی سلطنت میں رہنے والے نصرائیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا اسقف یوحنا تھا۔ اس کے بعد نشستوں کا یہ سلسلہ ایک قطار کے بجائے کئی قطاروں پر مشتمل کر دیا گیا تھا اور اسقف یوحنا کے بعد ان نشستوں پر دوسرے راہبین سلطنت کے علاوہ بخارا

۱۔ شاہ رخ امیر تیمور کی دوسری بیوی ملکہ ملائے خاتم سے تھا۔

۲۔ محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل امیر تیمور کے سب سے بڑے بیٹے جہانگیر کی اولاد تھے۔ یہ جہانگیر امیر تیمور کی پہلی بیوی الجاتی خاتون سے تھا۔ الجاتی خاتون اور جہانگیر دونوں فوت ہو چکے تھے۔

۳۔ ہیرالدیم آق بوغا کو امیر تیمور کا سب سے طاقتور اور عمدہ ترین تیغ زن کہتا ہے۔

۴۔ ہیرالدیم نے بھی اس کا نام اسقف یوحنا ہی لکھا ہے۔

شہر سے آئے ہوئے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں بخارا کے علماء، درس گاہوں کے شیوخ، خدام دین اور معروف مناظر شامل تھے۔

محل کے اس حصے کو تبریز کے دودھیا سنگ مرمر بہرات کی صیقل شدہ ٹائلوں، بغداد کے نازک نفقہ کاری، فرش بخارا، بلاد شمال کے ابریشم اور قالینوں کے علاوہ خطا کے زلفیت سے سجاکر انتہائی خوب صورت اور پرکشش بنا دیا گیا تھا اور پھر سلیقے سے سجائی گئی زمردی حسین محل کے اس حصے میں بالکل سلسلے پانی کا ایک خواہ چھوٹ رہا تھا جس کا پانی کافی بلندی تک جا رہا تھا اور جس حوض کے اندر یہ پانی گر رہا تھا اس حوض کے اندر لال لال سیب تیر رہے تھے۔

جس طرف امیر الامراء سیف الدین اور اسقف یوحنا بیٹھے ہوئے تھے اس سمت ذرا پیچھے ایک باریک اور سفید رنگ کا کافی لمبا اور بلند پردہ تنا ہوا تھا اور اس پردے کے پیچھے بھی نشستوں کا انتظام تھا اور ان نشستوں پر اس وقت شاہی حرم کے علاوہ راکین سلطنت کی عورتیں اور لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

اپنی نشست کی طرف جاتے ہوئے تیمور اپنے امیر الامراء سیف الدین کے پاس رکا۔ پہلے وہ اُسے پُر جوش انداز میں گلے لگا کر ملا۔ پھر اُسے مخاطب کیا۔

”اے سیف الدین! مجھے ایران سے تمہارے لوٹنے کی اطلاع کل شام کو ہی مل گئی تھی پر یہ تو بتاؤ تم ایران میں اتنے دن رہنے کے بعد ہمارے لیے کیا لائے ہو۔“

سیف الدین نے بڑی عقیدت مندی سے جواب دیا۔ ”اے امیر! آپ اپنی نشست پر بیٹھیں تو پھر میں اس سلسلے میں کچھ کہوں۔“

امیر تیمور اپنی نشست کی طرف بڑھا جس پر خوب صورت اور دلاویز قالین بچھا ہوا تھا اور ارد گرد گول گول تکیے رکھے ہوئے تھے، آلتی پالتی مارکر تیمور وہاں بیٹھ گیا اور اس بار وہاں بیٹھے سب لوگوں کو سننے کی خاطر اس نے قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

اے سیف الدین! اب بتاؤ کیا لائے ہو تم ہمارے لیے ایران سے؟
سیف الدین بھی قدرے اُدھنچی ہی آواز میں بولا۔ اے امیر! میں ایران سے آپ
کے لیے دو چیزیں لے کر آیا ہوں ادھر ان دو چیزوں میں سے ایک عمدہ اور دوسری نایاب
ہے۔ اب بتائیے پہلے کس چیز کو آپ کے سامنے پیش کروں۔

تیمور نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”پہلے یہ بتاؤ کہ یہ چیزیں کس نوعیت کی ہیں؟“
سیف الدین خوشی کے اظہار میں کہہ رہا تھا۔ اے امیر! جو چیز عمدہ ہے وہ
تو ایک لونڈی ہے، نام اس کا شاری ملک ہے۔ اور وہ اپنے حسن اور خوبصورتی میں ایسی
بڑھ کر ہے کہ اپنے اسقف یوحنا کی بیٹی اینجلینا کو چھوڑ کر سمرقند میں شاید ہی کوئی اس جیسی
خوب صورت اور پرکشش لڑکی ہو اور جو بات اسے منفر دہناتی ہے۔ وہ یہ کہ وہ نو عمر
ہونے کے علاوہ ایک بے مثل رقاصہ بھی ہے۔“

پھر سیف الدین نے مدہم سرگوشی میں پوچھا۔ اگر آپ پسند کریں تو ابھی اسے اندر
بلایا جائے کہ وہ اپنا قص پیش کرے۔“

تیمور نے سرگوشی میں سیف الدین کو سمجھایا۔ ”بخلا سے آئے ہوئے علمائے دین
کی موجودگی میں شاری ملک کا قص دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ پھر تیمور نے بلند آواز میں پوچھا۔ اور
اے سیف الدین! دوسری چیز جسے تم نایاب کہتے ہو وہ کیا ہے؟“

سیف الدین نے اس بارہ اور زیادہ خوش کن لہجے میں انکشاف کیا۔ اے امیر! جسے
میں نایاب کہتا ہوں، وہ ایک غلام ہے۔ اس کا تعلق ترکوں کے جلاتر قبیلے سے ہے اور
جلاتروں سے آپ بھی محبت کرتے ہیں۔ اس غلام کا نام نور الدین ہے۔ اے امیر! میں

۱۔ ایران سے لائی جانے والی یہ دہی شاری ملک نام کی کثیر تھی جس نے نہ صرف تیمور کے خاندان میں
ایک طوفان برپا کر دیا بلکہ تیمور کے خاندان میں یہ خونریزی کا باعث بھی بنی۔

۲۔ یہ وہی نور الدین جلاتر تھا جو تیمور کا اعلیٰ ترین حریف مانا جاتا تھا۔ (باقی صفحہ ۱۳ پر)

لے آج تک اس جیسا کوئی طاقت ور اور ماہر تیغ زن نہیں دیکھا۔ جب تیغ زنی کا مقابلہ کرتا ہے تو ایسی لٹکار بلند کرتا ہے کہ تلوار بھی پانی مانگے اور اس کے حملہ آور ہونے کی رفتار ایسی بھیانک و ہولناک کہ دریا بھی روانی مانگے۔

اے امیر! میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں جھوٹے لپاٹے کاہنوں، جوتشیوں، فال گیروں، رمالوں، عاملوں اور غیب دانی کا ڈھونگ بچاے والوں کو بھی سنا۔ میں نے شہوانیت کے جھوٹ، اخلاقی بندشوں سے آزاد زن بازاری کی تعریف کرنے والے لُطف و لذت کے پرستار اور جذبات و خواہشات کی رو میں بہہ جانے والے شاعروں کو بھی سنا پر اے امیر! جو لذت اس غلام کی صحبت میں ہے وہ ان سب لوگوں کی باتوں اور کلام میں بھی نہیں ہے۔

اے امیر! کاہنوں اور رمالوں کی گفتگو میں تو صرف ایک دوسرے کے خلاف نسلی، قومی نفرت ہے۔ جو شاعر ہمارے ارد گرد جمع ہوتے ہیں ان کے کلام میں سوائے بے جا تعریف، ڈھینگیں، طعن، پھبتیاں، مشرکانہ حرکات، جھوٹ و مبالغہ، بہتان و بھج اور محض خیالی و غیر حقیقی مضامین کے کچھ نہیں ہوتا لیکن نور الدین کی تیغ زنی دیکھ کر حقیقی ہرأت مندی اور نایاب مہارت کا درس ملتا ہے اور پھر اے امیر! نور الدین ابھی نو عمر بھی ہے۔

میں نے نور الدین کو ایک ایرانی تاجر سے خریدا۔ شاری ملک کو بھی میں نے اسی سے حاصل کیا۔ یہ شاری ملک اس نور الدین کو پسند بھی کرتی ہے۔ اس پر کئی بار اپنی چاہت کا اظہار بھی کر چکی ہے، پر نور الدین اس سے نفرت کرتا ہے۔ اے شاری ملک کی عادات پسند نہیں ہیں۔ ایک تو وہ پیشہ ور رقاصہ ہے، دوسرے شراب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) اور جسے تیمور اپنے لیے سب سے زیادہ وفادار اور قابل اعتبار خیال کرتا تھا۔

نت پتی ہے۔ ویسے یہ لڑکی حرم میں ایک کنیز کی حیثیت سے رہنے کا سلیقہ بھی رکھتی ہے اور ایک ایرانی رئیس کے حرم میں کام بھی کر چکی ہے۔

ایران کے اندر بھی میں نے دو ایک جگہ نور الدین کے مقابلے کرائے تھے اور پھر سمرقند کی طرف آتے ہوئے میری ایک ایسے کارواں سے بھی ٹڈ بھڑ ہوئی جس کے اندر غلاموں کے قافلے اور گدا گروں کے گروہ بھی شامل تھے۔ اس کارواں کے محافظوں کے ساتھ بھی میں نے نور الدین کا تیغ زنی کا مقابلہ کرایا اور اس نے ایسے اسے کمالات دکھائے کہ غلام اور گدا گرتک اس کی تعریف کرنے لگے تھے اور —

”تیمور، سیف الدین کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ اے سیف الدین! تم نے نور الدین کی ایسی تعریف کی ہے کہ میرے دل میں اسے دیکھنے کی اشتہا بڑھ گئی ہے۔ تم جانتے ہو میں بہادر اور جنگجو جوانوں کے پیچھے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والا ہوں تم نور الدین اور شاری ملک دونوں کو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں دیکھوں وہ کیسے ہیں۔“

سیف الدین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک نومند اور دراز قامت جوان اور ایک نوخیز لڑکی تھی۔ دونوں کو تیمور کے سامنے کھڑا کر کے سیف الدین اپنی نشست پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ دو مخالف ہیں جو میں ایران سے آپ کے لیے لایا ہوں۔ اس لڑکی کا نام شاری ملک اور اس جوان کا نام نور الدین ہے۔“

تیمور نے دیکھا۔ ”شاری ملک کے لب بے گل اور نگاہیں بے چین تھیں۔ اس کے جسم میں آنٹی حرارت تھی اور وہ واقعی پھولوں، کرکوں، تیلیوں، جگنوؤں اور شوخ و سنگ رنگوں کی آمیزش جیسی حسین اور پرکشش تھی۔ تیمور نے شاری ملک میں کوئی دل چسپی نہ لی اور اس کی طرف سے نگاہیں ہٹا کر اس نے سیف الدین سے کہا۔ ”اس شاری ملک کو زمانے کی طرف بٹھا دو۔ آج سے یہ ہماری حرم سرا میں ایک کنیز کی حیثیت سے کام کرے گی۔“

سیف الدین اُٹھا۔ شاری ملک کو وہ اس پردے کے پیچھے لے گیا جو وہاں تنا تھا۔
 اندر وہ اسے عورتوں کے اندر ایک خالی نشست پر بٹھا کر پھر اپنی نشست پر آکر بیٹھ گیا۔
 اب تیمور نے غور سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا
 تھا اور اس پر کئی پیوند لگے تھے۔ اس کا لباس موٹے کپڑے کا تھا جس پر لگے پیوندوں
 میں سے دو پیوند چھڑے کے بھی تھے۔ اس کی عبا کا سامنے کا حصہ بُری طرح پھٹ کر دو
 حصوں میں بیٹ چکا تھا اور پھر ان پھٹے ہوئے دونوں حصوں کو ایک گانٹھ لگا کر جوڑ دیا
 گیا تھا۔ اس کے کندھے پر ہلکی شکاری کمان لٹک رہی تھی۔ سر پر بوسیدہ سی ایک گرم ٹوپی
 تھی۔ اس کی کمر سے جو تلوار لٹک رہی تھی اس کا میان اور چمڑے کی پٹی کبھی بہت اچھی رہی
 ہوگی لیکن اب وہ اپنی آب و تاب کھو چکی تھی۔ اس کے پاؤں میں موٹے اور کھردرے چمڑے
 کا جو جوتا تھا وہ جگہ جگہ سے اس انداز سے پھٹا ہوا تھا کہ ان میں اس کے پاؤں بھی دکھائی
 دے رہے تھے۔

تیمور نے یہ بھی دیکھا کہ اس کی آنکھوں کے اندر سیقل شدہ خنجر جیسی چمک اور اک
 سلگتی ہوئی آنچ تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی پر باندھ رکھے تھے۔ وہ بے چارہ
 قبروں جیسا خاموش، بوسیدہ کفن جیسا دیران، بجھے آتش کدے جیسا اُداس اور ویران میکے
 جیسا افسردہ کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے تیمور کھوسا گیا تھا۔ پھر وہ سنبھلا اور دربار میں اس
 کی آواز گونجی۔

اے نور الدین! اپنی گردن سیدھی کر واد چھاتی تان کر کھڑے ہو۔ تم چلاتر ہو اور میں
 جلاتروں سے محبت کرتا ہوں۔ سیف الدین نے تمہاری بے حد تعریف کی ہے۔ پر اس پر

۱۔ امیر تیمور کی جلاترہوں سے محبت اس بنا پر تھی کہ اس کی پہلی بیوی ابھاتی خاتون کا تعلق بھی ترکوں
 کے اسی جلاتر قبیلے سے تھا۔

گفتگو کرنے سے قبل تمہارے اور تمہارے غلام بننے سے متعلق تفصیل جانتا چاہوں گا۔
 نور الدین نے پہلی بار زبان کھولی۔ اے امیر! میں نہیں جانتا کہ میرا تعلق جلاتروں کے
 کس خاندان سے ہے۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ میں غلام ہی پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کہ
 میرا باپ بھی ایک ایوانی رئیس کا غلام تھا۔ میں چھوٹا ہی تھا کہ میری ماں مر گئی اور میں جب
 دس سال کا ہوا تو میرا غلام باپ بھی ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ گیا۔ پر وہ ایوانی رئیس مجھ پر
 مہربان تھا۔ اس نے مجھے پالا اور میری اچھی تربیت کی۔ ایک بار شکار کے دوران میں نے ایک
 چیتے سے اس کی جان بچائی تھی جس کے لیے اس نے انعام کے طور پر مجھے یہ تلوار اور ڈیڑھی دی جو
 اس وقت میری کمر سے لٹک رہی ہے۔ گزشتہ برس وہ ایوانی رئیس مر گیا۔ اس کے بیٹے مجھے
 اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے مجھے آقا سیف الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اے امیر!
 بس یہ ہے میری کل داستان۔

اے امیر! میں نے اپنے جسم سے روح تک دھوپ ہی دھوپ دکھی ہے۔ میری
 زندگی میں کوئی سایہ اور سُرّاب نہیں آیا۔ میں ساگر سے کٹا ہوا وہ دھارا ہوں جس کے اندر پانی ہی
 نہیں نمی تک ختم ہو جاتی ہے۔ بھوک کی ٹھہری ہوئی ساموں کے اندر میں بیکاری اور افلاس میں
 شل رہا ہوں اور میرا سینہ ہمیشہ دکھوں اور غموں کا امین رہا ہے۔ اے امیر! گو میں نے اپنی
 ساری زندگی ایک غلام کی حیثیت سے گزاری ہے پھر بھی میرا جی چاہتا ہے کہ اگر میری کوئی
 قدر شناسی کرے تو میں اس کے لیے اپنی شہ رگ کا لہو تک نچھاور دوں۔

تیمور نے بڑی شفقت میں اس بار کہا۔ اے نور الدین! اگر تم اپنی تعریف و توصیف
 کے مطابق ثابت ہوئے تو میں تمہاری قدر شناسی کروں گا اور تم سے تمہاری شہ رگ کے لہو
 کی توقع کیے بغیر تمہاری قدر دانی اور حوصلہ افزائی کروں گا۔ پر سیف الدین نے جو تمہاری
 تعریف کر دی ہے اسے کیسے جاسنچا اور پرکھا جائے؟

قبل اس کے کہ نور الدین کچھ کہے سیف الدین اس کی جگہ تیمور کو مخاطب ہو کے بولا۔

نور الدین کی تیغ زنی اور ہرأت مندی و طاقتوری کو آزمانے کا سب سے عمدہ اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ آپ اپنے اس بھرے دربار میں کسی ایسے تیغ زن سے مقابلہ کرنا دیکھیں جسے آپ سب سے بہتر سمجھتے ہوں، اگر نور الدین اسے مات کر دے تو میری کی ہوئی تعریف و توصیف مبنی بر حقیقت ہوگی اور اگر نور الدین ایسا ثابت نہ ہوا تو پھر جو چاہے فیصلہ کریں۔

سیف الدین کی اس گفتگو پر تیمور کے لبوں پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کیا اور بولا۔ ”اے نور الدین! میرے لشکر میں ایک مینک باشی ایسا ہے جو میری نظر میں سب سے بہادر و طاقت ور اور سب سے برتر تیغ زن اور جنگجو ہے۔ اس بھرے دربار میں اے نور الدین! تم میرے اس مینک باشی کا مقابلہ کرو۔ اگر تم اسے ہرانہ سکے اور اس کے سامنے چند لمحے بھی ٹھیر گئے تو میں تمہاری قدر دانی کروں گا۔ سنو! میرے اس مینک باشی کا نام آق بوغا ہے اور وہ ایک بے مثل تیغ زن ہے۔

تیمور دراز کا پھر اس نے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، ”اے سیف الدین! تمہارا کیا خیال ہے۔ نور الدین اور آق بوغا میں سے کون غالب اور کون مغلوب رہے گا۔ بغیر کسی توقف و تفکر کے سیف الدین نے جواب دیا۔ ”اے آقا! ظاہری طور پر جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کے مطابق مجھے امید ہے کہ نور الدین غالب رہے گا جب سے میں نے نور الدین کو خرید لیا ہے تب سے میں اسے کئی مقابلوں میں آزما چکا ہوں اور آق بوغا بھی میرا خوب دیکھا بھالا ہوا ہے۔“

تیمور پھر بولا۔ ”اے سیف الدین! اس نور الدین سے پوچھو کیا یہ یہاں میرے سامنے آق بوغا کے ساتھ مقابلہ کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر یہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے تو اے آق بوغا کی شجاعت و قوت کے کچھ واقعات بھی سنا دو جو آق بوغا کو اپنی زندگی میں

پیش آچکے ہیں تاکہ یہ آق بوغا کے متعلق سب کچھ جان جائے اور بعد میں یہ نہ کہہ سکے کہ آق بوغا کی اصلیت کا مجھے علم نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے بلند آواز میں اپنے سامنے بیٹھے آق بوغا کو مخاطب کر کے پوچھا -

”اے آق بوغا! کیا تم اس نورالدین سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟“
 آق بوغا اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے اس نے کہا - ”اے امیر! میں اس مقابلے کے لیے تیار ہوں۔“

تیمور جب خاموش ہوا تو سید الدین نے نورالدین کو مخاطب کر کے پوچھا -
 ”اے نورالدین! میں تمہیں آق بوغا سے متعلق کچھ بتاتا ہوں پھر اس کی روشنی میں تم اپنا فیصلہ دینا کہ تم اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔“

سید نور الدین! تم دیکھتے ہی ہو کہ آق بوغا قد کاٹھ اور جسمانی قوت کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اس کے بازو آہنی ہیں اور یہ اپنی ڈھال اور پانچ فٹ لمبی کمان ضرور اپنے پاس رکھتا ہے۔ شراب پینے میں بڑا بدنام ہے اور اکثر یہ مینڈھے کے سینک میں مودھا اور شراب بھر کر پیتا ہے اور ایک ہی سانس میں بھرا ہوا سینک بلی جاتا ہے مگر ان بُری عادات کے باوجود بلا کا دلیر اور بہادر ہے۔“

ہاں نورالدین! ایک بار ایرانیوں کے خلاف ایک مہم کے دوران جب کہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد ان کا تعاقب ختم کیا گیا تھا تو یہ آق بوغا اکیلا ہی ایک ایرانی بستی کے شراب خانے میں جا گھسا اور شراب پینے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس شراب خانے میں اس بستی کا سردار آیا اور آق بوغا سے اس نے کہا کہ بستی کے باہر تالاب کے قریب پچاس ایرانی سوار اپنے گھوڑوں سے اتر رہے ہیں اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شاید وہ لوگ بستی کو لہٹنے آئے ہیں۔ آق بوغا نے اس سردار کو جواب دیا کہ جاؤ تم بھی اپنے ہتھیار بند آدمیوں کو بلاؤ تاکہ ہم ان پچاس ایرانیوں سے مقابلہ کریں۔

سردار نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے انکشاف کیا۔ تم ہمیں ہمارے حال پر پھوڑو اور یہاں سے بھاگ جاؤ، ہو سکتا ہے انہیں خبر ہو جائے کہ تم تاناری ہو، اگر ایسا ہوا تو وہ ضرور نہیں قتل کر دیں گے۔

آق بوغانے کہا۔ میں بھاگوں گا نہیں بلکہ میں توان ایرانیوں پر ہاتھ صاف کرنے سے متعلق سوچ رہا ہوں۔ سنو! ایرانی گیدڑ اور تاناری بھیڑیے ہوتے ہیں۔ لہذا بھیڑیے کو دیکھ کر وہ گیدڑ ضرور بھاگ جائیں گے۔

آق بوغانے اس گفتگو پر اس بستی کے سردار نے بستی کے لوگوں سے مشورہ کیا۔ جہاں وہ لوگ ان پچاس مسلح ایرانیوں سے خائف تھے وہاں اس بستی والے آق بوغانے کی طرف سے بھی مدد مل رہی تھی۔ چنانچہ بستی کے دس جوان مسلح ہو کر اپنے ٹھوڑوں پر سوار ہو کر آق بوغانے کے پاس پہنچ گئے۔ اب آق بوغانے اپنا ٹپکا کسا۔ سر پر خود جایا، وار بھی کو اپنے چرمی ڈھکے سے ہاندا اور بانوؤں پر اپنی ڈھال چڑھا کر ان بستی والوں کو مخاطب کر کے بولا۔

’دیکھو جب میں نعرہ ماروں تو تم لوگ اپنے گھوڑوں کو اُنھی کی طرح آگے بڑھانا امداد ملے گی۔ اگر آنکھوں میں گرہ پڑ جائے تب بھی مت رکتا۔ بہر حال آق بوغانے بستی کے دس مسلح سواروں کے ساتھ اُس تالاب کی طرف روانہ ہو گیا جہاں پچاس مسلح ایرانی تھے۔ ان کے قریب تالاب کے کنارے جا کر آق بوغانے تاناریوں کا جنگی نعرہ مارا۔ اس بستی کے ان دس جوانوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر ایرانیوں پر حملہ کر دیں لہذا وہی آق بوغانے نعرہ مارا انہوں نے اپنا رخ موڑا اور واپس بھاگ گئے۔ لہذا آق بوغانے اکیلا ہی ان پچاس ایرانیوں پر حملہ آور ہو گیا۔

ایرانیوں نے شاید یہ سمجھا کہ آق بوغانے بڑے لشکر کا قارم سپاہی ہے یا پھر وہ تاناریوں کا جنگی نعرہ سن کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔ بہر حال جلدی جلدی وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آق بوغانے ان کے تعاقب میں دوڑ تک گیا۔

اور انہیں پکارتا جاتا تھا۔ اے ایرانیو! بھاگئے کیوں ہو میرے ساتھ دو دو ہاتھ کرتے جاؤ
 پر ایرانی نہ رگے اور ان پر آق بوغا کی ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو
 اے نورالدین! یہ آق بوغا کی زندگی کا ایک معمولی سا واقعہ ہے اور ایسے کئی واقعات
 آق بوغا کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اب کہو، کیا تم اس بھرے دربار میں یہاں بیٹھے سب مرد
 و خواتین کی موجودگی میں آق بوغا جیسے جوان سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو۔ جس نے آج تک اپنی
 زندگی میں کبھی کسی سے شکست قبول نہیں کی۔

نورالدین اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دتے پر لے گیا اور بولا۔ "اے آقا! میں آق بوغا
 سے ضرور مقابلہ کر دوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ میرا رب ایک ثرابی کے مقابلے میں اپنے
 ایک مسکین و عاجز اور اطاعت گزار بندے کا بھرم ضرور رکھے گا۔"

نورالدین کے اس جواب پر سیف الدین نے تیمور کو مخاطب کر کے کہا۔ "اے امیر!
 اگر نورالدین یہ مقابلہ جیت جائے تو اسے آپ اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق جس کام
 کے لیے چاہیں اپنے پاس رکھ لیں لیکن اگر نورالدین پر آق بوغا غالب رہا اور آپ نورالدین
 کی ضرورت محسوس نہ کریں تو پھر آپ نورالدین کو میرے حوالے کر دیں۔ آپ جانتے ہیں
 میری بیوی مرچکی ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں لہذا میں اس نورالدین کو اپنا بیٹا بنا لوں گا۔ اے
 امیر! گو نورالدین اس وقت بیشکل سترہ برس کا ہو گا جب کہ آق بوغا اس وقت اپنی جوانی
 کے عروج پر ہے۔ اس کے باوجود میرا دل کہتا ہے کہ نورالدین اپنے سامنے آق بوغا کا
 زیر کر لے گا۔"

اس موقع پر تیمور نے اپنے قریب بیٹھے اپنے بیٹے شاہرخ کے کان میں کچھ راز
 داری میں کہا۔ جس کے جواب میں شاہرخ دہاں سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ تیمور نے اس بار
 سیف الدین کو مخاطب کر کے اپنا فیصلہ دیا۔ "اے سیف الدین! شاہرخ واپس آئے تو
 یہ مقابلہ شروع کرادو۔ نورالدین اور آق بوغا دونوں کے پاس اپنی اپنی تلواں ہیں۔ اس

ابیں صرف خود اور ڈھالیں ہتیا کی جائیں گی۔ اس کے بعد دونوں کا مقابلہ شروع ہوگا۔ ان دونوں کو سمجھا دینا کہ ایک دوسرے کو زخمی نہ کریں اور نہ ہی ایک دوسرے کو کوئی نقصان پہنچائیں۔ تیمور خاموش ہو گیا اور شاہ رخ کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد شاہ رخ لوٹا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک گٹھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں دو خود اور دو ہی ڈالیں تھیں پھر تیمور نے حاجب کو بلا کر اس کے ہاتھ میں کچھ کہا اور اس کے جواب میں اس حاجب نے ایک خالی نشست اٹھا کر اس جگہ رکھ دی تھی جہاں تیمور کے قریب اس کے بیٹے شاہ رخ کی نشست تھی۔ پھر احمہ کے اشارے سے تیمور نے آق بوغا کو اپنے قریب بلایا اور جب آق بوغا اس کے سامنے اور نور الدین کے پاس آکھڑا ہوا تو شاہ رخ نے اٹھ کر ان دونوں کے سروں پر دھڑلے کے بعد انہیں ایک ایک ڈھال بھی تھما دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دربار میں یوسف الدین کی بارعب آواز بلند ہوئی تھی۔ اب تم دونوں مقابلہ شروع کرو لیکن دھیان رکھو کہ ایک دوسرے کو زخمی نہیں کرنا۔

دربار میں یوں خاموشی طاری ہو گئی تھی جیسے ہر آنکھ کسی سمیٹے تن کے لذت آمیز انصاف میں ڈوب کر رہ گئی ہو۔ پھر نور الدین اور آق بوغا اپنی تلواریں لہراتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک دوسرے پر انہوں نے حملہ کر دیا تھا۔

شروع شروع میں دونوں ہی ایک دوسرے پر خوب دیکھ بھال کر اور آہستہ روی سے وار کر رہے تھے پھر لمحہ بہ لمحہ دونوں کے حملوں میں تیزی اور وحشی پن ابھرنے لگا دیکھا جاتا تھا۔ پھر وہ دونوں ہی تھوڑی دیر تک ایک دوسرے پر ہلے حملہ آور ہونے لگے تھے جیسے ہزاروں طوفان بغتناً اُبل پڑے ہوں۔ شکاری زندگی کی طرح پھرتے ہوئے اور اچانک جاگ اٹھنے والے شعلوں کی طرح وہ ایک دوسرے کی طرف پکٹنے لگے تھے۔

شروع شروع میں آق بوغا کے حملوں سے یہی محسوس ہونے لگا تھا کہ چند ہی ساعتوں تک وہ نور الدین کو اپنے سامنے سمیٹ کر رکھ دے گا لیکن پھر نور الدین کی ہمت بھی یوں بدلنے لگی جیسے مٹی کی تقدیر بدلتی ہے۔ جیسے اسیروں کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں۔ وہ چیختی چلاتی دھوپ، آندھیوں کے زمزموں، بیتاب طوفانوں کے نغموں، مہیب رتوں کے غلاب اور پھر پھر کراٹھتے گبولوں کی طرح حملہ آور ہونے لگا تھا۔ اس کی ڈھال کی ضربوں میں لپکتی بجلیوں، بہتی ندیوں اور زنجیری قفس جیسا ایک سماں تھا۔ ایسا لگتا تھا اس کا دل شعلہ نفس آتش، بدن آگ اور سانسیں کھولتی بھیٹی بن گئی ہوں وہ کسی وحشی درندے کی طرح حملہ آور رہا تھا اور آق بوغا پر یوں چھا گیا تھا جیسے کوئی طوفان اُٹھ کر اپنے حدف کی طرف لپکتا ہے۔

لمحوں کے وحشیانہ قفس کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے وہ ایسی آوازیں نکال رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو انا البحر (میں تو سمندر ہوں)۔ نور الدین اس موقع پر یوں لگ رہا تھا گویا اس کے جسم میں شعلے اور سانسیں کے اندہ آگ بھردی گئی ہو۔

اچانک نور الدین نے آق بوغا کی ڈھال پر اپنی ڈھال سے ایک زوردار ضرب لگا دی جس کی وجہ سے آق بوغا سے اس کی ڈھال چھوٹ کر فوراً جاگری۔ پر آق بوغا نے بھی بڑی مہارت اور بصیرت کا ثبوت دیا۔ اپنی ڈھال ہاتھ سے گرتے ہی اس نے نور الدین پر اپنی تلوار کا ایک خطرناک وار کر دیا۔ پر اس موقع پر شاید نور الدین بھی اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

نور الدین نے آق بوغا کے اس خطرناک وار کو اپنی ڈھال پر روکنے کے بجائے اپنی تلوار پر لیا اور جب دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں تو نور الدین نے فوراً اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی ڈھال فرش پر گمادی اور بائیں ہاتھ سے اس نے فوراً آق بوغا کا تلوار والا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی تلوار علیحدہ کر کے اس کی نوک

آق بوغا کی گردن پر رکھ دی تھی۔

اب آق بوغا پوری طرح بے بس اور مغلوب تھا کیوں کہ اس کا وایاں ہاتھ جس میں اس نے اپنی تلوار تھام رکھی تھی نورالدین کی آہنی گرفت میں تھا اور اپنے تلوار والے ہاتھ کو آق بوغاب اپنی مرضی کے مطابق حرکت میں نہ لاسکتا تھا۔ آق بوغا کو نورالدین کے سامنے مکمل طور پر بے بس اور مغلوب دیکھ کر تیمور نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے نورالدین! تم یہ مقابلہ جیت چکے ہو، اپنی تلوار آق بوغا کی گردن سے ہٹا لو کباب تم غالب ہو اور آق بوغا مغلوب ہو چکا ہے۔“

نورالدین نے آق بوغا کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کی گردن سے اس نے اپنی تلوار بھی ہٹا لی تھی۔ اس موقع پر آق بوغانے کمال مروا نگی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نورالدین نے جب اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کی گردن سے تلوار ہٹا لی۔ تو آق بوغانے فوراً اپنی تلوار نیام میں کھلی۔ اپنی دھال اٹھا کر ایک طرف رکھ دی اور پھر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر نورالدین کو گلے لگا لیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آق بوغانے تو صیغی انداز میں کہا۔

”نورالدین! قسم خداوند رحمن و رحیم کی! میں نے اپنی زندگی میں بہت سے مقابلوں میں حصہ لیا پر تیرے جیسا ماہر تیغ زن آج تک نہ دیکھا۔ بخدا میں خواہش کروں گا کہ جنگوں کے دوران میں تیرے ماتحت کام کروں تاکہ میں تم سے کچھ حاصل کر سکوں کچھ سیکھ سکوں۔ گو تو مجھ سے عمر میں کمتر ہے پر جنگی فنون میں تو یقیناً مجھ سے بالاتر ہے۔“

آق بوغاب نورالدین سے علیحدہ ہو کر ایک طرف ہٹ گیا کیوں کہ تیمور اور سیف الدین اپنی جگہوں سے اٹھ کر نورالدین کی طرف آرہے تھے۔ دونوں باری باری نورالدین کو گلے لگا کر بے ادفع کی مبارک باد دی۔ پھر تیمور اور سیف الدین

دوبارہ اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ تاہم نور الدین ابھی کھڑا تھا۔ آق بوغا بھی وہاں سے ہٹ کر دوبارہ اپنی نشست پر جا بیٹھا تھا۔ پھر تیمور اپنے سامنے بیٹھے استغف یوحنا کو مخاطب کر کے بولا۔

”اے یوحنا! چند روز قبل تو نے مجھ سے کہا کہ میں کوئی ایسا مناسب لڑکا تلاش کروں جس کے ساتھ تم اپنی بیٹی انجیلینا کی شادی کر سکو۔“

استغف یوحنا نے جواب میں ایک طرح سے تیمور کی اس گفتگو کی درستگی کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں نے شادی کا ذکر نہ کیا تھا بلکہ آپ سے التماس کی تھی کہ کوئی ایسا مناسب جوان نگاہ میں رکھیے گا جس سے میں اپنی بیٹی انجیلینا کی منگنی کر سکوں کیوں کہ میری بیٹی ابھی بمشکل تیرہ برس کی ہوئی ہے اور ابھی وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے۔“

یوحنا کے خاموش ہونے پر تیمور پھر بولا۔ ”چلو شادی نہ سہی فی الحال منگنی ہی سہی بد تمہاری بیٹی انجیلینا کے لیے میں نے ایک جوان کا انتخاب کر لیا ہے اور وہ جوان یہ نور الدین ہے جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اے یوحنا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ابھی سب لوگوں کی موجودگی میں نور الدین سے متعلق تمہاری بیٹی انجیلینا کا عندیہ لے لیا جائے اور اگر وہ رضامندی کا اظہار کر دے تو آج ہی ان دونوں کی باقاعدہ طور پر منگنی کر دی جائے۔“

یوحنا نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! یہ میری خوش بختی اور میری بیٹی انجیلینا کی بختاوری ہے کہ نور الدین جیسے بے مثل و نایاب جوان کو اس کی زندگی کا ساتھی بنا دیا جائے۔“

تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور یوحنا سے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو پھر آؤ میرے ساتھ ابھی اور اسی وقت تمہاری بیٹی انجیلینا کا نور الدین سے متعلق عندیہ لے لیں۔“

یہ گفتگو صرف نور الدین بلکہ وہاں بیٹھا ہر کوئی غور اور دل چسپی سے سن رہا تھا۔ تیمور کا ساتھ دینے کے لیے یوحنا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تیمور نے اس بار امیر الامراء سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے خوشی کے اظہار میں کہا۔ ”اے سیف الدین! ہم بھی ہم دونوں کے ساتھ آؤ۔“ سیف الدین بھی خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ ہو لیا تھا۔

دربار میں حریری پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی خواتین کے اندر اس وقت یوحنا کی بیوی ماتھس اور بیٹی اینجیلینا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی ایک دوسری کے ساتھ بیٹھی باہم محو گفتگو تھیں۔

اینجیلینا گوا بھی بمشکل تیرہ برس کی تھی پھر بھی اس کے چہرے پر بچپن کی رخصتی اور جوانی کی لطافت و نزاکت تھی۔ وہ خوابوں میں مغلّی جوانی، فطرت کے رنگین جمال، لب شاداب پر چھائی ہوئی گلزار مہنسی اور انگور کے ٹپکوں جیسے شیریں لہجے کی طرح حسین و پرکشش تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے یوں لگتا تھا جیسے ان کے اندر ایک مے خانہ ڈوبا ہوا ہو۔ اس کے حسن و خوشبو سے تراشے ہوئے پیکر سے ایک طلب انگیز مہک سی اٹھ رہی تھی۔ وہ پیکر سمیں اپنے دونوں صندلی بازو اپنے سامنے سمیٹے ہمہ رنگ ہمہ خوشبو اور ہمہ سوز و ہمہ گماز لگ رہی تھی۔ اپنی ماں کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے اس کی باتوں میں امرت سانسوں میں مہکار اور آنکھوں میں گویا غمور خوابی کی مستی کے شرارے ہوں۔ تیمور، سیف الدین اور یوحنا جب ان دونوں کے قریب گئے تو اپنی ماں سے گفتگو کرتی اینجیلینا اچانک خاموش ہو گئی تھی۔

یوحنا اپنی بیٹی اینجیلینا کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے بڑی نرمی اور شفقت بھری آواز میں پوچھا۔ ”اے اینجیلینا! میری بیٹی! آقا تیمور، امیر سیف الدین اور میں تم سے یہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ کیا تم ابھی ابھی مقابلہ جیتنے والے نور الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کو تیار ہو۔ اگر تم اپنی خوشی اور رضامندی کا اظہار کر دو، تو ابھی اور اسی وقت سب کی موجودگی میں تم دونوں کی باقاعدہ منگنی کر دی جائے گی اور

شادی اس وقت ہوگی جب تم کم از کم سترہ اٹھارہ برس کی ہو جاؤ گی۔ اب بولو میری بیٹی! اس بارے میں تمہارا کیا جواب ہے۔“

اپنے باپ کے اس سوال پر زندگی کی بشارت اور نجات کا خواب دکھائی دینے والی حسین ایجنلینا بالکل تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ لگتا تھا اس سوال سے اس کے دل کی ٹھنڈک اور روح کی حرارت جاتی رہی ہو۔ تھوڑی دیر قبل تک گیت کاروپ، نغمے کا پیکر اور اجالوں کا سرور دکھائی دینے والی ایجنلینا بدل کر رہ گئی تھی۔ اس کی نظروں میں حسن کی کرنیں بجھ سی گئی تھیں۔ اس کے گالوں پر بکھرے رنگ گویا کھول اٹھے تھے۔ ایک بار غور سے ایجنلینا نے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا میرے لیے آپ کے پاس ایک غلام ہی رہ گیا ہے۔ میں ہرگز ایک غلام ابن کو اپنی زندگی کا ساتھی نہ بناؤں گی۔“

ایجنلینا کے اس جواب پر دربار میں ایک خاموشی اور ساٹا سا طاری ہو کر رہ گیا تھا۔ سیف الدین اور اسقف یوحنا دونوں کی گردنیں مایوسی کے باعث جھک سی گئی تھیں۔ وقتی طور پر تیمور کے چہرے پر بھی دکھ کے آثار نمودار ہوئے تھے پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا ”ایجنلینا کے اس جواب پر کسی کو بُرا ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال اپنی زندگی کے ساتھی سے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں یہ بددلی طرح آنا دہے اور اس نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ لہذا اس جواب پر کسی کو تعجب، دکھ اور پریشانی کا احساس نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ایجنلینا بہر حال اپنے متعلق بہتر اور سود مند فیصلہ کرے گی۔“ تیمور اٹھ کھڑا ہوا اور سیف الدین کے علاوہ یوحنا کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔

تیمور جب دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو یوحنا نے تیمور کے قریب آکر اس کے کان میں سرگوشی کی ”اے آقا محترم! گو میری بیٹی ایجنلینا، نور الدین کو اپنانے سے انکار کر چکی ہے لیکن میں فاتی طور پر نور الدین کو اس کی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکا ہوں اور میں اپنی بیوی ماتھس کو بھی اپنا ہم خیال بنالوں گا۔ اے آقا! آپ صرف

یہ کہیں کہ نور الدین کو امیر سیف الدین کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ چونکہ میری حویلی اور نور الدین کی حویلی ساتھ ساتھ ہے لہذا نور الدین کے وہاں رہنے سے میری بیٹی انجیلینا کو نور الدین سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے کے مواقع ملتے رہیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ ایک روز وہ ضرور نور الدین سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی کیوں کہ میں دیکھتا ہوں نور الدین آنکھوں میں اذان دینے والا اور اندھیری راتوں کے پر شور طوفانوں کے اندر ساکھ بھونک دینے والا جوان ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میری بیٹی انجیلینا نور الدین کو سمجھنے کے بعد ایک روز ضرور اس سے متاثر ہو کر اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر رضامند ہو جائے گی۔

تمیور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے جوابی رازداری میں کہا ”اے یوحنا! جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہو گا۔“

یوحنا جب اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تو تمیور نے اپنے سامنے کھڑے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے نور الدین! اب جب کہ تم یہ مقابلہ جیت چکے ہو، میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تمہاری کوئی خواہش ہے؟ اگر ہے تو کہو تاکہ میں اسے پورا کرنے کی کوشش کر دوں۔“

نور الدین نے اپنا جھکا ہوا سر سیدھا کیا۔ تمیور کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اے آقا! زندگی میں جب میں نے ہوش سنبھالا ہے میری ایک ہی خواہش رہی ہے اور وہ یہ کہ میری راتوں تلے کوئی اچھی نسل کا گھوڑا ہو۔ کمر میں تیغ ہو، دائیں ہاتھ میں نیزہ بائیں ہاتھ میں ڈھال ہو۔ کمان کمر کے ایک طرف آویزاں ہو۔ سر پر مضبوط آہنی خودار پشت پر تیروں سے بھرا ہوا ترکش ہو اور میں دن بھر طوفانی گبولوں کی طرح جنگ میں مصروف رہوں۔ بس یہی میری خواہش ہے آقا!“

نور الدین کا یہ جواب سن کر تمیور بے حد خوش ہوا۔ اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے اپنا منہ اپنے بیٹے شاہرنخ کی طرف کیا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”اے شاہرنخ! میرے بیٹے! وہ سامان لاؤ جو میں نے تمہیں لانے کو کہا تھا۔

شاہ رخ اپنی جگہ سے اٹھا اور قریب رکھی گٹھڑی اٹھا کر اس نے تیمور کو تھما دی
جب شاہ رخ دوبارہ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تو تیمور نے نور الدین کو پکارا۔ اے نور الدین!
یہ گٹھڑی سنبھال لو۔ اس میں تمہاری لیے کچھ سامان ہے۔

نور الدین نے آگے بڑھ کر وہ گٹھڑی لے لی اور اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک
کرڑیوں مار زرہ تھی، ایک گھوڑے کی دم کا طرہ لگی نمدے کی سفید نوگدار ٹوپی تھی۔ نرم
پہرے کا گھٹنوں تک جوتا، ایک کمر پر باندھنے کا بھاری چرمی پٹکا تھا جس پر چاندی
کا کام اور زرد ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ نور الدین کے لیے عام استعمال کے عمدہ
کپڑوں کے کئی جوڑے اور نقدی کی ایک تھیلی بھی تھی۔ نور الدین جب وہ گٹھڑی دیکھ چکا
تو تیمور اسے مخاطب کرتے ہوئے پھر بولا۔

اے نور الدین! اس بھرے دربار میں تم نے آق بوغا کو ہرا کر میرے دل اور
اس دربار دونوں میں ایک بہترین مقام حاصل کر لیا ہے۔ میں تمہیں اپنے صفِ اول
کے سالاروں میں شامل کرتا ہوں۔ اے نور الدین! تمہاری رہائش سیف الدین کے
ساتھ ہوگی۔ سیف الدین تنہا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے یہ تمہیں اپنا بیٹا
بنا چکا ہے اور ہاں قبل اس کے کہ میں اپنے اس دربار میں چند اہم امور نمٹاؤں تم آگے بڑھو
اور میرے بیٹے شاہ رخ کے پاس جو ایک نشست کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤ اور
آج کے بعد جب بھی دربار لگا کرے گا تمہاری نشست یہی ہوا کرے گی۔

نور الدین آگے بڑھا۔ اس نشست کے پاس جا کر اس نے ایک بار اس نے

اس حریر و دینا اور سونے چاندی کا کام کی ہوئی کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر دوسری نگاہ اس
نے اپنے پھٹے ہوئے لباس پر ڈالی اور تھوڑی دیر کے لیے وہ وہاں بیٹھنے سے ہچکچایا۔

نور الدین کی اس حرکت پر پردے کے پیچھے بیٹھی عورتوں نے طنزیہ ہنسنے بند کر دیے
جن کے جواب میں بیٹھے کچھ لوگ بھی بلند آوازوں سے ہنس پڑے تھے۔

تیمور کو یہ سب کچھ انتہائی ناگوار گزرا اور وہ زور سے چلایا۔ خاموش۔

تیمور کے یوں غصے میں بولنے کے باعث دربار کے اندر نہایتوں کی شام جیسی

خاموشی اور موت جیسا سکوت محیط ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی آہٹ، کوئی گونج، کوئی چاپ و ہل نہ رہی تھی اور یوں لگنے لگا تھا گویا ہر آواز جامد اور برف ہو کر رہ گئی ہو۔ نور الدین کی تسکین و تسلی کی خاطر تیمور پھر بولا۔

”اے نور الدین! اب تم اس دُشمنِ زیست میں تنہا مسافر نہیں ہو۔ دہر کے اس آشوب خانے میں اب تم ایک بے بس انسان نہیں ہو۔ اب تم آزاد ہو اور سیرِ عمدہ ترین جرنیلوں میں سے ایک ہو۔“

تیمور جب خاموش ہوا تو اس کے بیٹے شاہ رخ نے نور الدین کا ہاتھ پکڑ کر وہاں بٹھاتے ہوئے بڑی لطافت میں کہا۔ ”اے نور الدین! اس نشست پر بیٹھ جاؤ کہ تم اس کے حق دار ہو۔“

نور الدین چپ چاپ اس نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ تیمور کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس کے بعد تیمور نے سلطنت کے کچھ امور نمٹائے۔ کچھ مقدمات اس کے سامنے پیش کیے گئے جن سے متعلق اس نے اپنے فیصلے جاری کیے اور اس کے بعد دوبارہ بغاوت کو دیا گیا تھا اور ہر کوئی اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔



سیف الدین نور الدین کو لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ صحن کے اندر ایک بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے سیف الدین نے نور الدین سے کہا۔ ”اے نور الدین! میرے بیٹے! یہ معمر شخص جو صحن میں کھڑا ہے یہ اس حویلی کا پُرانا خادم ہے اور کھانے کا سارا بندوبست اسی کے ذمے ہے۔ اس کا نام مُرشد ہے پر میں نے کبھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اس گھر کا خادم ہے بلکہ میں نے ہمیشہ اسے اپنے جیسا اس حویلی کا فرد ہی جانا ہے۔ یہ مُرشد انتہائی نیک، شفیق اور غمگسار انسان ہے۔“

وہ اب چلتے چلتے مُرشد کے قریب آگئے تھے۔ لہذا سیف الدین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے مُرشد! اس جوان سے ملو، اس کا نام نور الدین ہے اور

میں اسے اپنا بیٹا بنا چکا ہوں۔ یہ اب اسی حویلی میں مالک کی حیثیت سے رہے گا اس کے علاوہ امیر تیمور نے اسے ایک ہرول عزیز اور پندیدہ برزنیل کی حیثیت سے اپنے لشکر میں بھی شامل کر لیا ہے۔ کیوں کہ آج سب کی موجودگی میں اس نے آق بونا سے مقابلہ کر کے تیغ زنی کے فن میں اسے نیچا دیا دیا ہے۔ اے مرشد! اس حویلی کا جو سب سے خوب صورت اور صاف ستھرا کمرہ ہے وہ نور الدین کو دکھا دو اور اس کے اندر نور الدین کی رہائش ہوگی۔ اس کمرے کے اندر نور الدین پہلے جا کر اپنا لباس تبدیل کر لے گا۔ اس کے بعد تم کھانا تیار کر لینا اور کھانے کے بعد نور الدین کے کمرے کی صفائی کر کے اس میں ضرورت کی ہر شے سجا دینا کہ وہ کمرہ نور الدین کی مستقل رہائش گاہ ہوگا۔“

نور الدین کو مرشد اپنے ساتھ لے گیا اور جب وہ تیمور کے فراہم کردہ لباسوں میں سے ایک زیب تن کرنے کے بعد پھر سیف الدین کے پاس آیا تو خوشی کے اظہار میں سیف الدین مسکرایا اور توصیفی انداز میں نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! اب تم واقعی تیمور کے برزنیل گتے ہو، بخدا اس لباس میں بڑے سے بڑا برزنیل اور اعلیٰ شخصیت کے شہزادے بھی تمہاری اس جاذبیت اور پُرکشش شخصیت کے سامنے ہیچ و حقیر ہیں۔“ اور پھر سیف الدین نے آگے بڑھ کر نور الدین کا ہاتھ پکڑ لیا اور حویلی کے دیوان خانے میں لے گیا۔ وہاں وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے کہ مرشد وہاں کھانے آیا۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ اور جب مرشد وہاں سے برتن اٹھا کر چلا گیا تو نور الدین نے سیف کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”اے آقا! کیا آپ اس وقت مجھے امیر تیمور کے کمبل اور مفصل حالات نہ سنائیں گے۔ تاکہ آئندہ کی زندگی میں انہیں سمجھنے میں مجھے آسانی ہو اور ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں حالات کا بہتر طور پر ان کی خواہش و طبیعت کے مطابق اندازہ لگا سکوں۔“

سیف الدین نے اعتراض کرنے کے انداز میں مخاطب کیا۔ ”اے نور الدین!

میں تمہیں امیر تیمور کے حالات تو ضرور سناتا ہوں مگر تم اس سے پہلے یہ سن لو کہ اس کے بعد تم مجھے آقا کہہ کر مخاطب نہ کرو گے۔ تم مجھے اور مرشد کو عم کہہ کر پکار سکتے ہو۔ اور سنو نور الدین! اپنے ذہن سے یہ بات نکال دو کہ کبھی تم غلام تھے اور یہ کہ میں نے تمہیں ایک ایرانی تاجر سے خرید لیا تھا۔ اب سنو! میں تمہیں امیر تیمور کے حالات اختصاراً کے ساتھ سناتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسے نور الدین! دریاے جیحون کو عبور کرنے کے بعد سمرقند کی طرف آنے کے لیے دربند کے دروں سے گزرنے کے بعد انجیر اور خوبانی کے باغات کثرت سے ملتے ہیں۔ ان باغات کے اندر چھوٹا سا ایک دریا بہتا ہے جو شاید اسی خطے کے لیے مخصوص ہے۔ ان باغات سے گزر کر ایک شہر آتا ہے جس کے مزاروں کے سفید گنبد اور نیزوں کی شکل کے مینار پہلی ہی نظر میں متاثر کرتے ہیں۔ اس شہر کا نام سبز ہے اور اسی سبز شہر میں تیمور پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام طراغانی تھا وہ تاتاریوں کے برلاس قبیلے کا ایک سردار تھا اور بہت عرصہ پہلے منگولوں نے اس کے آباد اجداد کو یہ وادی عطا کی تھی۔ ان دنوں ان علاقوں کے اندر منگولوں میں سے ایک شخص امیر قزغن حکمران تھا اور اس امیر قزغن کو سالی سرانے کا بادشاہ گرجی کہا جاتا تھا۔ تیمور جب جوان ہوا اور اس کی شجاعت اور جوانمردی کی داستانیں سبز شہر کے اطراف میں بھی پھیل گئیں تو اسی سالی سرانے کے بادشاہ گرجی نے تیمور کو اپنے پاس سمرقند میں بلایا۔ تیمور فوراً اپنے ایک خانہ زاد ملازم عبداللہ کو ساتھ لے کر امیر قزغن کے پاس حاضر ہو گیا اور قزغن نے اسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ اس ملازمت کے دوران ایک بار کچھ ایرانی لیٹرے سرحد سے امیر قزغن کے کچھ گھوڑے ہنکا کر لے گئے۔ قزغن نے تیمور کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ تیمور ان لیٹروں کا خاتمہ کر کے گھوڑے واپس لے آیا۔

اس واقعہ سے امیر قزغن کے دل میں تیمور کے لیے ایک مہمروی اور شفقت پیدا ہو گئی اور پھر تیمور کے وہاں رہتے ہوئے مختلف مواقع پر قزغن نے یہ جان لیا

کہ تیمور کو خطرات میں کود پڑنے کا جنوں ہے اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ گھسان کا سن کیوں نہ پڑا ہو۔ حالات کہتے ہی ناموافق کیوں نہ ہو تیمور ذرا بھی نہیں گھبراتا، بلکہ تلواروں کے سائے میں بھی تفکر و تدبیر سے کام لینا جانتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر قزغین نے اپنی پتی الچاقی خاتون کی شادی تیمور کے ساتھ کر دی۔ اسی الچاقی خاتون سے تیمور کا پہلا بیٹا جو بائگیر پیدا ہوا۔ تیمور کی مدد سے قزغین نے مغربی صحراؤں اور جنوبی وادیوں کے اندر خوب فتوحات حاصل کیں لیکن جلد ہی ایک حادثے میں قزغین مارا گیا۔

قزغین کی موت کے بعد اس کا بیٹا حکومت کا کاروبار نہ سنبھال سکا اور اپنی جان بچانے کی خاطر سمرقند سے بھاگ گیا۔ اس کے فرار کے بعد تیمور کے چچا حاجی برلاس اور تیمور کی بیوی الچاقی خاتون کے جلاوتر قبیلے کا سردار بایزید سمرقند کے تخت کے دعویدار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان ہی دنوں جب کہ یہ نزاع جاری ہی تھا۔ شہر سبز میں تیمور کا باپ طراغاتی مر گیا۔ لہذا تیمور سمرقند سے نکل کر اپنے آبائی شہر سبز کی طرف چلا گیا۔

اس دوران ایک دوسرا طوفان نمودار ہوا۔ شمال کے وحشی منگولوں کے حکمران خان اعظم تغلق کو ان حالات کی خبر ہو گئی۔ اور یہ تغلق خان چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل سے تھا۔ اس نے سمرقند پر حملہ کر دیا اور لاجی علاقوں کو بُری طرح روندتا ہوا وہ سمرقند میں داخل ہو گیا۔ تیمور نے مزاحمت کرنے کی بجائے دانشمندی سے کام لیا۔ وہ خان اعظم تغلق کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے اپنی خدمات پیش کیں۔

تغلق خان تیمور سے بے حد متاثر ہوا اور اسے اپنے خیموں میں شامل کر لیا۔ لیکن تغلق خان ابھی ان علاقوں میں جمنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کے اپنے علاقوں میں اندرونی خلفشار اور بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لہذا تغلق خان نے تیمور کو توجان باشی کا خطاب

لے اس کا پد نام تغلق تیمور خان تھا اور یہ وسطی ایشیا کا سب سے طاقتور خان تھا۔

مے کہ اپنی مہراس کے حوالے کی اور اسے سمرقند اور اس کے فوجی علاقوں کا حکمران بنا کر وہ واپس چلا گیا۔

ان حالات کے بعد تیمور کے چچا حاجی برلاس اور جلا قریبی کے سردار بایزید نے آپس میں اتحاد کر کے تیمور کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ پہلے انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ تیمور کو ایک مہان کی حیثیت سے اپنے ہاں بلا کر اس کی ضیافت کی جائے اور پھر قتل کر دیا جائے لیکن تیمور دانش مند تھا وہ ان دونوں کی سازش بھانپ گیا اور کسیر پھوٹنے کا بہانہ کر کے وہ اس خیمے میں نہ آیا جس میں اسے بلایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے دوسری دانشمندی کا کام یہ کیا کہ اس نے اپنی بیوی ابجاتی خاتون کے بھائی امیر حسین سے مدد طلب کر لی اور یہ امیر حسین قاجل کا حکمران تھا۔

اپنی سازش میں ناکام رہنے کے بعد حاجی برلاس اور بایزید نے تیمور کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سمرقند سے باہر ان کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں قریب تھا کہ تیمور کو فتح نصیب ہوتی پر عین اس وقت جب جنگ اپنے عروج پر تھی تیمور کے لشکر کا ایک حصہ جس کا تعلق اس کے اپنے قبیلے برلاس سے تھا اس سے بغاوت دے دفائی کر کے اس کے چچا حاجی برلاس کے ساتھ جا ملا۔ اس بنا پر تیمور کو سپاہ ہونا پڑا۔ پر اسی وقت امیر حسین ایک انفانی لشکر کے ساتھ قاجل سے واپس پہنچ گیا۔ لہذا تیمور سپاہ ہو کر امیر حسین سے جا ملا۔ اب ایک طرف تیمور اور امیر حسین تھے اور دوسری طرف حاجی برلاس اور بایزید اور ان کے درمیان جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

لیکن حالات نے ایک بار پھر ٹپٹا کھایا اور خان اعظم تغلق اپنی بغاوتوں کو فرو کر کے اور اندرونی خلفشار پر قابو پا کر واپس آ گیا اور آتے ہی اس نے حاجی برلاس اور بایزید کے متحدہ لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بایزید جلا تارا گیا۔ تیمور کا سنگدل چچا شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ پھر اس فرار کے مدد ان حاجی برلاس بھی ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حاجی ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

خان اعظم تغلق نے اپنے بیٹے ایاس خواجہ خان کو سمرقند کا حکمران بنایا۔ اپنے ایک

سردار بیک چک کو ایلاس خواجہ خان کا مشیر مقرر کیا اور تیمور کو ان کی افواج کا سالارِ عسلی بنانے کے بعد۔ اپنی سرزمین میں اپنے مرکزی شہر المالین کی طرف چلا گیا تھا۔

لیکن ایلاس خواجہ خان اور اس کا مشیر بیک چک دونوں ہی لیٹھے ثابت ہوئے دونوں نے سمرقند میں لوٹ مار شروع کر دی اور اس لوٹ مار کے علاوہ ان دونوں نے بہت سی نو عمر اور حسین لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر بلادِ شمال کی طرف بھیج دیا۔ ان حالات پر تیمور کے پیرو مرشد مولانا زین الدین نے تیمور سے انتہائی غیظ و غصہ کی حالت میں شکایت کی۔ تیمور نے انتہائی غصے سے اور ناپسندیدگی کی حالت میں خواجہ خان سے ان امور کی شکایت کی مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

تیمور نے مجبور ہو کر کچھ مسلح دستے ساتھ لیے اور شمال کی جانب کوچ کر گیا۔ راستے میں جہاں کہیں بھی زبردستی لونڈیاں بنائی جانے والی لڑکیوں کے گروہ اسے ملے انہیں اس نے آنا دکر لیا اور اس کام کے لیے اس نے اپنی تلوار بھی خوب استعمال کی۔

ایلاس خواجہ خان کو جب تیمور کے اس ردِ عمل کی خبر ہوئی تو وہ بڑا برا فروختہ ہوا اس نے فوراً تیمور کو باغی قرار دے کر اس کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔

اب حالات تیمور کے لیے ابتر ہو گئے تھے۔ ایلاس خواجہ خان اور خونخوار بیک چک کے انتقام سے بچنے کے لیے اپنی بیوی ابجاقی خاتون بیٹھے جہانگیر اور چند جانشینوں کے ساتھ وہ سرخ مٹی کے غیر آباد اور بے آب و گیاہ مغربی صحراؤں کے اندر روپوش ہو گیا۔ اس دوران امیر حسین نے تیمور کی مدد کے طور پر سمرقند کو منگولوں سے خالی کرنا چاہا لیکن اس کے لشکر کو بھی شکست ہوئی اور وہ مشکل اپنی جان بچا کر بھاگا اور اپنی بیوی دلشاد آغا اور چند جاں نثاروں کے ساتھ وہ مغربی صحرا میں تیمور سے آ ملا۔

اسی حالت میں یہ دونوں اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ خیمہ شہر پہنچے۔ حاکم شہر کو جب ان دونوں کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے ارادہ کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کر کے

لے خطا کی شاہراہ پر ایک حسین شہر جو اپنے باغات اور پیداوار کے باعث مشہور تھا۔

منگول حکمران ایلیاس خواجہ خان کے سامنے پیش کر کے اس سے انعام و اکرام حاصل کرے اس مقصد کے لیے اس نے اپنا ایک شکر تیمور اور امیر حسین کے تعاقب میں کر دیا۔ تاکہ دونوں کو گرفتار کر سکے۔ تیمور اور امیر حسین کو بھی حاکم خیوہ کے اس ارادے کی خبر ہو گئی تھی۔ بعد میں نہ جلنے حاکم خیوہ نے کیا سوچا کہ وہ تیمور اور امیر حسین کو گرفتار کرنے کے لیے خود بھی اپنے تعاقب کرنے والے لشکر میں آ شامل ہوا۔

تیمور اور امیر حسین نے حاکم خیوہ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لہذا وہ گھات لگا کر تعاقب کرنے والوں کا انتظار کرنے لگے اور جب تعاقب کرنے والے نزدیک آئے تو انہوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ کوہستانوں کے اندر ہونا تک جنگ ہوئی جس میں حاکم خیوہ تیمور کے ہاتھوں مارا گیا اور تعاقب کرنے والا لشکر بھی تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

اس دوران تیمور نے ایک قدم اور اٹھایا۔ امیر حسین، اس کی بیوی، اپنی بیوی اور شکریوں کو اس نے ایک گناہ سے قصبے میں چھوڑا اور سمرقند کے حالات معلوم کرنے کی خاطر وہ بھیس بدل کر سمرقند شہر میں داخل ہوا۔ وہ کئی دن تک شہر میں مقیم رہا اور اپنے پرانے دوستوں سے مل کر ایک لشکر جمع کرتا رہا اور اس کا ساتھ دینے والے جنگجو سمرقند سے نکل کر سبز شہر کا رخ کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے کچھ دوستوں کے ذریعے سے تیمور کو پتہ چل گیا کہ ایلیاس خواجہ خان کو سمرقند میں اس کی موجودگی کی اطلاع ہو گئی ہے لہذا تیمور سمرقند سے بھاگ نکلا اور سمرقند سے حاصل ہونے والے لشکریوں کو لے کر وہ امیر حسین سے آ ملا۔

اب تیمور اور امیر حسین کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایلیاس خواجہ خان کے تعاقب سے بچنے، اپنے حالات سنوارنے اور مستقبل سے متعلق کوئی بہتر فیصلہ کرنے کی خاطر انہوں نے سیستان کا رخ کیا لیکن یہاں حالات ایسے پیچیدہ قسم کے پیدا ہوتے کہ ان کی حاکم سیستان کے ساتھ جنگ ہو گئی۔ اس جنگ میں تیمور اور امیر حسین کو فتح ہوئی۔ ان کے ہاتھ دولت کے انبار لگ گئے اور ان کے لشکریوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس جنگ کے دوران ہی ایک تیر تیمور کے پاؤں میں لگ گیا۔ جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یز زخم کو بھر

گیا لیکن تیمور کے پاؤں میں کوئی ایسا نقص پیدا ہو گیا کہ وہ لنگڑا کر چلنے لگا جس کی وجہ سے اس کے دشمن اسے تیمور لنگ کہہ کر پکارنے لگے۔

دوسری طرف الیاس خواجہ خان اور بیک جبکہ بھی تیمور اور امیر حسین کے خلاف حرکت میں آپکے تھے اور ایک ہزار لشکر کے ساتھ انہوں نے ان دونوں کی طرف کوچ کیا تھا تیمور ابھی تک اپنے پاؤں کے زخم کی وجہ سے آسانی کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل نہ تھا۔ لہذا امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ نکلا تاکہ الیاس خواجہ خان اور بیک جبکہ کو روک دے لیکن امیر حسین ناکام رہا۔ الیاس خواجہ اور بیک جبکہ کے مقابلے میں امیر حسین کو شکست ہوئی۔ اب تیمور کو زخمی ہونے کے باوجود حرکت میں آنا پڑا۔ اس دوران تیمور کی بہتری کا کام یہ ہوا کہ وہ تاتاری جنگجو جو الیاس خواجہ اور بیک جبکہ کے مظالم سے تنگ آکر ادھر ادھر گنہگار کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے تھے وہ بحق درجوق تیمور کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔

بہر حال مختصر یہ کہ الیاس خواجہ اور بیک جبکہ کے ساتھ جنگ ہوئی اور اس جنگ میں تیمور اور امیر حسین نے مل کر ان دونوں کو شکست دی۔ الیاس خواجہ کی شکست سے وہ تاتاری جو اس کے لشکر میں شامل تھے اس سے منحرف ہو کر تیمور کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

اب تیمور اور امیر حسین ایک قوت بن گئے تھے۔ تیمور، امیر حسین کو اپنے آپ سے جُدا بھی نہ کرتا تھا۔ ایک تو وہ اس کی بیوی کا بھائی تھا دوسرے وہ سالی ملے کے بادشاہ گڑ امیر قزغن کا پوتا تھا اور لوگ اس کا احترام کرتے۔ لہذا تیمور اُسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے پر مجبور تھا۔ شکست کھانے کے بعد الیاس خواجہ ایک کوہستانی چھتے کی طرف پسا ہوا اور تیمور پر ضرب لگانے کے لیے اپنے لشکر کو از سر نو استوار کرنے لگا لیکن تیمور نیزی کے ساتھ حرکت میں آیا اور آگے بڑھ کر اس نے سمرقند اور شہر سبز پر قبضہ کر لیا۔

قبل اس کے کہ الیاس خواجہ تیمور کے خلاف کسی دوسری جنگ کی ابتدا کرتا، خطا

کی سرزمین کی طرف سے المالیت شہر سے ایک قاصد اس کی طرف آیا۔ جس نے یہ خبر دی کہ المالیت شہر میں اس کا باپ خان اعظم تغلق تیمور خان مرگیا ہے۔ لہذا ایاس خواجہ مجبوراً المالیت کی طرف کوچ کر گیا۔

ایاس خواجہ کی غیر موجودگی میں بیک جبک نے تیمور سے ٹکرانے کا عزم کیا۔ لیکن ایک مختصر سی جنگ کے دوران بیک جبک کو شکست ہوئی اور وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا لیکن تیمور نے رحمدلی سے کام لے کر بیک جبک کو رہا کر دیا۔ اب تیمور جنگی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ المالیت کی طرف سے ایاس خواجہ خان اپنی گزشتہ شکست کا بدلہ لینے کی خاطر بہت بڑا لشکر لے کر آئے گا۔

اور یوں ہی ہوا۔ تیمور کے پھیلائے ہوئے جاسوسوں نے آکر خبر دی کہ ایاس خواجہ المالیت سے نکل کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھ رہا ہے تیمور اور امیر حسین اپنے متحدہ لشکر کو لے کر اس شاہراہ پر آگئے تھے جس پر سے ایاس خواجہ نے آنا تھا۔ آخر کار ایاس خواجہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا اور دونوں لشکروں میں گھسان کی جنگ چھڑ گئی۔

اس دوران ایک مصیبت آن پڑی کہ موسلا دھار بارشیں شروع ہو گئیں۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ میدان جنگ کا سارا علاقہ دلدل بن کر رہ گیا تھا اور پھر اس پرستیزانہ یہ کہ امیر حسین کے لشکر کو منگولوں نے اُدھیر کر رکھ دیا تھا اور وہ پسپائی پر مجبور ہوا تھا تیمور نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی سمرقند کی طرف پسپا ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سمرقند میں محصور رہ کر منگولوں کا مقابلہ کرے گا۔ تاہم امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

تیمور جس وقت سمرقند میں آکر محاصرے کے انتظامات کر رہا تھا اسے یہ حال فرسا خبر ملی کہ اس کی بیوی الحباتی خاتون سبز شہر میں فوت ہو گئی ہے۔ لہذا تیمور سمرقند سے سبز شہر کی طرف چلا گیا اور اپنی بیوی کی پھیز و تکفین میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران

میں ایسا خواجہ نے سمرقند کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سمرقند والوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لیے اور پھر وہ تیمور اور امیر حسین کا انتظار کرنے لگے۔ اس عرصے میں شہر کے علماء نے شہریوں کا حوصلہ برقرار رکھنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ بخارا کے مفتی جوان دونوں سمرقند میں قیام کیے ہوئے تھے انہوں نے اپنی تقریریں سے لوگوں کے اندر ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ اہل سمرقند کی خوش قسمتی کہ ایسا خواجہ کے لشکر میں ایک وبا پھیل گئی۔ پہلے لشکر کے تین چوتھائی گھوڑے اس وبا کا شکار ہوئے اور پھر لشکر بھی اس وبا میں مبتلا ہونے لگے تھے۔ لہذا ایسا خواجہ خوفزدہ ہو گیا اور سمرقند کا محاصرہ ترک کر کے اپنے آبائی شہر المالین کی طرف چلا گیا۔

تیمور اپنی بیوی البجاتی خاتون کے غم میں سبز شہر میں پڑا ہوا تھا لیکن امیر حسین موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ ایسا خواجہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس چلا گیا ہے۔ تو وہ حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ سمرقند شہر میں داخل ہو گیا۔ تیمور بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔

امیر حسین چونکہ سمرقند کے سابق حکمران امیر قرغن کا پوتا تھا اور اس کا تعلق ایک حکمران خاندان سے تھا لہذا امیر حسین اور تیمور میں اتحاد رکھنے کی خاطر لوگوں نے امیر حسین کو تخت پر بٹھا کر اپنا حکمران تسلیم کر لیا اور تیمور کو سپہ سالار بنانے کے علاوہ اسے امیر حسین کا نائب بھی تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ زمین کی تقسیم، مالیہ دواغیر واجبات کی وصولی اور دیوانی مقدمات کے فیصلے بھی تیمور کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

تیمور کی بیوی البجاتی خاتون کی موت کے بعد تیمور اور امیر حسین کے درمیان وہ رشتہ اور تعلق منقطع ہو گیا جس میں یہ دونوں منسلک تھے اور اب ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیوں، نفرتوں اور کدورتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر امیر حسین نے تیمور کو نیچا دکھانے کی خاطر ناعاقبت اندیشی کا یہ ثبوت دیا کہ اس نے تیمور کے قبیلہ برلاس پر بھاری محسول لگا کر رکھ دیا۔ تیمور نے

اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ گزشتہ جنگوں میں برلاس قبیلے کو شدید نقصان پہنچے ہیں۔ لہذا ہم مصروف ناوا جب ہے لیکن امیر حسین اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں تک کہ تیمور نے اپنے لیے برعائد کی جانے والی رقم اپنی گروہ سے ادا کی اور اس رقم کی ادائیگی کے لیے اس نے اپنی بیوی اور امیر حسین کی بہن ابجائی خاتون کے زیورات، کانوں کی بائیاں و زینتوں کا قیمتی گلوبند جو اس نے شبِ عروسی میں پہنا تھا، امیر حسین کے حوالے کر دیا اور امیر حسین ایسا بے حمیت ہو گیا تھا کہ یہ سارے زیور پہچان لینے کے باوجود اس نے لکھ لیے تھے۔

اس موقع پر جو مفسد امراء تھے انہوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور وہ صرف اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے تیمور اور امیر حسین کو ایک دوسرے کے خلاف بڑھکانے لگے تھے۔ اب تیمور کا بیٹا جہانگیر بھی جوان ہو چکا تھا اور اس کی وجہ سے جلاتر قبیلے کے سردار بھی تیمور سے مل گئے کیوں کہ جلاتر قبیلہ جہانگیر کا نھیاں تھا۔

کئی برس تک تیمور اور امیر حسین میں اندر ہی اندر ایک کشمکش چلتی رہی یہاں تک کہ دونوں کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور دونوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاتاری سردار امیر حسین کو چھوڑ کر تیمور سے ملنے لگے۔ پھر دونوں میں کھل کر جنگ ہوئی۔ امیر حسین تیمور کی طاقت کا اندازہ نہ لگا سکا اور جنگ میں اس کی عسکری قوت یوں زائل ہو گئی جیسے گہری میوں میں برف پگھل کر رہ جاتی ہے۔ امیر حسین کو شکست ہوئی اور وہ قتل ہو گیا۔ اس کا ساتھ دینے والے بڑے بڑے افغانی سردار بھی موت کا شکار ہو گئے تھے۔

امیر حسین کے قتل کے بعد سالار تیمور، امیر تیمور بن کر نمودار ہوا۔ اب وہ بلا شکر کو غیر ایک خود مختار حکمران تھا اور امیر حسین کی بیوہ سرانے خانم سے اس نے شادی کر لی۔

کچھ عرصہ تک تیمور اپنے لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف رہا اور جب اس کا لشکر اس کی خواہش کے مطابق تیار ہو گیا تو وہ ایک طوفان بن کر نمودار ہوا اور اس

نے خوارزم، ہرات اور بدخشاں تک کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پر اے نور الدین! یہ شہر فتح کرنے کے بعد تیمور ایک شمالی مہم میں مصروف تھا کہ اس کا بیٹا جہانگیر مر گیا اور اپنے اس بیٹے سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

جہانگیر کے بعد تیمور اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کا بیٹا شاہر رخ جو سر لے خانم سے ہے اور دوسرا تیمور کا پوتا اور جہانگیر کا بیٹا پیر محمد ان دونوں سے وہ دیوانگی کی حد تک پیار کرتا ہے اور ہاں نابالغ لڑکوں میں تیمور شاہر رخ کے بیٹے الفخ خان کو پسند کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تیمور اپنے پوتے، جہانگیر کے بیٹے اور پیر محمد کے بھائی محمد سلطان کو بھی بے حد پسند کرتا ہے۔ تو اے نور الدین! یہ ہیں امیر تیمور کے اب تک کے حالات ۛ

جواب میں نور الدین مسکرتے ہوئے بولا۔ اے عم! میرے خیال میں آپ کو مختصر یہ کہنا چاہیے تھا کہ تیمور اپنے بیٹوں اور پوتوں سب کو دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے ۛ

سیف الدین نے فوراً اس کی نفی کر دی۔ اے نور الدین! ایسا نہیں ہے۔ میں نے یہ حالات تمہیں اختصار کے ساتھ ہی سنائے ہیں۔ اگر تفصیل کے ساتھ سُنا چاہتا ہو تو سنو! اپنے بیٹوں اور پوتوں میں سے امیر تیمور کچھ کو دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔ کچھ کو صرف پسند کرتا ہے اور کچھ سے نفرت کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ تیمور اپنے پوتے خلیل کو پسند کرتا ہے، اپنے بیٹے میراں شاہ سے نفرت کرتا ہے اور ان کے علاوہ سب بیٹوں اور پوتوں سے دیوانگی کی حد تک پیار کرتا ہے۔

اے نور الدین! تم بھی میراں شاہ سے اجتناب کرنا، خلیل سے مختصر تعلقات رکھنا۔ ہاں شاہر رخ، شہزادہ محمد سلطان، شہزادہ پیر محمد اور الفخ خاں ایسے ہیں کہ ان پر ہر معاملے میں ہمہ وقت بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

نور الدین نے پھر پوچھا۔ اور اے عم! امیر تیمور کی اپنے بیٹے میراں شاہ سے نفرت اور خلیل سے محبت نہ کرنا کس بنا پر ہے؟

سیف الدین ہلکا سا مسکرایا پھر بولا - 'سنو نور الدین! میں تمہیں امیر تیمور کے گھریلو حالات بھی تفصیل سے سنانا ہوں۔ بات یہ ہے کہ امیر تیمور کے چار فرزند ہوئے جہانگیر، عمر شیخ، میراں شاہ اور شاہ رخ - جہانگیر اور عمر شیخ تو مر گئے ہیں جب کہ میراں شاہ اور شاہ رخ زندہ ہیں۔

سنو نور الدین! امیر تیمور کی بہو خاندانہ یعنی جہانگیر کی بیوی انتہائی چالاک اور مکار عورت ہے۔ جہانگیر اور عمر شیخ کی موت کے بعد امیر تیمور کی توجہ کامرکز اس کا بیٹا میراں شاہ تھا اور تیمور نے اپنی زندگی میں ہی اپنی سلطنت کے ایک وسیع حصے کا حکمران بنا رکھا تھا اور اس کامرکز شہر سلطانیہ تھا۔ جہانگیر کی موت کے بعد اس کی بیوی اور امیر تیمور کی بہو خاندانہ نے ایک خطرناک چال چلی۔ اس لیے کہ وہ اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان یا پیر محمد میں سے کسی کو تیمور کا وارث بنانا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میراں شاہ کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں۔

گوزندہ بیٹوں میں سے امیر تیمور کا دوسرا بیٹا شاہ رخ بھی تھا لیکن خاندانہ اس کی طرف سے فکر مند نہ تھی اس لیے کہ شاہ رخ انتہائی نفیس طبع، نرم مزاج اور حکومت کے بجائے کتابوں کی طرف مائل ہونے کی بنا پر اپنے بھائیوں سے مختلف ہے۔ لہذا خاندانہ نے ایک چال چلی اور اپنے شوہر جہانگیر کی موت کے بعد وہ میراں شاہ کے مرکز شہر سلطانیہ میں جا کر رہنے لگی اور یہ خاندانہ اپنی جوانی کے زمانے میں انتہائی حسین و پری جمال تھی۔ لہذا سلطانیہ شہر میں رہ کر اس نے اپنے حسن و جمال سے میراں شاہ کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس کی خوب صورتی کا جادو میراں شاہ پر چل گیا۔

میراں شاہ اسے اپنے محل میں لے گیا اور وہاں اس کے حسن سے اپنے نفس کی بھوک لٹائی۔ جب یہ کام ہو چکا تو خاندانہ نے سمرقند آ کر تیمور سے شکایت کر دی کہ اس کے بیٹے نے اسے بے آبرو کر دیا ہے۔ لہذا تیمور کا غضب میراں شاہ پر ٹوٹا۔ اپنے امرا کے کہنے پر تیمور نے میراں شاہ کی جان بخشی تو کر دی لیکن اس سے تمام اختیارات و مناصب چھین لیے اور ان دنوں میراں شاہ سلطانیہ شہر میں گوشہ گیری اور گمنامی کی

زندگی بسر کر رہا ہے۔

اے نور الدین! میرا شاہ کے ہاتھوں خانزادہ کی اس بے آبروئی کے نتیجے میں خانزادہ کے ماں میرا شاہ کا لڑکا پیدا ہوا اور یہ اب جوان ہو چکا ہے اور اس کا نام خلیل ہے۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی بنا پر تیمور میرا شاہ سے نفرت کرتا ہے اور خلیل کے ساتھ دوسرے پوتوں کی نسبت اسے کم محبت کرتا ہے۔

اور سنو نور الدین! گو سب جانتے ہیں کہ خلیل خانزادہ کا میرا شاہ میں سے ایک ناجائز بچہ ہے لیکن کوئی اس کا اظہار نہیں کر سکتا اس لیے کہ تیمور نے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ میرا شاہ نے خانزادہ سے شادی کر لی تھی جس کے نتیجے میں شہزادہ خلیل پیدا ہوا اس کے بعد دونوں میں علیحدگی ہو گئی کہ دونوں کی طبائع آپس میں موافقت نہ رکھتی تھیں۔

اور یہ بھی سنو نور الدین! کہ خانزادہ کے بڑے بیٹے محمد سلطان اور پیر محمد جو اس کے شوہر جہانگیر میں سے ہیں۔ اس قبیح فعل کی بنا پر اپنی ماں خانزادہ کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان دونوں کے شہزادہ خلیل کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں۔ خانزادہ کو بھی ان حالات کا علم ہے لہذا اب اس کی ساری توجہ اور تمام محبت کا مرکز خلیل ہے اور وہ ہر حال میں شہزادہ خلیل کو تیمور کا وارث بنانا چاہتی ہے۔ خانزادہ کی اس بے جا محبت اور توجہ نے خلیل کو انتہا درجہ کا مغرور، سرکش، باغی اور متکبر انسان بنا کر رکھ دیا ہے۔

سیف الدین رکا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ اے نور الدین! میں نے امیر تیمور کے حالات اختصار کے ساتھ تمہیں سنا دیے ہیں۔ اگر یہ حالات میں تفصیل کے ساتھ سناتا تو ان پر ایک مکمل کتاب ترتیب پاسکتی تھی۔ تیمور کے سارے حالات سننے کے بعد اب تمہیں اس کے ساتھ کام کرنے اور حالات کو سمجھنے میں آسانی رہے گی اور اے نور الدین! امیر تیمور کے دربار میں تو تیرا مقام تجھے حاصل ہو چکا ہے چند روز تک امیر تیمور ایک مہم پر روانہ ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس مہم میں تجھے آئے گا۔

اس کے بعد شکر میں تیرے عہدے اور حیثیت کا تفرر کرے گا۔“

نور الدین نے شوق و دل چسپی اور لہر و امنگ میں سیف الدین کی طرف کیا
پھر اس نے بھرپور جوش و سرگرمی اور خواہش و آرزو میں پوچھا۔ اے عم! امیر تیمور
کون سی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔ کیا اس مہم کی آپ مجھے تفصیل نہ سنائیں گے اور
امیر تیمور کی یہ مہم کس کے خلاف ہوگی۔“

سیف الدین مسکراتے ہوئے بولا۔ اے نور الدین! یہ مہم منگولوں کے خلاف ہو
گی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک انتہائی خطرناک اور بڑی مہم ہوگی۔ میں تمہیں پہلے یہ بتا دوں کہ ان
منگولوں کی کیفیت ان دنوں کیا ہے اور یہ جنگ کہاں اور کس بنا پر ہوگی۔

سنو عزیز! چنگیز خاں کے بعد اس کے بیٹے چغتائی کی نسل کے لوگ طاقت اور
امت پکڑ کر المالتی اور اس کے ناجی علاقوں پر دور دور تک قابض ہو گئے اور المالتی کو
انہام کزی شہر بنا کر انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ وہی منگول ہیں جن پر خان اعظم
اللقن حکومت کرتا رہا اور اس کے بعد وہی ایلاس خواجہ ان کا خان رہا جو امیر تیمور کے
خلاف برسرِ پیکار رہا تھا۔ تیمور نے اب ان کا زور توڑ دیا ہے اور ان سے کوئی
خطرہ نہیں ہے۔

منگولوں کا ایک دوسرا گروہ جو ان دنوں زیادہ طاقتور اور خطرناک ہے وہ
لاہار، زریں یا سنہری غول کہلاتا ہے۔ اس گروہ کی بنیاد چنگیز خان کے بیٹے جوچی کے
ہاتھوں نے ڈالی تھی۔ باتو چونکہ اپنے خیمے پر سنہری کپڑا منڈوا کر رکھتا تھا لہذا ان کا نام سنہری
لول پڑا۔ منگولوں کی یہ شاخ خوب پھولی پھلی۔ روس اور وسطی ایشیا کے وسیع اودیران
طی م نفع کے علاقے اس کی جولان گاہ تھے۔ ان لوگوں میں اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا
اور یہ لوگ دریائے وولگا کے کنارے اپنے مرکزی شہر سرائے اور استراخان میں رہ کر
میں حکومت کرتے تھے اور روسی والیان ریاست ان کے لیے خراج اور تحائف لے کر
ان کے پاس ان کے شہروں میں آیا کرتے تھے اور یہ لوگ خود روس کی حدود میں اس
دفعہ داخل ہوا کرتے تھے جب خراج کی ادائیگی میں روس کی طرف سے کوتاہی کی جاتی تھی۔

ایسے موقعوں پر یہ لوگ روس میں داخل ہو کر آگ اور خون کا ایک طوفان کھڑ کر کے رکھ دیتے تھے۔ اور اپنی پسند کی ہر چیز پر یہ لوگ قبضہ کر لیتے تھے۔ روس میں صرف ایک بازار ان کی طاقت پر ضرب لگائی گئی تھی اور وہ اس وقت جب والی ماسکو و متری ڈیڑھ لاکھ کالٹر لے کر ان کے مقابلے میں آگیا اور دریائے ڈان کے کنارے منگولوں کے موجودہ خلا مہائی کو شکست دی لیکن و متری کی یہ فتح دیر پا ثابت نہ ہوئی کیوں کہ جلد ہی مہائی ان پر حملہ آور ہوا اور دوبارہ انہیں اپنا ماتحت بنا کر انہیں خراج دینے پر مجبور کر دیا۔ ان ہی دنوں اتفاق سے ایسا ہوا کہ ایک منگول شہزادہ جس کا نام تو قتمش ہے ایک منگول سردار کے بیٹے کو قتل کر کے بھاگ نکلا اور تیمور کے پاس آکر اس نے پناہ لی۔

اس سے چند ہی دن بعد ایک منگول سردار کریمیا کے خان ارسل خان کی طرف سے آیا اور تیمور کو دھمکی دی کہ تو قتمش نے میرے بیٹے کو قتل کر کے تمہارے پاس پناہ لی ہے اور یہ کہ ارسل خان کے کہلا بھیجا ہے کہ تو قتمش کو واپس کر دو۔ ورنہ وہ تمہارے خلاف جنگ کرے گا اور اس کے لیے وہ جلد کسی میدان جنگ کا انتخاب کرے گا۔ تیمور تو خود منگولوں کے خلاف جنگ چاہتا تھا لہذا اس نے تو قتمش کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ تیمور نے تو قتمش کے لیے ایک بہترین ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس ضیافت میں تو قتمش کو اس نے بیٹا کہہ کر پکارا۔ اسے دلو سرحدی قلعے دیئے اور ایک لشکر بھی اس کے حوالے کر دیا۔

تیمور کی طرف سے یوں کیل کانٹے سے لیس ہو کر تو قتمش شمال کی طرف بڑھا۔ وہ کریمیا پر حملہ آور ہو کر ارسل خان کو زیر کر کے کریمیا پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس جنگ میں تو قتمش شکست کھا کر واپس لوٹا۔

تیمور نے ایک بار پھر اسے ایک لشکر دے کر بھیجا لیکن اس بار پھر تو قتمش کو شکست ہوئی۔ اتفاق سے اُن ہی دنوں کریمیا کا منگول حکمران ارسل خان مر گیا۔ لہذا تو قتمش نے فوراً اپنے حقوق کا دعویٰ کر دیا۔ تیمور نے بھی اس کی مدد کی۔ اس کے علاوہ ارسل خان کے بعد کریمیا کے آس پاس کے منگول قبائل بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے پر

آباد ہو گئے۔ اس بار تو قتمش اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور آگے بڑھ کر اس نے کرمیا پر قبضہ کر لیا۔

بنیادی طور پر تو قتمش ایک ظالم، جابر، سرکش اور سفاک انسان ہے لب تو قتمش نے بڑی تیزی سے فتوحات حاصل کرنی شروع کیں اور پھر وہ کالی آدھی اور ظلم کے طوفان کی طرح چھاتا چلا گیا اور اس نے منگولوں کے بڑے خان ممائی کو بھی سرائے شہر سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اب وہ منگولوں کا خانِ اعظم بن گیا تھا۔

اب اس تو قتمش نے روس سے خراج طلب کیا لیکن روسی حکمرانوں نے اس پر بنا یہ خراج دینے سے انکار کر دیا کہ شاید وہ تو قتمش کے خلاف جنگ کر کے کامیاب رہیں اور منگولوں کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے لیکن تو قتمش خون کے دریا بہاتا اور ہر چیز کو آگ لگاتا ہوا ان کی سرزمین میں داخل ہوا۔ ماسکو کو اس نے فتح کر لیا اور روسی حکمران کے بیٹوں کو پابجولاں کر کے سرائے شہر لایا اور روسیوں سے تاوان و خراج وصول کیا اور اس کی دہشت یہاں تک بڑھی کہ وینس اور جنیوا کے امراء تجارتی مراعات کی درخواستیں اس کے سامنے پیش کرنے لگے۔

اب جو تو قتمش کا دماغ خواب ہوا تو اس نے تیمور کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ اس کے امراء اور مشیروں نے منع بھی کیا کہ تیمور تمہارا محسن ہے، ایسا نہ کرو لیکن وہ نہ مانا۔ اس لیے کہ وہ کچھ عرصہ سمرقند میں رہ کر گیا تھا۔ سمرقند کی جو شان و شوکت اور مال کے جو جگمگانے ہوئے خیمے وہ دیکھ گیا تھا ان کے باعث اس کے منہ میں رال پلنے لگی تھی لہذا اس نے تیمور کی مملکت پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ تیمور ان دنوں اپنے لشکر کے ساتھ بحیرہ خزر کے قریب ایک مہم میں مصروف تھا۔ تو قتمش حملہ آور ہوا اور طوفان کی طرح بڑھتا چلا آیا۔

تیمور کے قلعہ داروں نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن ہر ایک کو شکست دیتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا اور دریائے سیہوں کو پار کر کے وہ سمرقند کی طرف بڑھا۔ تیمور کو اب اس حملے کی خبر ہوئی تو وہ اپنی مہم ترک کر کے بڑی تیزی سے خراسان کے راستے

سمرقند پہنچا۔ تو قتمش کو جب تیمور کے واپس سمرقند آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ بخارا کے مضافات میں آگ لگاتا اور ہر طرف تباہی پھیلاتا ہوا دریائے سیہوں کو عبور کر کے واپس چلا گیا۔ مگر اس کے واپس جانے سے یہ قضیہ ختم تو نہ ہو سکتا تھا۔

اے نور الدین! گو یہ حالات بڑے طویل ہیں پر میں تمہیں مختصر صرف اس قدر بتا دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ تو قتمش کے اس حملے سے تیمور کے لیے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اس کے خلاف بغاوتیں اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور گج کے سرکٹر سرداروں نے تیمور کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس کے علاوہ چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل کے منگولوں نے بھی تیمور کی مملکت پر حملے شروع کر دیے۔

تیمور نے پہلے اور گج کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد وہ منگولوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں بار بار کرالما لیتن کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد تیمور نے تو قتمش کی طرف رجوع کیا اور شمالی برفتاندوں کے اندر سے ہولناک شکست دی لیکن اس جنگ میں تو قتمش اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور کچھ روپوش ہو گیا اور تیمور اس ہم کو کامیابی کے ساتھ سر کرنے کے بعد سمرقند واپس آ گیا۔ یوں چند سال تک امن اور خاموشی رہی۔ پرتو قتمش اندر ہی اندر جنگ کی

تئیا ریاں کرتا رہا اور پھر ایک روز وہ اچانک نمودار ہوا اور تیمور کی سلطنت پر بحیرہ خزر کے شمال میں یلغار کر دی۔ تیمور نے بڑی برہمی میں اسے خط لکھ کر ایک قاصد کو اس طرف بھیجا اور اس خط میں تیمور نے لکھا کہ

”تجھ میں یہ کیا خناس گھسا ہوا ہے۔ کیا تو گوشہ جنگ کو بھول گیا؟ تو جانتا ہے کہ میرے لیے امن اور جنگ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور تجھے میری فتوحات کا بھی علم ہے۔ لہذا تو میرے قاصد کے ہاتھ بتا کہ تو دوستی چاہتا ہے یا دشمنی۔ آئندہ کے لیے ایک کو پسند کر کے مجھے اطلاع دے۔“

کچھ عرصہ ہوا تو قتمش کی طرف سے یہ قاصد واپس آ گیا۔ تو قتمش نے تیمور کے

ساتھ جنگ کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ اب تیمور بھی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا ہے اور کسی بھی روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ تو قشقرق سے نکلنے کے لیے شمال کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔ گو تیمور اس وقت تریپن برس کا ہو چکا ہے لیکن اس کے جسم کی چستی اور تیزی جوانوں جیسی ہی ہے۔

اے نور الدین! میری ایک ادبات بھی غور سے سن لو۔ تیمور کے لشکر میں کافی تعداد میں نصرانی سپاہی بھی شامل ہیں۔ اسی وجہ سے ہر جنگ میں اسقف یوحنا بھی تیمور کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اسقف یوحنا اپنی بیوی مانتھس اور بیٹی انجیلینا کو بھی لشکر میں اپنے ساتھ ساتھ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ لشکر کے دیگر لوگ بھی اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لشکر میں رکھتے ہیں۔ تیمور کی اس وقت دو بیویاں ہیں ایک ملکہ سرائے خانم جو شاہ رخ کی ماں ہے اور اس سے پہلے امیر حسین کی بیوی تھی اور دوسری مے عموماً چھوٹی خانم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہ تیمور کے ایک سردار منگلی خان کی بیٹی ہے۔ تیمور اکثر اپنی بیویوں میں سے کسی کو ساتھ نہیں رکھتا۔

نور الدین! یہ بات بھی ذہن میں رکھنا کہ کچھ معاملات میں مجھے تیمور کے ساتھ اختلاف بھی ہے۔ پھر بھی میں اس کا ساتھ دیتا ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے پر اسلام اور مسلمان کی قدر نہیں کرتا۔ شراب بہت پیتا ہے رقص و سرود اور موسیقی کا شیدائی اور دلدادہ ہے۔

ان خامیوں کے باوجود میں تیمور کا ساتھ دینے پر کیوں مجبور ہوں یہ ایک لمبی گفتگو ہے جو کسی مناسب وقت پر میں تم سے کہوں گا۔ اب تم اٹھو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اور سنو! ان دنوں امیر تیمور کے ساتھ جنگ کے لیے کوچ کرنے کی خاطر ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے۔ اب تم جا کر آرام کرو۔

نور الدین خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔



اپنی عسکری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد امیر تیمور نے منگولوں کی سرکوبی کرنے کے

لیے سمرقند سے کوچ کیا۔ تیمور کا ارادہ تھا کہ سب سے پہلے تو قمش کو کسی کھلے میدان جنگ میں زیر کیا جائے۔ اس کے بعد اس کے بڑے بڑے شہروں کو تباہ و برباد کر دے تاکہ آئندہ کسی منگول کو اس کے خلاف سراٹھانے کا موقع نہ ملے۔

امیر تیمور نے نورالدین کو اپنے ساتھ قلب لشکر میں رکھا۔ لشکر کے آگے آگے ناظر بھجوا دیئے گئے تاکہ وہ دشمن پر نگاہ رکھیں اور اس کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ چند مسلح دستے ایسے بھی مقرر کیے گئے جن کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ لشکر کے آگے آگے رہ کر شکار کرتے رہیں تاکہ لشکریوں کو وافر مقدار میں کھانے کے لیے گوشت ملے اور لشکر کے اندر خوراک کی کمی نہ ہو۔ دوسری طرف تو قمش کو بھی امیر تیمور کی اس حملے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے بھی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور تیمور کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تو قمش شاید اس جنگ کو اپنے اور تیمور کے درمیان آخری اور فیصلہ کن جنگ بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ اپنے عساکر میں سے ایک خاص حصہ اس نے صرف تیمور کے لیے مختص کیا تھا اور اس خاص حصے کے ذمے صرف یہ کام تھا کہ وہ جنگ کے دوران صرف تیمور پر حملہ آور ہو اور دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرے۔ اول یہ کہ تیمور کو موٹ کے گھاٹ اُتار دے۔ دوم یہ کہ اس پر زور وار حملہ کر کے اسے اور اس کے محافظوں کو اس کے لشکر سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے تاکہ بعد میں اس پر زور وار حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس طرح تو قمش اپنے لیے تیمور کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا۔

بہر حال تیمور اپنے لشکر کے ساتھ جب شمال کے ان وسیع میدانوں میں داخل ہوا جن میں تو قمش پہلے ہی خیمہ زن ہو کر اس کا منتظر تھا تو تو قمش نے کسی توقف یا انتظار سے کام نہ لیا بلکہ تیمور کے وہاں پہنچتے ہی اس نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

تو قمش کے وہ خاص دستے جو صرف تیمور کے لیے مقرر کیے گئے تھے، وہ بڑی ہی بے جگری اور جاں نثاری کے ساتھ اس حصے پر حملہ آور ہوئے جہاں تیمور تھا۔

انہوں نے لمحوں کے اندر تیمور و اس کے ساتھ چند دستوں کو ان کے لشکر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر اگر نور الدین تیمور کے کام نہ آتا تو تیمور یقیناً اس جنگ میں قتل ہو چکا ہوتا۔

منگولوں نے جب تیمور کو اس کے چند دستوں کے ساتھ ان کے لشکر سے الٹ کر علیحدہ کر دیا تو پھر انہیں اپنے لشکر سے اور ملک مل گئی اور انہوں نے ایسے رور دار حملے کیے کہ قریب تھا تیمور کا اپنے دستوں کے ساتھ خاتمہ ہو جائے لیکن اس موقع پر نور الدین نے کمال برأت، خلوص اور حاضر دماغی سے کام لیا۔ اپنے ساتھ کام کرنے والے چند دستوں کو اس نے فوراً دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اس نے یہ کام سونپا کہ وہ تیمور پر حملہ آور ہونے والے منگولوں کے خلاف برسرِ پیکار رہیں جبکہ دوسرے حصے کے ساتھ وہ برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آیا اور منگولوں کے چند پھکڑوں کو دھاوا کھینچ لایا اور انہیں اس طرف کھڑا کر دیا جس طرف سے مزید منگول آکر تیمور پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس طرح نور الدین نے مزید منگولوں کے دھاوے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اور پھر اس نے تیمور اور اس کے حفاظتی دستوں کے ساتھ برسرِ پیکار منگولوں پر ایسے تیز اور ہولناک حملے کیے کہ ان کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

آہنی دیر تک تیمور کے لشکر نے ان منگولوں کا بھی خاتمہ کر دیا جنہوں نے درمیان میں گھس کر تیمور کو اس کے چند دستوں کے ساتھ اس کے لشکر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اب ان میدانوں کے اندر ہولناک اور خونریز جنگ اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اس دورانِ تفتیش کے پڑاؤ کو آگ بھی لگا دی گئی تھی۔

دولوں میں سے کوئی بھی ہار اور شکست تسلیم کرنے پر آمادہ دکھائی نہ دیتا تھا ایک طرف تو تفتیش کے ساتھ منگول اپنی ساری جہالتوں، ساری تنظیم کے ساتھ واہمہ کائنات، برسوں سے جلتے سُلگتے الاؤ۔ بھولے بسے لمحات۔ نعرہ وحشت اور نگاہ برہم کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے اور پھر اس موقع پر تو تفتیش نے بار بار انہیں جنگ کے لیے ابھارتے ہوئے ایک طرح سے ان کے جمود کے اندر ایک ہولناک اور بھیاںک

تو کیا و انتشار پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف تیمور کے ساتھ تاتاری تھے جو جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں کرنے کے لیے لذتِ شوق، رقصِ برق و باران، آتشِ روئے و نگاراں اور وہم و شعور پر چھا جانے والی بولناک رات کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر طرف خون ہی خون، دھواں ہی دھواں اور شعلے ہی شعلے دکھائی دینے لگے تھے۔ راکھ کے کھیت اور دھول کے ان کھلیاؤں کے اندر دونوں طرف کے مسلمان خدا اور رسولؐ کی اطاعت کو پس پشت ڈال کر ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ دونوں ہی گروہ روشنی کے بجائے ظلمات کا اتباع کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک دونوں عساکر ایک دوسرے کے خلاف خوفناک، بے باق اور سرکش ہو کر لڑتے رہے۔ ہر کوئی دوسرے کو بے بسی کی زنجیروں میں جکڑ دینے کی ننگِ دودھ کر رہا تھا۔ آخر تیمور کا پلا بھاری ہتھکڑیاں دیا۔ اس لیے کہ تو قتمش کے لشکر کی اگلی صفوں کے لشکر کی جنگ سے منہ پھیرنے لگے تھے۔ پہلے یہ انتشار اگلی صفوں سے شروع ہوا تھا پھر پچھلی صفوں تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ تو قتمش اور اس کے لشکر نے مکمل طور پر اپنی شکست و ہزیمت قبول کر کے پسپائی و فرار اختیار کر لیا۔

تو قتمش اپنی جان بچانے کی خاطر شمال کے ٹھٹھے صحراؤں کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے لشکریوں میں سے کچھ بھاگ کر کہیمیا اور اردنا چلے گئے۔ کچھ ہنگری میں جا گئے اور جنہوں نے فرار اختیار نہ کرنا چاہا۔ وہ تیمور کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کی اس شمولیت سے تیمور کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

تو قتمش کو شکست دینے کے بعد تیمور سمرقند کی طرف واپس نہ گیا بلکہ اس نے تو قتمش کے بڑے بڑے شہروں کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی فیصلے کے تحت دریائے دجلہ کے کنارے کنارے اس نے پیش قدمی کی اور سرائے نام کے شہر کے پاس آ نمودار ہوا۔ یہ شہر منگولوں کے بہترین شہروں میں سے تھا۔ اور اس کے مکانات زیادہ تر لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ تیمور کی فتح اور تو قتمش کی شکست کے باعث اہل شہر پہلے ہی تیمور سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور جب تیمور نے انہیں یہ حکم دیا کہ سب

لوگ شہر سے باہر نکل آئیں تو کسی نے بھی کوئی پس نہ پیش نہ کیا اور سب لوگ شہر سے باہر نکل آئے یہاں تیمور نے بدترین کام یہ کیا کہ اس نے سرے شہر کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا اور شہر کے لوگوں کو باہر نکال کر برف میں دھکے کھانے اور مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

سرے کو راہ میں تبدیل کرنے اور وہاں کے مسلمان شہریوں کو برفستانوں کے اندر موت کو گلے لگانے پر مجبور کر کے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ دریائے دولگا کے کنارے کنارے آگے بڑھا اور مسلمان منگو لوں کے دوسرے بڑے شہر استراخان کے پاس آنموادہ ہوا اس شہر کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی فصیل برف کی اونچی دیوار تھی۔ اہل شہر اس برف کی دیوار پر پانی ڈالتے رہے تھے۔ وہ پانی بھی وہاں جم کر برف کی صعدت اختیار کر لیتا اور اس طرح فصیل نہ صرف برقرار رہتی بلکہ پہلے سے بھی اونچی ہو جاتی تھی۔

تو قیامت کی شکست اور پھر سرے شہر کے جلانے جانے سے یہاں کے مسلمان شہری بھی تیمور سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے اس بنا پر تیمور کی مزاحمت نہ کی کہ تیمور نے سرے میں کسی کو قتل نہیں کیا بلکہ صرف شہر کو آگ لگائی ہے۔ لہذا وہ بھی یہی امید لگائے ہوئے تھے۔ لہذا محصور ہو کر مقابلہ نہ کیا بلکہ شہر کے دروازے انہوں نے تیمور کے لیے کھول دیے۔ تیمور نے یہاں کمال سفاکی اور درنگی کا ثبوت دیا۔ اس نے شہر کے اندر قتل عام کر دیا اور شہر کے مسلمان حاکم کو اس نے مجبور کیا کہ وہ دریائے دولگاہیں دفن کر دیا۔ سرے اور استراخان دونوں شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تیمور نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور اب وہ دوس کی سر زمین میں داخل ہوا تھا۔

دریائے ڈان کے کنارے کنارے جو برفی رفتاری کے ساتھ دوس کے اندر مٹی حاصل کی طرف بڑھا تو دوس کے مرکزی شہر ماسکو میں ایک پھل مچ گئی اور لوگوں کے اندر خوف و ہراس کا رعبہ پھیل گیا تھا۔ تیمور کی یہ پیش قدمی رگ گئی۔ اس نے دریائے ڈان کے کنارے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا۔



دریائے ڈان کے کنارے پڑاؤ کے دوران نور الدین ایک روز شکار کر کے لوٹا۔

وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور شکار کی ہوئی ایک جنگلی بکری اس نے اپنے آگے گھوڑے پر ڈال رکھی تھی۔ اپنے خیمے کے سامنے آکر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ پہلے گھوڑے کو ایک چھپرے باندھ کر شکار کی ہوئی بکری اور زین اُتار کر نیچے رکھی پھر اس نے گھوڑے کے آگے چارہ ڈالا اور بکری کو اپنے کندھے پر اُٹھائے وہ اپنے خیمے میں جب داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے کے اندر جلتے آتش دان کے پاس سیف الدین گہری سوچوں میں گم صُحْم اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ نور الدین کے اندر داخل ہوتے پر سیف الدین چونکا۔ نور الدین کو خیمے میں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے بھرپور شفقت میں کہا۔

’اے نور الدین! میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ اس جاڑے کی جان لیوا سردی میں تم کیا عمدہ شکار کر کے لائے ہو۔“

نور الدین نے شکار کی ہوئی بکری ایک طرف رکھ دی اور آتش دان کے قریب سیف الدین کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ’اے عم! جس وقت میں خیمے میں داخل ہوا اس وقت آپ گہری فکر گیر سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے اپنے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ اور شادمانی بکھیر لی تھی۔ اے میرے عم! کیا میں آپ کے اس تفکر، اندیشے و سوچوں کی وجہ نہ جان سکوں گا؟

سیف الدین پھر مسکرایا اور بات کو ٹال دینے کے انداز میں وہ بولا۔ اے نور الدین! میرے بیٹے! تم کیسی عمدہ اور ضربہ جنگلی بکری شکار کر کے لائے ہو۔ آؤ پہلے اس کی کھال اُتار کر اسے کاٹ لیں ورنہ ٹھنڈی ہو جانے کی صورت میں تم جانو اس کی کھال اُتارنا مشکل ہو جائے گا۔

نور الدین صُحْم اور اصرار پر اُتر آیا اور کہا۔ ’اے عم! آپ مجھے یوں ٹال اور بہلا نہیں سکتے۔ بکری کو ٹھنڈا ہونے دیں میں اس کی کھال اُتار لوں گا۔ آپ پہلے مجھے اپنی فکر مندی اور تشویش کی وجہ بتائیں؟

سیف الدین نے جب دیکھا کہ اب نور الدین کو کسی بھی وجہ سے ٹالا نہیں جاسکتا، تو وہ آگ پر اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔

’اے نور الدین! میرے بیٹے! تیمور کے رویے نے مجھے فکر مندی اور اندیشوں

میں ٹال کر رکھ دیا ہے، اے نور الدین! میں استراخان اور سائے شہر کی تباہی اور بربادی پر تمکین اور فکر مند تھا۔ اس لیے کہ وہ شہر منگولوں کے ہیں اور منگول مسلمان ہیں اس ناطے سے وہ دونوں شہر ایک ہلکتے کے رشتے کے تحت ہمارے اپنے ہی ہیں۔ ان شہروں کی تباہی پر جہاں میں پریشان تھا وہاں میں اس وقت خوش بھی ہوا جب تیمور نے دریائے ٹان کے کنارے کنارے روس کے مرکزی شہر ماسکو کا رخ کیا۔

اے نور الدین! میری خوشی کی وجہ یہ تھی کہ جہاں ہمارے ہاتھوں مسلمان تباہی اور کمزوری کا شکار ہوئے ہیں وہاں اب روس کے نصرانی بھی اس تباہی کا شکار ہوں گے۔ اس طرح اس علاقے میں طاقت کا توازن بگڑنے لگا۔ جہاں منگولوں کی عسکری قوت کھلی گئی وہاں روس کی عسکری حیثیت بھی تباہ ہو جائے گی۔ لہذا جس طرح منگول ماضی میں روس سے خراج وصول کرتے رہے ہیں وہ مستقبل میں بھی روس سے خراج وصول کرنے کے قابل رہیں گے لیکن نور الدین! میری ساری اُمیدوں و آرزوؤں اور خواہشوں متنازع ہر پانی پھر گیا۔ کیوں کہ تیمور نے اپنی پیش قدمی روک دی ہے اور اب وہ یہیں سے واپس ہائے گا۔ آگے بڑھنے کا فیصلہ اس نے ترک کر دیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا پر وہ نہیں مانا۔ اس موقع پر نور الدین نے احتجاجی انداز میں پوچھا۔ ”لیکن امیر تیمور نے ایسا کیوں کیا؟“ سیف الدین دُکھ، درد، تکلیف اور رنجش ملی جلی آواز میں بولا۔ ”اے نور الدین! یوں ہے کہ جس وقت سرائے اور استراخان کو تباہ کرنے کے بعد تیمور روس کے علاقوں میں داخل ہوا تو روسی عوام اور حکمرانوں کے اندر ایک ہلچل، بھگدڑ، کھلبلی و افراتفری اور بے قراری کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ تیمور اگر اسی طرح آگے بڑھتا چلا آئے، تو ماسکو تک اسے کوئی روک نہ سکے گا اور تیمور نے جو حالت استراخان اور سرائے کی کی ہے وہی ماسکو اور روس کے دیگر شہروں کی کرے گا۔ لہذا تیمور اور اس کے لشکر کی صورت میں ان کی طرف بڑھتی ہوئی تباہی کی آگ اور بربادی کے طوفان سے بچنے کے لیے روس کے حکمرانوں نے دو اقدام کیے۔ ایک مذہبی، دوسرا سیاسی۔

روسیوں نے مذہبی قدم یہ اٹھایا کہ ان کے شہر ویشائی گورڈو میں مقدس مرثیم کا ایک

بہت بڑا اور قدیم مجسمہ تھا۔ روسی حکمرانوں نے برفانی گاڑیاں بھیج کر اس مجسمے کو ماسکو میں منگوا یا۔ یہ مجسمہ ہزاروں کے جلوس کے ساتھ ماسکو شہر میں داخل کیا گیا۔ پھر سب لوگوں نے پکار پکار کر اس مقدس مریم کے مجسمے سے دعا یہ انداز میں کہا۔

”اے مادرِ خداوند! روس کو بچالے“

مقدس مریم کے مجسمے کو ولشائی گوروٹسے ماسکو منگوا کر اور اس کے سامنے اس انداز میں دعا مانگنے کے پس پردہ روسی حکمرانوں کے ذہن میں دوسو سو مند جیلے تھے۔ پہلا یہ کہ وہ اپنے عوام کی مذہبی روح کو اس طریقے سے بیدار کر کے تیمور کا خوف دُور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے سیاسی حربے کے ذریعے تیمور کی پیش قدمی روک کر وہ مقدس مریم کے وقار میں اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں پر ثابت ہو کہ انہوں نے جو دعائیں مقدس مریم کے سامنے مانگی تھیں وہ قبول ہوئیں اور مقدس مریم نے تیمور کی پیش قدمی کو روک دیا اس طرح روسی حکمران ایک حربے سے دو کام لے رہے ہیں۔

یہ پہلا مذہبی کام کرنے کے بعد روسی حکمرانوں نے دوسرا سیاسی قدم یہ اٹھایا کہ انہوں نے استغفوں، پادریوں اور چند امراء پر مشتمل ایک وفد ہماری طرف روانہ کیا۔ یہ وفد لشکر میں داخل ہونے کے بعد پہلے استغف یوحنا اور لشکر میں شامل دیگر پادریوں اور امراء سے ملا۔ پہلے ان کے ساتھ مل کر سارا طریقہ کار طے کیا۔ پھر یہ تیمور سے ملے اور اس سے التماس کی کہ وہ ماسکو کی طرف پیش قدمی ترک کر دے۔ بہر حال مختصر یہ کہ ہمارے لشکر میں

۱۵ پانچویں صدی کے وسط تک عیسائیوں میں اور خصوصاً رومن کیتھولک کلیسا میں شرک کے علاوہ ادیان اور قبر پرستی زور پکڑ چکی تھی۔ ہندوؤں کے آتنے پوجے جانے لگے تھے اور مسیح د مریم اور حواریوں کے مجسمے کلیساؤں میں رکھے جانے لگے تھے۔ ۱۴۳۱ء میں اصحاب کھٹ کے شہر فس میں پوری عیسائی دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی ایک کونسل منعقد ہوئی جس میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور حضرت مریمؑ کے مادرِ خدا ہونے کا عقیدہ عیسائیوں کا سرکاری عقیدہ قرار دیا گیا تھا۔

شامل استغف یوحنا ، پاپریوں اور روسی دندنے تیمور کی زنت سماجت کر کے تیمور کو پیش قدمی ترک کرنے پر آمادہ کر لیا ۔

روسی دند اپنی کامیابی کے بعد یہاں سے واپس چلا گیا اور اپنی اس سیاسی کامیابی کو روسی حکمران مذہبی کامیابی بھی قرار دے رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنے عوام میں یہ تشہیر کرنی شروع کر دی ہے کہ تیمور کے ہاتھوں روس کی نجات کا یہ کرشمہ مقدس مریم کی وجہ سے ہے ۔

اے نور الدین ! میں پچھلے کئی یوم سے تیمور کو اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ماسکو کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھے لیکن نہیں مانا ۔ وہ بڑا ہٹ دھرم ہندی اور بد معاملہ انسان ہے ۔ سنتا سب کی ہے مگر کرتا اپنی مرضی ہے اور اب اس نے پکا اور پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کل یہاں سے واپس جانے کے لیے کوچ کر جائے گا اور ایسا کر کے تیمور نے اُمتِ مسلمہ پر ظلم کیا ہے نور الدین ! منگول مسلمان جو ماضی میں روسیوں سے نواج وصول کرتے رہے ہیں ۔ اب کمزور ہو گئے اور میری بات یا رکھنا آنے والے دور میں یہ روسی بھیڑیے ان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھائیں گے ۔ نہ صرف یہ مسلمانوں کو خراج دینا بند کر دیں گے ۔ بلکہ مسلمانوں سے پہلے خراج وصول کریں گے اور پھر آہستہ آہستہ یرغنائی بھیڑیے مسلمانوں کے وسیع علاقوں میں قبضہ کر کے ایک آدم نور عفریت کی سی صورت اختیار کر لیں گے ۔ ہماری آنے والی نسلیں تیمور کے اس ظلم اور نا عاقبت اندیشی کو کبھی معاف نہ کریں گی ۔ اس لیے کہ میرے اپنے خام خیال کے مطابق تیمور نے ماسکو کی طرف اپنی پیش قدمی روک کر ایک طرح سے عالم اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر رکھ دیا ہے ۔

سیف الدین جب خاموش ہوا تو نور الدین نے تکلیف دہ احساس میں کہا ۔
'اے عم ! اس لحاظ سے تو امیر تیمور کے لشکر میں شامل استغف ، پادری اور نصرانی امراء مسلمانوں کے اندر تنفر اور بیزاری پھیلانے کا کام کر رہے ہیں ۔'

سیف الدین نے سمجھانے کے انداز میں کہا ۔ 'میں تو نہیں کہتا وہ ایسا کر رہے ہیں ۔ اس لیے کہ اصل قصور وار تو خود تیمور ہے ۔ وہ اگر نہ چاہے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

اور پھر عیسائیوں میں سب ہی تیمور کو غلط مشورہ دینے والے نہیں ہیں۔ بہت سے امراء ایسے ہیں جو دل سے ہمارے لیے غلصہ ہیں اور ایسے لوگوں میں اسقف یوحنا بھی شامل ہے۔ وہ نصرانیوں کا سمرقند کے اندر سب سے بڑا پیشوا ضرور ہے لیکن مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں وہ تعصب اور نفرت کی آگ اور میل نہیں رکھتا۔

اور اس اسقف یوحنا کے علاوہ اور بہت نصرانی امراء اسقف یوحنا جیسے ہیں۔ اس بار نور الدین نے ایک جستجو اور محبس میں پوچھا۔ ”اور اے عم! اس اسقف یوحنا کی بیوی ماتھس اور بیٹی انجیلینا سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

سیف الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے نور الدین! ماتھس ایک سادہ لوح اور بھولی بھالی عورت ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کا ظاہر باطن مختلف ہو۔ وہ ایک پُر خلوص عورت ہے۔ جو بات دل میں ہوتی ہے کہہ دیتی ہے۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ اسقف یوحنا اور اس کی بیوی ماتھس دونوں ہی ایک جیسے ہیں۔ رہی بات ان کی بیٹی انجیلینا کی تو وہ آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی ہے۔ وہ جن قدر حسین اور دلکش ہے ایسی ہی دل کی بھی اچھی اور صاف ستھری لڑکی ہے۔ ہاں مگر وہ اپنی ماتھس کی طرح سادہ لوح نہیں ہے۔ وہ دربار کی شان شوکت اور شاہی زرق برق زندگی پسند کرتی ہے۔ اسی لیے اس نے اس روز بھرے دربار میں تمہیں غلام ابن غلام کہا اور تمہارے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

مجموعی طور پر انجیلینا ایک اچھی بلکہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ پر وہ یہ ضرور چاہتی ہے کہ اس کی شادی کسی شاہی خاندان کے فرد سے یا کسی ایسے جوان سے ہو جو سلطنت میں خوب معروف اور کئی لحاظ سے شہرت یافتہ ہو۔

اے نور الدین! اب جب کہ انجیلینا کا ذکر پھڑپھڑا رہا ہے تو یہ بھی سن رکھو کہ میرا کوئی بیٹا نہ تھا۔ خدا نے تمہاری صورت میں مجھے بیٹا عطا کر دیا ہے۔ اب اگر میری کوئی سب سے بڑی خواہش ہے تو وہ یہ کہ میں حسین انجیلینا کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

نور الدین نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! اس معاملے میں آپ سے

میں قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ میں ایک سادگی پسند انسان ہوں۔ جب کہ بقول آپ کے انجیلینازرق برق زندگی پسند کرتی ہے۔ اس لیے میری اس کی طبائع میں ہی بنیادی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بار مجھ سے شادی کرنے پر انکار کر چکی ہے اور میں زبردستی کی یا ایک طرفہ میلان رکھنے والی شادی کا بھی قائل نہیں ہوں۔“

سیف الدین نے نور الدین کی اس گفتگو پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین تم فکر نہ کرو یہ کارروائی ایک طرفہ نہ ہوگی۔ بلکہ اس میں باہمی اتفاق، ہم خیالی اور متحدہ رائے شامل ہوگی۔“

نور الدین جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خاموش ہو گیا کیوں کہ ان کے خیمے میں اسقف یوحنا، اس کی بیوی بالخص اور بیٹی انجیلینا داخل ہوئے تھے۔ سیف الدین نے بڑی خوش طبعی اور زندہ دلی سے ان کا استقبال و پیشوائی کی اور ان دونوں کو اپنے قریب آتش دان کے پاس بٹھایا۔ اس موقع پر اسقف یوحنا نے ایک چرمی تھیلہ سیف الدین کی گود میں رکھا اور کہا۔

”اے امیر سیف الدین! آپ کے علم میں ہو گا کہ ماسکو سے نصرانیوں کا ایک وفد امیر تیمور کی خدمت میں اس التجا کے ساتھ حاضر ہوا تھا کہ ماسکو پر حملہ نہ کیا جائے۔ اے امیر سیف الدین! امیر تیمور کے پاس حاضری دینے سے قبل یہ وفد مجھ سے ملا تھا اور مجھ سے امیر تیمور کے پاس ان کی سفارش کرنے کو کہا تھا۔ میں ان کے ساتھ امیر تیمور کے پاس تو چلا گیا تھا لیکن میں نے ان کی سفارش نہیں کی۔ اس لیے کہ آپ جانتے ہیں میں کبھی امیر تیمور کے فیصلوں میں حائل نہیں ہوا۔“

اے امیر! وہ روسی نصرانیوں کا وفد شہد اور اپنے وطن کی کچھ سوغات لے کر آیا تھا۔ وہ جو چیزیں لے کر آئے ان میں سے آپ کا اور نور الدین کا حصہ اس چرمی تھیلی میں ہے جو میں نے آپ کی گود میں رکھی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اسقف یوحنا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”اے امیر سیف الدین! میں اب چلتا ہوں۔ اس لیے کہ لشکر کے اندر جو خیمہ کلیسا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کی کچھ دلیا

ٹوٹ گئی ہیں۔ اس لیے میں کلیسا کے لیے نئی مبایوں کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اسقف یوحنا، ماتھس اور انجیلینا کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

ان تینوں کے جانے کے بعد سیف الدین نے فخریہ انداز میں کہا: اے نور الدین! تم نے دیکھا میں نے تمہارے سامنے یوحنا، ماتھس اور انجیلینا کا تجزیہ درست نہ کیا تھا۔ تم نے دیکھا ان تینوں نے ہم دونوں سے کوئی بات چھپائی نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے سارے احوال کا علم ہے لیکن انہوں نے خود ہی آکر روسی نصرانی وفد کی تفصیل بتا دی ہے اور جو چیزیں وہ وفد لایا تھا۔ ان میں سے ہمیں بھی حصہ دیا ہے۔

نور الدین نے اس بار بشارت بھری آواز میں کہا: اے عم! جو کچھ آپ نے ان تینوں سے متعلق کہا، اسے تو میں تسلیم کرتا ہوں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کی میں وضاحت چاہوں گا اور وہ یہ کہ انجیلینا کے متعلق آپ نے کہا کہ وہ آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی ہے۔ کیا آپ اس سے متعلق کچھ تفصیل سے نہ کہیں گے۔“

سیف الدین نے غور سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ ہلکے ہلکے پر تجسس انداز میں مسکرایا پھر بولا: اے نور الدین! انجیلینا کو میں نے آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی اس بناء پر کہا ہے کہ بنیادی اور پیدائشی طور پر تو وہ نصرانی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی بہترین تعلیم بھی حاصل کی ہے اور یہ تعلیم اس نے تیمور کے پیر و مرشد مولانا زین الدین سے حاصل کی ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کی نسبت انجیلینا اسلام سے متعلق زیادہ علم و معلومات رکھتی ہے کیونکہ اس نے بڑے شوق سے اسلام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اسی بنا پر اسے میں نے آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی کہا ہے۔

اے میرے بیٹے! انجیلینا اسلام کی تعلیم سے پوری طرح آراستہ ہے۔ اس کی مثال میں تمہیں یوں دے سکتا ہوں کہ جب بیری کے درخت کو پھل لگتا ہے تو پیر پہلے ہر پھر پہلے اور پھر سرخ ہو کر۔ آپ سے آپ شاخوں سے زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ انجیلینا کی حالت بھی اس وقت ایسی ہی ہے۔ اسے اگر تھوڑی سی رغبت اور ولایتی گئی تو وہ اسلام کی گود میں آگرے گی۔ اس کی حالت بھی ان دنوں اس بیری کی سی ہے جو سرخی پکڑ چکا ہو۔“

نور الدین جواب میں کچھ کہنے والا تھا لیکن خاموش ہی رہا کیوں کہ ایک سپاہی ان دونوں کا کھانا لے کر خیمے میں داخل ہوا تھا۔



تیمور نے دریائے دان کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک قیام کیا۔ اسے بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے کچھ امیر روس کی طرف پیش قدمی روک دینے پر ناخوش ہیں، لہذا اپنے ان امریکی خوشی اور اطمینان کی خاطر اس نے ایک دوسرا راستہ نکالا اور وہ یہ کہ دریائے ڈان کے کنارے سے اس نے کوچ کیا اور سمرقند کی بجائے اس نے یورپ کا رخ کیا۔ اس نے جگہ جگہ یورپی افواج کو شکست دی اور وینس، جنیوا، قیطانویا اور شکستش کی یورپی بندرگاہوں کو نذر آتش کر دیا۔ اور یہ بندرگاہیں اموال کے تبادلے اور علاموں کی تجارت کے لیے مشہور تھیں۔ یورپ کی ان بندرگاہوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان تفتاز کے راستے اپنے مرکزی شہر سمرقند کی طرف چلا گیا تھا۔

اس طرح تیمور نے تو قمتش کی سلطنت کو دھڑکھڑکھ دیا تھا اور تو قمتش نے یورپ ہا کر لیتھوانیا کے ڈیوک ویٹولڈ کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ تیمور نے ایک طرح سے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے ایک تاناری سردار قلیق خان کو اور نونابی قبیلے کے سردار اید کو کو حاکم مقرر کر دیا تھا۔

تو قمتش کیونکہ منگول تھا لہذا اس کی سلطنت اور علاقے تیمور کے پاس چلے جانے کے باعث منگولوں کے پاس اب صحرائے گوبی اور ٹنڈرا کے علاقوں کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔

تو قمتش بھی لیتھوانیا کے ڈیوک ویٹولڈ کے پاس جا کر بیکار اور کمزور بیٹھا تھا بلکہ اس نے ویٹولڈ کو اپنی روایتی شجاعت اور حیلہ جوئی سے شیشے میں اتار کر رکھا اور اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ ایک روز ویٹولڈ ان علاقوں پر حملہ آور ہوگا جو تیمور نے تو قمتش سے چھین لیے تھے۔ ویٹولڈ نے اس کی حامی بھر لی تھی کیوں کہ اسے تو وسیع علاقوں پر قبضہ کرنے کا آپسے آپ موقع فراہم ہو رہا تھا۔ لہذا اس نے اپنے طور پر بھرپور جنگی تیاریاں شروع

کردی تھیں ۔



جنگوں سے فراغت حاصل ہونے کے بعد تیمور کو کچھ امن و سکون کے لیے وقت مل گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے سمرقند اور اس کے نواح میں اُن گنت تعمیری اور فلاحی کاموں کی تکمیل کی۔ بُنائے پلوں کو گرا کر اس نے نئے پل تعمیر کیے۔ پرانی اور قدیم کاہان سراؤں کی مرمت کروائی اور کئی نئی سرائیں بھی اس نے تعمیر کرائیں۔ شاہراہوں پر اس نے ڈاک کے لیے چوکیاں تعمیر کرائیں۔ مسافروں کے سونے کے لیے شاہراہوں کے کنارے کشادہ مکانات تعمیر کرائے۔

اس کے علاوہ اس نے ایسے ناظر مقرر کیے جو نہ صرف اس کی اپنی حکومت بلکہ باہر کے حالات سے بھی اسے باخبر رکھتے تھے۔ غیر آباد اور لاوارث زمینیں سرکاری ملکیت میں لے لیں۔ مالیہ اس وقت وصول کرنے کا حکم دیا جب فصل کٹ کر کاشت کار کے گھر پہنچ جائے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے اموال پر درآمدی محصول مقرر کیا۔

اب تیمور ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا۔ ورہ خیبر سے لے کر روس اور سیستان سے لے کر صحرائے گوبی تک اس کی حکومت تھی۔ تاہم ابھی تک عراق، شام اور فلسطین اس کی ملکیت میں شامل نہ تھے اور انہیں فتح کر کے وہ اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا اُزومند تھا اور اس کے لیے وہ کسی مناسب موقع اور بہانے کی تلاش میں تھا جسے بنیاً بنا کر وہ ان علاقوں پر حملہ آور ہو سکے





ایک روز جب کہ ہلکی ہلکی برفباری ہو رہی تھی، نور الدین تیمور کے خاص کمرے میں داخل ہوا۔ اندر تیمور کے ساتھ سیف الدین کے علاوہ تیمور کا بیٹا شاہ رخ اور پوتے محمد سلطان اور پیر محمد بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی نور الدین نے سلام کیا اور تیمور سے اس نے پوچھا۔ ”اے آقا! آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔“ تیمور نے آتش دان میں جلتی ہوئی آگ کے پاس ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھو نور الدین! میں نے تمہیں ایک اہم کام کے سلسلے میں طلب کیا ہے۔“ جب نور الدین اس نشست پر بیٹھ گیا تو تیمور نے کہنا شروع کیا۔

”اے نور الدین! میرے عزیز! تمہیں یاد ہو گا کہ جب ہم نے تو قمش کو شکست دی اور اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا تو ہم منگولوں کی اس سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس پر اپنے دوسرے داروں یعنی قنات خان اور اید کو کو حاکم مقرر کیا جب کہ تو قمش ہم سے شکست کھانے کے بعد تھوڑا سا نیلے کے ڈیوک وٹولڈ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ یہ ڈیوک پولینڈ کے بادشاہ کا عم زاد اور ماسکو کے حکمران گرنیڈ پرنس کا خمر ہے۔ تو قمش نے جا کر اس کی افواج کو خوب جنگی تربیت دی ہے اور اس ڈیوک نے پولینڈ پر حملہ آور ہو کر ایک خلاصے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے جنوبی روس کے اندر بھی پیش قدمی کی اور سالنسک و کیف جیسے مشہور شہروں پر قبضہ کر کے اس نے ان شہروں کو اپنی

سلطنت میں شامل کر لیا۔

اب لتھوانیا کا یہ حکمران ڈیوک ویٹولڈ یورپ کا ایک مسلمہ طاقتور ترین بادشاہ تصور کیا جاتا ہے اور تو قتمش کے ایما پر اس ڈیوک نے ہم سے ٹکرا کر ہم سے تو قتمش کے علاقے واپس لینے کا عزم کر لیا ہے اور اے نور الدین! مجھے خبر ہوئی ہے کہ اس ڈیوک نے پولینڈ کے بادشاہ مورس کا عزم زاد ہے کہ علاقہ کیلیشیا کے حکمران اور گرنیڈ ماسٹر آف ٹیوٹاٹک ہاٹس کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا ہے۔ اس گرنیڈ ماسٹر سے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک بے مثل جنگ جو ہے اور تیغ زنی میں آج تک کسی نے اسے نچا نہیں دکھایا اب ان ماری قوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر یہ ڈیوک سب سے پہلے قتل خان اور اید کو کو اپنا حدف بنانا چاہتا ہے اور تو قتمش کے یہ علاقے فتح کرنے کے بعد وہ ہمارا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اے نور الدین! تمہارے آنے سے تھوڑی ہی دیر قبل ہم نے ایک قاصد قتل خان کی طرف روانہ کیا ہے اور اسے ہدایت کی ہے کہ وہ ڈیوک آف ویٹولڈ سے تو قتمش کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ اس معاملے میں اگر وہ ٹال مٹول یا انکار کرتا ہے تو پھر اسی کو بنیاد بنا کر ہم ڈیوک کے خلاف لشکر کشی شروع کر دیں گے لیکن نور الدین یہ تو بعد کی بات ہے میں نے تمہیں جس کام کے لیے بلا یا ہے اس کی ابتدا آج ہی کرنی ہے۔ اور اے نور الدین! یہ کام میں تم سے لینا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں صرف تم ہی اس کام کے لیے مناسب ترین ہو۔

تیمور جب خاموش ہوا تو نور الدین نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا۔
”اے آقا! یہ خبریں آپ کو کہاں سے ملیں اور مجھے ابھی کس مہم پر روانہ ہونا ہو گا؟“

تیمور مسکرایا اور بولا۔ ”سنو نور الدین! میں تمہیں تفصیل سے سنا تا ہوں۔“

لتھوانیا کے بادشاہ ڈیوک ویٹولڈ کا ایک جرنیل ہے جس کا نام یوگورین ہے۔ اس یوگورین کی ایک بیٹی ہے جس کا نام نانسیا ہے۔ سنا گیا ہے کہ پورے پولینڈ اور لتھوانیا میں نانسیا جیسی کوئی حسین و پرکشش لڑکی نہیں ہے۔ یہ لڑکی جیسا کہ سنا گیا ہے ابھی نو عمر

ہے۔ بد قسمتی سے ویٹولڈ اس نائلیا کو پسند کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ نائلیا سے شادی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو عمر میں نائلیا کی نسبت تین گنا سے بھی زیادہ ہے۔

ان حالات میں بد بخت ویٹولڈ نے نائلیا کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کا ارادہ کر لیا وہ چاہتا تھا کہ ایک بار وہ نائلیا کو بے آبرو کر دے اس کے بعد وہ نائلیا ایک طرح سے اس کے قبضے میں ہی رہے گی۔ اپنے اس مکر وہ کام کی تکمیل کے لیے ویٹولڈ نے اس وقت نائلیا کو اٹھوا لیا جب کہ وہ کلیسا میں عبادت کرنے کے بعد گھروٹ رہی تھی۔ ویٹولڈ اسے اٹھوا کر اپنے شہر سے باہر اپنی ایک تعیش گاہ کی طرف لے گیا۔ وہاں وہ نائلیا کو بے آبرو کر دینا چاہتا تھا کہ نائلیا کے باپ یوگرین کو اس کی خبر ہو گئی لہذا ایسے چار محافظوں کے ساتھ وہ اس تعیش گاہ پر حملہ آور ہوا اور اپنی بیٹی نائلیا کو ویٹولڈ کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچا لیا۔

اپنی بیٹی نائلیا کی عزت بچانے کے بعد یوگرین چند دنوں تک اپنی بیٹی کے ساتھ گھوم پھرتا رہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ چند دن بعد تک جب یہ معاملہ کچھ دب جائے گا تو وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ لٹھوینا سے بھاگ جائے گا لیکن ویٹولڈ بڑا مکار و حرامی ثابت ہوا۔ اسے یہ تو خبر ہو گئی تھی کہ یوگرین اس پر حملہ آور ہو کر اپنی بیٹی کو چھڑا کر لے گیا ہے لیکن اسے یہ نہ پتہ چل سکا کہ یوگرین کے ساتھ حملہ آور ہونے والے اس کے چار محافظ کون تھے۔ اس پر ویٹولڈ نے فوراً انتقامی کارروائی کی اور اس نے یوگرین کی بیوی اور اس کے تین بیٹوں کو قتل کر دیا۔

یوگرین کو جب اپنے بیٹوں اور بیوی کے قتل کی اطلاع ملی تو روپوشی کی زندگی ترک کر کے وہ اپنی بیٹی نائلیا اور چار محافظوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے ہمارا رُخ کیا اور ہماری حدود میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے ایک محافظ کو وہ ساری باتیں بتا کر جو میں نے ابھی تم سے کہی ہیں ہماری طرف روانہ کر دیا۔

جو محافظ یہاں آیا اس کے کہنے کے مطابق یوگرین اپنی بیٹی نائلیا کے ساتھ اس شاہراہ پر سفر کر رہا ہے جو دریائے آمون کے کنارے کنارے سے ہوتی ہوئی سمرقند کی

طرف آتی ہے۔ میں نے سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کر دیا ہے جو اس وقت محل سے باہر کھڑا ہے۔

اے نور الدین! میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی اور اسی وقت اس دستے کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور اپنی حفاظت میں یوگرین اور اس کی بیٹی کو یہاں سمرقند لے کر آؤ۔ میں یوگرین کے محافظ سے بھی تمہیں ملاتا لیکن وہ برف باری کا مارا اور تھکا ہوا تھا لہذا میں نے اُسے شہزادہ خلیل کے ساتھ شاہی مہمان خانے کی طرف بھجوا دیا ہے تاکہ وہ کھاپی کر آرام کر سکے۔“

نور الدین نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں ابھی روانہ ہوتا ہوں اور تھمنا کے جرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا کو بحفاظت سمرقند لے کر آتا ہوں۔“
نور الدین کی اس اطاعت گزاری کے جواب میں تیمور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ تیمور کا ایک محافظ اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے کہا۔ ”اے آقا! ایران کی طرف سے ہمارا ایک ناظر آیا ہے اور وہ وہاں سے کوئی بُری خبر لے کر آیا ہے۔ اے آقا! وہ ناظر فی الفور آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔“

اس متوقع خبر کے سننے سے قیل ہی تیمور کی حالت بدل سی گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پھرے پھرے گولے اُٹھنے لگے۔ رگ جان میں خون کھولنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر نئی تقدیریں تحریر کرنے کے عزم بکھر گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے اس محافظ سے کہا۔ ”ایران سے آنے والے اس ناظر کو فوراً اندر لے کر آؤ۔“

وہ محافظ باہر نکلا اور چند ہی ثانیوں بعد وہ اپنے ساتھ ایک جوان کو لے کر پھر اندر آیا۔ وہ آنے والا جوان ان ناظروں میں سے ایک تھا جو تیمور کے اپنی مملکت کے اندر اور باہر خبریں مہیا کرنے کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔ اس ناظر کو دیکھتے ہی تیمور نے استفہامیہ مگر کسی قدر فکر گیر آواز میں پوچھا۔ ”اے نوجوان ناظر! ایران کی طرف سے تم ہمارے لیے کیسی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس ناظر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر وہ کہہ رہا تھا۔ ”اے آقا! ایران میں

بارے: اہل بغاوت ہو گئی ہے۔ آل مظفر کے شہزادے جنہیں آپ نے ایران پر حاکم مقرر کیا تھا زیر ہو گئے ہیں۔

تیمور نے اس بار برہم طبیعت میں پوچھا: کس نے انہیں زیر کر لیا ہے؟ ناظر پھر کہہ رہا تھا۔ اے آقا! جس وقت آپ نے ایران فتح کیا تھا اس وقت ایران کے ایک شہزادے نے کہ نام جس کا منصور ہے آپ کی اطاعت نہ کی تھی اور فرار ہو کر روپوش ہو گیا۔ یہ منصور اندر ہی اندر ایک لشکر تیار کر کے قوت پکڑتا رہا یہاں تک کہ اپنے بھائی شجاع کے بیٹے اور اپنے بھتیجے زین العابدین کو کہ جسے آپ نے اپنی طرف سے ایران کا حاکم مقرر کیا تھا ایک جنگ میں شکست دے کر گرفتار کر لیا اس منصور نے زین العابدین کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے اندھا کر کے قلعہ سپید میں ڈال دیا اور خود منصور ایران کا حکمران بن کر آپ کے خلاف اپنی جنگی تیاریوں کو میز کیے ہوئے ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا خواہش مند ہے تاکہ ایران کی بادشاہت سے کوئی اسے ہٹا نہ سکے۔

تیمور نے نرم لہجے میں اپنے اس ناظر سے کہا: اب تم جاؤ جا کر آرام کر دو۔ جب وہ ناظر اور پرمیاد دونوں باہر نکل گئے تو تیمور نے سیف الدین شاہراہ نور الدین، محمد سلطان اور پیر محمد کو مخاطب کر کے کہا: اے میرے عزیزو! پہلے میرا ارادہ تھا کہ دیولڈ کا مقابلہ کرنے کے لیے میں اپنے لشکر کے ساتھ شمالی سرزمینوں کی طرف قتلخ خان اور اید کو کی مدد کے لیے روانہ ہو جاؤں گا لیکن اب یہ ناظر جو خبریں لایا ہے ان کی وجہ سے حالات یکسر ہی تبدیل ہو گئے ہیں۔

اے نور الدین! اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم اکیلے کو ایک لشکر کے ساتھ میں قتلخ خان اور اید کو کی مدد کے لیے شمالی سرزمینوں کی طرف روانہ کر دوں گا اور خود میں دیگر سالاروں کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ ہوں گا۔

اور اے نور الدین! مجھے اُمید ہے کہ تم قتلخ خان اور اید کو کے ساتھ مل کر دیولڈ کی سرکوبی کر لو گے۔ اور سنو نور الدین! گرینڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک ٹائٹس سارے

یورپ میں اپنی ذاتی شجاعت، دلیری اور طاقت و قوت کی بنا پر مشہور و معروف ہے۔
 نور الدین! اگر تو اس جنگ میں اس گریڈ ماسٹر کا سر قلم کرے تو بخدا تمہارا یہ کام میری
 لاشنا ہی خوشی اور انتہائی خوشنودی کا باعث ہو گا اور اگر تم نے ایسا کر دیا تو پھر آئندہ
 یورپ کی طرف سے کوئی ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے سے متعلق سوچ تک نہ
 سکے گا۔

گہرے اطمینان میں نور الدین نے کہا۔ ”اے آقا! اگر وہ ویٹولڈ اور یگرڈ باگر
 ہم سے ٹکرائے تو میں ان کا انجام عین آپ کی خواہشوں کے مطابق کرنے کی بھرپور کوشش
 کروں گا۔ کیا اب آپ مجھے اپنی موجودہ مہم پر روانہ ہونے کی اجازت دیں گے۔“
 تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

سیف الدین، نور الدین، شاہرخ، شہزادہ محمد سلطان اور شہزادہ پیر محمد تیمور کے
 ساتھ اٹھ کر اس کمرے سے باہر نکلے۔ پھر تیمور کی راہنمائی میں وہ محل کے بیرونی حصے میں گئے
 جہاں میں چھپس سواروں کا ایک چاک و چون بدستہ اپنے عمدہ جنگی لباس اور بہترین ہتھیار
 سجائے متعدد تیار کھڑا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر نور الدین کا وہ گھوڑا کھڑا تھا جو تیمور
 نے اسے انعام میں دیا تھا اور جس پر بیٹھ کر وہ تیمور سے ملنے شاہی محل میں آیا تھا۔

تیمور کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے نور الدین ایک دم بھاگ کر اپنے گھوڑے کی
 طرف گیا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے زور سے کھینچتے ہوئے وہ دوبارہ
 بھاگ کر تیمور کے پیچھے جا کھڑا ہوا جس وقت تیمور، سیف الدین، شاہرخ، محمد سلطان
 اور پیر محمد کے ساتھ اس دستے کے پاس جا کر رکا تھا۔

تیمور نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ نور الدین کو اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے دیکھ
 کر اس کی مستعدی اور برق رفتاری پر تیمور کے لبوں پر خوش کن مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر
 وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتا ہوا بولا۔ ”یہ وہ محافظ دستہ ہے جس کے ساتھ تم نے اپنی
 مہم پر روانہ ہونا ہے۔ گو اس وقت برف باری جاری ہے۔ سردی اپنے عروج پر ہے
 اور موسم خراب ہے پھر بھی میں چاہوں گا کہ تم ابھی اور اسی وقت اپنی اس مہم پر روانہ

ہو جاؤ۔“

نور الدین نے اپنے گھوڑے پر ڈال ہوئی چادر بٹائی اور خرچین کے اندر سے اپنی زرہ نکالتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! آپ کی خواہش کے مطابق میں ابھی اور اسی وقت اس مہم پر روانہ ہوں گا۔“

پھر نور الدین نے اپنی زرہ پہنی۔ گھوڑے کے منہ پر رکھا ہوا آہنی خود اس نے اپنے سر پر جایا اور سر پر پہلے سے بندھا ہوا اپنا عامہ اُتار کر اس نے خرچین میں ڈال لیا تھا۔ زرین سے بندھا تیروں بھارت کرش اپنی بٹھیہ پر باندھا۔ سپر می چادر اس نے گھوڑے پر ڈال دی تاکہ گھوڑا کسی قدر برقاری اور سردی سے محفوظ رہے۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس دستے کے ساتھ وہ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



برف باری جاری تھی۔ ہر شے دودھ کی طرح سفید ہو کر رہ گئی تھی۔ مٹیالے بادل زمین کی طرف جھک گئے تھے۔ برف آلود پودے زمین کی طرف سزکوں تھے وقت کے اندازِ خرام میں ایک ٹھہراؤ محسوس ہو رہا تھا۔ فضاؤں کی آنکھیں دھلے آئینے اور آوازیں فضاؤں کے اندر منجمد محسوس ہو رہی تھیں۔

دریائے آموں کے کنارے کنارے سے ہوتا ہوا نور الدین جب شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا کہ اس نے ایک دم اپنے گھوڑے کی باگ روک لی کیونکہ فضاؤں کے اندر مولناک نسوانی چیخ سائی دی تھی۔ ایک بار اس نے پھر ویسی سی چیخ سنی اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آواز کی طرف دوڑا دیا تھا۔ وہ نسوانی چیخ سامنے کی طرف سے سائی دی تھی لہذا اپنے دستے کے ساتھ نور الدین بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ تھوڑی دُور آگے جا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نور الدین کو ہستانی سلسلے کے اندر جب شاہراہ کا ایک موڑ کاٹا تو اپنے سامنے شاہراہ پر اس نے دیکھا کہ کچھ سوار ایک گھبی کو گھبیے ہوئے تھے۔ چند جوان گھبی کے گھوڑوں کو علیحدہ کر رہے تھے اور کچھ دوسرے گھبی سے اندر سے ایک مرد اور ایک نوخیز لڑکی کو کھینچ اور گھسیٹ

کر باہر نکال رہے تھے۔

نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ ان سب لوگوں نے اپنے اپنے خود کے نقاب گرما کر اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے اور جب ان لوگوں نے شاہراہ پر نور الدین اور اس کے ساتھیوں نے حالت میں آتے دیکھا تو ان کے ہاتھڑک گئے اور اس کے ساتھ سی ان لوگوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لی تھیں۔ شاید وہ نور الدین اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تھے۔ نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ ان کے ساتھی گھبی سے ذرا ہٹ کر بھی کھڑے تھے اور انہوں نے بھی اپنی تلواریں سنبھال لی تھیں۔

نور الدین اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر گھبی کو گھیرنے والوں نے جب اس نوخیز لڑکی اور اس کے ساتھی مرد کو چھوڑ کر اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لیں تو ان دونوں کو موقع مل گیا۔ پس وہ دونوں بھاگ کر پھر اپنی گھبی میں سوار ہو گئے تھے۔ نور الدین نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ گھبی تھوئیا کے سرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر نور الدین نے اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرما دیا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

نور الدین جب اپنے دستے کے ساتھ قریب گیا تو وہ مسلح جوان جنہوں نے اس گھبی کو گھیر رکھا تھا انہوں نے آگے بڑھ کر نور الدین اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ زہر کے پیمانوں، موت کے نذرانوں، جھوٹ دکنب کے اندھیروں اور ظلم و جبر کی پیاس بن کر نور الدین اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور پھر ان کی تعداد بھی نور الدین کے ساتھیوں سے زیادہ تھی۔

نور الدین نے جو یہ منظر دیکھا تو ایک بار اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے وار پر چڑھ کر پکارنے والے کسی بے باک و بے خوف انسان کی طرح اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ساتھیوں کو اس نے حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔

ان حملہ آوروں نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی تھی کہ اپنے پہلے ہی حملے میں نور الدین اور اس کے ساتھیوں کا کام تمام کر دیں لیکن انہیں تعجب و حیرت میں ڈالتے ہوئے نور الدین نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا بہترین دفاع کیا تھا اور جب اپنے دفاع سے نکل کر نور الدین جارحیت پر آمرا تو ان حملہ آوروں کو یوں لگا جیسے نور الدین احمہ کنوؤں کی امیری، سلگتی نظروں کی آنچ، سونے سناروں کا طوفان، بھجر زمین کی جی کوکھ خون کے دریا اور ریگ زاروں کی عداوت کا روپ دکھا کر ان پر حملہ آور ہو گیا ہو۔

نور الدین نے حملوں میں نجات کے خواب، زندگی کی بشارت اور خون کی مٹھی جیسی تازگی اور نشاط انگیزی تھی۔ نور الدین ان حملہ آوروں پر یوں حاوی اور محیط ہو گیا تھا جیسے صدیوں کا کوئی تنہا روشن ستارہ شہرِ حسد اور کسی قریب گناہ خیز میں گھس کر ہر شے کو اپنی روشنی تلے دبا کر رکھ گیا ہو۔ یوں نور الدین بڑی تیزی کے ساتھ انہیں کاٹتے ہوئے ان کا خاتمہ کرنے لگا تھا۔

بگھی کے اندر بیٹھے یوگرین اور اس کی بیٹی نالیسا یہ ٹکراؤ اور تصادم بڑے شوق اور اہمک سے دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر نالیسا نے یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے کسی قدر حوصلہ مند آواز میں کہا۔ اے میرے باپ! آپ نے ان نوادار و حملہ آوروں کی طرف دیکھا۔ اور اے میرے باپ! ان نوادار اور ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہونے والوں کے سروار اور سرخیل کی طرف بھی دیکھا۔ قسم مرگم کی! میں نے اپنی زندگی میں ایسا ہولناک اور ماہر تیغ زن جوان نہیں دیکھا۔ آہا! ہم پر حملہ آور ہونے والے ان رہزنوں پر یہ کسی غیر فانی شاہکار، محرومی کی پیاس، انگاروں کی بھٹی، روح کی آگ اور سچ کے شعلے کی طرح حملہ آور ہوا ہے۔

آپ دیکھیں تو میرے باپ! کس طرح وہ ہمارے دشمنوں کی بد شرت کو کاٹ، کھردری زبانوں کو بند، سرخیل جموں کا اندام اور روح و جسموں کی دیواروں کو برباد کر رہا ہے۔ قسم مرگم کی وہ ان راہزنوں پر رات کے غیلی شعلوں اور سرنج ریت کے غیر آباد اور بے آب و گیاہ صحرا کی طرح چھاتا جا رہا ہے۔ اے میرے باپ! دیکھو تو اس آنے

والے نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے والوں میں سے اکثر کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ اب چند ایک اس کے سامنے ٹھہرے ہوئے ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی اب بھاگنے کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر تک نور الدین نے ان حملوں کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈھیر کو کے رکھ دیا تھا۔ صرف ایک ان میں سے بھاگ نکلا تھا۔ نور الدین نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکنے کا حکم دیا اور خود بھاگنے والے کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔

تھوڑی ہی دور آگے جا کر نور الدین نے اس بھاگنے والے کو جا لیا اور پھر اس نے اس کے گھوڑے پر چھلانگ لگاتے ہوئے اسے نیچے گرا دیا۔ اسے اپنے نیچے دو بیج کر، دو آہنی گھونسے اسے دے مارے پھر اس کے سر سے اس نے خود اتار دیا اور اسے بالوں سے پکڑ کر اُپر اُٹھاتے ہوئے نور الدین نے اپنی ہولناک اور غصیلی آواز میں پوچھا۔ ”سچ بتاؤ تم کون لوگ ہو اور کیوں تم لوگوں نے اس گھبی کے مسافروں پر حملہ کیا۔ سن رکھو اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں تمہیں کھڑے کھڑے ذبح ہونے والے بکرے کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا۔“

وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہا تھا لیکن نور الدین نے جب اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا تو پھر وہ ہکلاتے ہوئے فوراً بول پڑا۔

اے امیر نور الدین! ہم لوگ شہزادہ خلیل کے آدمی ہیں۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ یوگرین اور نائسیا اس شاہراہ سے سمرقند کی طرف آرہے ہیں اور یوگرین کا جو ایک محافظ سمرقند میں امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس سے خلیل کو یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ نائسیا نہ صرف تھوینا بلکہ پولینڈ کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے۔ شہزادہ خلیل ہر صورت میں اس نائسیا کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیں اس لیے اس طرف روانہ کیا تھا کہ ہم اس گھبی کے محافظوں کو قتل کر کے یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا کو اس عمارت میں پہنچا دیں جو شمالی شکار گاہوں میں بنی ہوئی ہے۔ وہ نائسیا کو وہاں رکھ اسے اپنے ساتھ شادی کر لینے پر رضامند کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے گھبی کے محافظوں کو

تو قتل کر دیا لیکن افسوس اُد پر سے آپ آگئے اور ہم یوگرین اور نائسیا کو یہاں سے لے جاتے سکے۔ کاش آپ کے آنے سے قبل ہم اپنے کام کی تکمیل کر چکے ہوتے۔

نور الدین نے بڑی ہمدردی اور نرمی میں کہا: ”اے میرے عزیز! اگر میں تمہیں معاف کر کے چھوڑ دیتا ہوں تو تم شہزادہ خلیل کو اس کی خبر کر کے سمرقند کے اندر ایک نئے اور بُرے موضوع کو جنم دو گے اور اس کا اثر غیر ملکی یوگرین اور نائسیا پر انتہائی قبیح ہوگا۔ لہذا میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا کہ تمہارے قتل کیسے جلنے میں بھی مسلم قوم کی بہتری اور عزت ہے۔“ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے لہرائی اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ نور الدین پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے گھبی کی طرف ایڑ لگا دی تھی۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے دیکھا اس کے ساتھی ابھی گھبی کے قریب نہ گئے تھے اور دُور ہی کھڑے تھے۔ تاہم اب یوگرین اور اس کی حسین بیٹی نائسیا گھبی سے باہر نکل کر کھڑے ہوئے تھے۔

یوگرین اور نائسیا کے قریب جا کر نور الدین اپنے گھوڑے سے اُترا۔ ان دونوں کے سامنے آیا۔ صرف ایک اُچھلتی ہوئی نگاہ اس نے نائسیا پر ڈالی تھی اور اسی مختصر سی نگاہ کے بعد ہی اس نے اپنی نگاہیں پھیر کر اس انداز سے زمین کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا جیسے اس پر اُدھوری نگاہ ڈال کر ہی اس نے بہت بڑا جرم کیا ہو۔ تاہم نائسیا بڑے غمزدانہماک سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس سے وہ وہاں برف باری کے اندر سایوں کے سفر، ساحلوں کی چاندنی، رنگوں کے ساگر، رات کی سرگوشی، اجنبی خوشبود، عکس سحر اور ہجر و وصال کے پُرانے قصوں اور قدیم سلیں جیسی حسین اور پُرکشش ہو رہی تھی۔ اس کی گہری جھیل اور چمکتی آنکھوں میں دھنک آشنا رنگوں اور حسین خوابوں کا ایک امتزاج تھا۔ اس کے اُدھلے نرم وشفاف اور سُرخ چمکیے ہوئے شگفتگی و دل کشی اور جذب و کشش کا ایک طوفان کھڑا کیے ہوئے تھے۔

نور الدین کو یوں اپنے سامنے نظریں مجھ کاٹے کھڑے نائسیا عجیب اعتقاد

اور سرخوشی میں غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ نور الدین کے لباس اور خود پر پڑی برف نے نائسیا کے دل میں ہمدردی اور دردمندی کے جذبول میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس موقع پر یوگرین بولا اور نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔
 آپ کے ساتھی دُور ہی کھڑے ہیں اور ہمارے نزدیک تک نہیں آئے۔ ورنہ میں اُن سے تفصیل سے آپ کے متعلق پوچھتا۔ اے اجنبی نوجوان! میں نہیں جانتا تو کون ہے اور کن سرزمینوں سے تیرا تعلق ہے۔ پر قسم مجھے مریم کے خداوند کی میں نے آج تک تم جیسا شجاع، حوصلہ مند اور ماہر تیغ زن نہیں دیکھا اور پھر میری بیٹی کے سامنے تیری جھکی ہوئی نگاہیں تیرے اعلیٰ اخلاق، تیری عمدہ سیرت اور تیرے کردار کی پاکیزگی و طہارت کی نشاندہی کرتی ہے۔ میں نے جو تمہارے متعلق اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان جوانوں کے سرکردہ اور سرخیل ہو۔ کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں اور کیا میں یہ بھی جان سکوں گا کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آپ نے ہماری مدد کر کے ہم پر اس قدر احسان کیا ہے؟

نور الدین نے اپنی نگاہیں پہلے کی طرح اُٹھکائے رکھیں اور بولا۔ اے محترم یوگرین! میرا نام نور الدین ہے۔ امیر تیمور نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا تھا کہ میں آپ لوگوں کو بحفاظت سمرقند پہنچاؤں۔ میرے متعلق آپ کے لیے اس قدر ہی کافی ہے کہ میں ایک غلام ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ ان شر پسند حملہ آوروں کے ہاتھوں آپ کے محافظ مارے گئے۔ کاش میں پہلے یہاں پہنچ چکا ہوتا۔ آپ کو زحمت و اذیت ہوئی۔ اس پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ آپ اپنی گھبی پر سوار ہوں تاکہ ہم سمرقند کی طرف روانہ ہو سکیں۔

نور الدین کے کہنے پر یوگرین اور نائسیا فوراً گھبی میں سوار ہو گئے۔ حملہ آوروں نے جو گھبی کے گھوڑے کھول دیئے تھے وہ نور الدین فوراً خود ہی گھبی میں جوت دیئے تھے۔

اور جب وہ پیچھے ہٹا تو یوگرین نے گھبی کے گھوڑوں کی باگیں سنبھالتے ہوئے پھر لکیا پاتی سی آواز میں کہا - ”میں آپ کی جنگی مہارت، آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت و اخلاق سے ایسا متاثر ہوا ہوں کہ آپ کا شکریہ تک ادا نہیں کر سکا۔ بہر حال میں آپ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے ہم دونوں باپ بیٹی کی جان بچائی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ گھبی میں ہم دونوں باپ بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر سفر کریں آخر اب آپ ہمارے محسن ہیں۔ میرے لیے یہ امر باعثِ تکلیف ہو گا کہ میں اور میری بیٹی گھبی کے اندر ہوں اور آپ اس برف باری میں اپنے گھوڑے کی بیٹھ پر سفر کریں۔ اب چونکہ نائیا گھبی کے پچھلے حصے میں تھی اور یوگرین اکیلا گھبی کے گھوڑوں کو ناکھنے والی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا لہذا نورالدین نے گھوڑوں کو گھبی میں جوت کر اپنے گھوڑے کی طرف جاتے ہوئے رک کر یوگرین کی طرف دیکھا اور ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اس نے کہا -

”اے محترم یوگرین! اس ہمدردی کا شکریہ۔ لیکن میں ایسے حالات کا نوگر اور ایسی برف باری کا عادی ہوں۔ آپ دونوں کی جان بچا کر میں نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ یہ میرے فرائض کی ادائیگی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی نورالدین نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور وہ سب بڑی تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پاس آگئے تھے اور پھر انہوں نے وہاں سے کوچ کر لیا تھا۔ کچھ اس طرح کہ سب سے آگے نورالدین اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھی تھے اور آخر میں یوگرین اپنی گھبی کے گھوڑوں کو ہانک رہا تھا۔ جس وقت یہ سفر جاری ہوا تو گھبی میں بیٹھی حسین نائیا نے اپنے باپ یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے تعجب و جستجو ملی آواز میں پوچھا -

”اے میرے باپ! آپ نے نورالدین نام کے اس جوان کے رویے پر غور کیا۔ یہ اپنے آپ کو غلام بتاتا ہے لیکن اپنے اخلاق و کردار، سیرت و فصاحت اور سلیقہ و تہذیب نفس میں یہ ہمارے ہاں کے معززین و خرفادے سے بھی کہیں زیادہ

بڑھ کر ہے۔ اے میرے باپ! آپ نے دیکھا جتنی دیر تک وہ میرے سامنے کھڑا رہا، اس کی گردن جھکی رہی۔ نظریں زمین میں گڑی رہیں اور میری طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اے میرے باپ! میں خواہش کر رہی تھی کہ کاش اس غلام نور الدین جیسا ہر ہر کوئی خوش خلق اور بلند سیرت ہو۔ اگر یہ نور الدین واقعی غلام ہے تو اس کی عزت نفس پر ہزاروں معززین قربان کیے جاسکتے ہیں۔“

یوگرین نے کہا۔ ”اے میری بیٹی! میرا دل نہیں مانتا کہ یہ نور الدین غلام ہے اس نے ایسا میرے خیال میں اپنی عاجزی اور انکساری کی بنا پر کیا ہے۔ ورنہ میرا خیال ہے کہ یہ امیر تمبور کے بافقار اور عمدہ ترین جرنیلوں میں سے ہوگا۔“

نایسا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہی۔ نہ جانے وہ کن خیالوں میں کھو گئی تھی۔ باہر برف باری اسی طرح جاری تھی اور ابھی سمرقند کی طرف جانے والی شاہراہ پر بھاگتی چلی جا رہی تھی۔





امیر تیمور کا پوتا شہزادہ خلیل سمرقند میں شاہی محل کے سامنے والے وسیع باغ میں حرم
سراے اور شاہی مہمان خانے کے درمیانی حصے میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک دم وہ چوڑک
پڑا کیوں کہ حسین کنیز شاری ملک جسے سیف الدین اپنے ساتھ ایران سے لایا تھا اور جسے
حرم سراے کی کنیزوں میں داخل کر دیا گیا تھا وہ اس کی طرف آرہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی خلیل
کے چہرے پر بے پایاں خوشیاں بکھر گئی تھیں۔

شاری ملک قریب آئی اور اپنے حسین جسم کا ایک پرکشش انداز بتاتے ہوئے اس
نے غمزوں سے بھرپور آواز میں پوچھا ابھی ابھی ایک کنیز میری طرف گئی اور اس نے
مجھ سے یہ کہا کہ آپ نے مجھے بلایا ہے بلایا ہے کیا یہ درست ہے؟

شہزادہ خلیل نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”ہاں تمہیں بلانے کے لیے میں
نے ہی اس کنیز کو تمہاری طرف بھیجا تھا۔“

اپنی کمر کو ایک ناہر شکن بل دیتے ہوئے شاری ملک نے پوچھا۔ ”تو پھر بتائیں
کہ آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟“

خلیل چند قدم آگے بڑھ کر شاری ملک سے اور قریب ہوا پھر وہ بولا۔ ”اے
شاری ملک! میں اپنا مدعا کہنے کے لیے کسی تمہید سے کام نہ لوں گا۔ جو بات میں تم سے
لےنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور تم سے شادی کا خواہاں ہوں۔“

شہزادہ خلیل کی اس خواہش پر شاری ملک چونکی اور پوچھا۔ ”کیا یہ بات آپ اپنے
 حواس میں کہہ رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اے شہزادہ خلیل! گو آپ کی اس بیش کش سے
 انکار کرنا کفرانِ نعمت ہے لیکن کون ہماری اس شادی کو پسند کرے گا اور کون ہم دونوں
 کی شادی کا اہتمام کرے گا۔“

خلیل نے چھاتی نکالتے ہوئے کہا۔ ”اے شاری ملک! اگر تو میری بیوی بننا پسند
 کرے تو اس شادی کا اہتمام میں ابھی اور اسی وقت کر سکتا ہوں۔“
 شاری ملک نے مسکراتے ہوئے اپنا فیصلہ دیا۔ ”میں آپ کے شادی کرنے
 لیے ابھی اور اسی وقت تیار ہوں۔“

شہزادہ خلیل نے خوشی میں آگے بڑھ کر شاری ملک کے دونوں ہاتھ اپنے
 ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ”اگر ایسا ہے شاری ملک! تو سنو! شہر کے جنوبی حصے
 میں مکھنوں نام کی سرائے ہے اس کا مالک جس کا نام سووون ہے وہ میرے جاں نثاروں
 میں سے ہے۔ میں ابھی اس سرائے کی طرف جاتا ہوں۔ تم تھوڑا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے
 پیچھے اسی سرائے کی طرف آؤ۔ وہاں میرے سب دوستوں کی موجودگی میں میری تمہاری
 شادی ہو جائے گی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوگی۔“

اے شاری ملک! اس سرائے کے اندر انتہائی آرام دہ اور محفوظ تہ خانے بنے
 ہوئے ہیں اور ان تہ خانوں کے اندر ہم میاں بیوی کی حیثیت سے بہترین وقت گزار
 سکتے ہیں اور خطرے کے وقت ان تہ خانوں کے اندر تم پناہ بھی لے سکتی ہو سووون تمہاری
 ہر طرح کی مدد اور ہر قسم کے تعاون پر آمادہ ہوگا۔“

شاری ملک نے اپنی بھرپور خوشیوں کو ضبط میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ
 کا یہ فیصلہ منظور ہے۔“

اس پر خلیل نے شاری ملک کے ہاتھ چھوڑ دیے اور پھر وہ سمرقند کے جنوبی
 حصے میں مکھنوں نام کی سرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں آگے پیچھے اس سرائے میں
 داخل ہوئے اور پھر وہاں شہزادہ خلیل کے دوستوں کی موجودگی میں ان دونوں کی

شادی ہو گئی تھی۔



مکھون نام کی سرائے میں شاری ملک کے ساتھ شادی کرنے کے بعد شہزادہ خلیل نے اس کے ساتھ تھوڑی دیر قیام کیا پھر وہ شاری ملک کو حرم سرا میں چھوڑ کے لیے آیا اور ابھی یہ دونوں سرائے سے لوٹ کر حرم سرا اور شاہی ہمان خانے کے درمیانی حصے میں واقع باغ کے اندر باہم محو گفتگو ہی تھے کہ امیر تیمور سے ملنے کے لیے نور الدین، یوگرین اور نائیا کے علاوہ اس مہم میں حصہ لینے والے اپنے ساتھیوں کے ساتھ باغ میں داخل ہوا۔

نور الدین نے خلیل اور شاری ملک کو اٹھے کھڑے اور چاہت و محبت کی گفتگو کرتے دیکھ لیا تھا۔ جونہی شاری ملک کی نظر نور الدین پر پڑی، وہ سہم سی گئی اور وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی حرم سرائے کی طرف چلی گئی تھی۔ اس موقع پر شہزادہ خلیل تیزی سے نور الدین کی طرف آیا اور قریب آکر اس نے نور الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے نور الدین! ایسا گتا ہے تم کسی مہم سے لوٹ رہے ہو اور یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟“

نور الدین نے گہری نگاہوں سے خلیل کی کیفیت کا جائزہ لیا اور کہا۔ ”یہ میرے ساتھ لٹھوانیا کے جوگرین اور ان کی بیٹی نائیا ہے۔“

نور الدین کے اس جواب پر خلیل کی حالت جنونی اور غصیلی ہو کر رہ گئی تھی۔ شاید اس انکشاف پر کہ یوگرین اور نائیا کو نور الدین نے اس کے بھیجے ہوئے ساتھیوں سے بچا لیا ہے۔ خلیل ابھی تک اسی خفقاتی کیفیت میں ہی کھڑا تھا کہ نور الدین اپنا کھوٹا اس کے قریب لایا اور پھر جھجک کر اس نے راز داری کے ساتھ خلیل سے برگوشی کی۔

”اے خلیل! میرے عزیز! میں اس شاری ملک کو بہتر طور پر جانتا ہوں اس کا یوں تنہائی میں تمہارے ساتھ راز و نیاز کرنا مناسب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر

”بقول لڑکی تمہیں مہٹکا کر اور گمراہ کر کے رکھ دے گی۔“

خیل تو پہلے ہی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس پر نور الدین کی اس گفتگو نے اسے آپے سے باہر کر دیا۔ لہذا نور الدین کو مخاطب کر کے وہ زور سے چلا یا۔ ”اے نور الدین! مت بھولو کہ تم ایک غلام ہو اور اپنے آپ کو غلامی کی حدود میں رکھ کر میرے ساتھ گفتگو کرو۔“ اس کے ساتھ ہی خیل وہاں سے چلا گیا۔ یوگرین اور نائیا خیل کے اس رویے پر غمگین سے ہو گئے تھے۔ نور الدین کے لشکر کی بھی خیل کے اس رویے کا برا محسوس کر رہے تھے۔ نور الدین کی بھی گردن جھک گئی تھی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے آگے بڑھا دیا تھا۔

نور الدین کے ساتھی باہر ہی کھڑے رہے جب کہ نور الدین، یوگرین اور نائیا کے ساتھ تیمور کے کمرہ خاص میں داخل ہوا۔ تیمور نے اپنی جگہ سے اٹھ کر نور الدین سے مصافحہ کیا اور اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلا تھا اور جب نور الدین نے یوگرین اور نائیا سے اس کا تعارف کرایا تو تیمور نے یوگرین کے ساتھ پرجوش مصافحہ کرنے کے بعد نائیا کے سر پر انتہائی شفقت اور ہمدردی سے ہاتھ پھیرا۔ پھر تیمور نے ان تینوں کو اپنے قریب بٹھایا اور یوگرین کو مخاطب کر کے اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ ”اے یوگرین! تمہو انیا میں ویٹولڈ کے ہاتھوں جو کچھ تم دونوں باپ بیٹی پر گزری اس کے لیے مجھے بڑا افسوس اور دکھ ہوا۔ کاش ویٹولڈ تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا۔ کاش کسی نے اس بُرائی اور بدی پر ویٹولڈ کا محاسبہ کیا ہوتا۔“

دراؤک کہ تیمور پھر یوگرین سے کہہ رہا تھا۔ ”اے یوگرین! تم فی الحال اپنی بیٹی نائیا کے ساتھ سمرقند کے شاہی مہمان خانے میں قیام کرو اور جب اس شہر سے مانوس ہو جاؤ گے تو پھر جہاں تم پسند کرو گے وہیں تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا۔“

یوگرین سے ہٹ کر تیمور نے نور الدین کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے نور الدین! میں سمجھتا ہوں، برف باری کی اس مہم نے تمہیں تھکا دیا ہو گا۔ لیکن اس کے

باوجود میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ کل تمہیں ویٹولڈ کے مقابلے میں قتل خان اور ایدکو کی مدد کے لیے شمالی ہم پر روانہ ہونا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ ویٹولڈ کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی تم وہاں پہنچ جاؤ۔ میں ایک قاصد کے علاوہ چند ناظر بھی شمال کی طرف روانہ کر دیئے ہیں جو نہ صرف قتل خان اور ایدکو کو تمہاری آمد کی اطلاع کریں گے بلکہ وہ ویٹولڈ کے لشکر کی نقل و حرکت سے متعلق بھی تمہیں باخبر رکھیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب تم آرام کرو تاکہ کل تازہ دم ہو کر اپنی شمالی ہم پر روانہ ہو سکو۔

قبل اس کے کہ نور الدین وہاں سے اٹھ کر جاتا یوگرین نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! کیا ایسا ممکن نہیں کہ نور الدین کی کمانداری میں جو لشکر ویٹولڈ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگا۔ اس لشکر کے اندر میں بھی شامل ہوں۔ اس لیے کہ میں نور الدین کو لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں کہ راستے میں کچھ رہزموں نے ہم پر حملہ کر دیا تھا پر نور الدین نے ان کی خوب سرکوبی کی۔ لہذا میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ ویٹولڈ کے مقابلے میں نور الدین ضرور کامیاب ہوگا۔ اسی بنا پر نور الدین کے لشکر میں شامل ہو کر میں نور الدین کے مقابلے میں ویٹولڈ کی بے بسی اور لاچارگی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میری بیٹی بھی میرے ساتھ ہی رہے گی۔ اس لیے کہ ابھی یہ یہاں اجنبی ہے اور میری عدم موجودگی میں یہ یہاں اجنبیت محسوس کرے گی لہذا میں اسے بھی اپنے ساتھ نور الدین کے لشکر میں رکھنا چاہتا ہوں۔“

یوگرین کے خاموش ہونے پر تیمور نے فکر گیر سے لہجے میں کہا۔ ”میری طرف سے تم دونوں باپ بیٹی کو نور الدین کے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ پر اس بات کا ذکر تم لوگوں نے اتنے ہی کیوں نہ کیا کہ راستے میں تم لوگوں پر راہزن حملہ آور ہو گئے۔ وہ کون تھے اور کس علاقے سے ان کا تعلق تھا۔“

یوگرین نے بات کو ٹلنے کی خاطر کہا۔ ”یہ ایک معمولی اور ناقابل ذکر واقعہ ہے امیر! نور الدین نے چون کہ ان سب کا صفایا کر دیا تھا۔ لہذا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون لوگ تھے۔“ تیمور مطمئن سا ہو گیا۔ اس موقع پر نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور اجازت

طلب انداز میں اس نے کہا - ”اے امیر! میں اب جاتا ہوں۔“

تیمور نے نرمی اور شفقت میں کہا - ”ہاں، اب تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔ کل تم نے اپنی شمالی مہم پر بھی روانہ ہونا ہے۔“ نور الدین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ آواز دے کر تیمور نے اپنے ایک محافظ کو اندر بلایا اور جب وہ اندر آیا تو تیمور نے بندہ کو بخارا طرز میں اپنے اس محافظ کو مخاطب کر کے کہا - ”تم ابھی جاؤ اور اسقف یوحنا، اس کی بیوی اور اس کی بیٹی اینجیلینا کو بلا کر لاؤ۔“ وہ محافظ تھوڑا سا جھکنے کے بعد باہر نکل گیا تھا۔ اس محافظ کے جانے کے بعد یوگرین نے انتہائی رازداری کے ساتھ پوچھا -

”اے امیر! کیا نور الدین غلام ہے؟“ تیمور کے ہرے پر ناپ نیدگی کی لہریں پھیل بکھر گئی تھیں۔ وہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کمرے میں تیمور کا بیٹا شاہ رخ اور اس کے پوتے محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل داخل ہوئے اور تیمور کے سامنے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔

تیمور نے پہلے ان تینوں سے یوگرین کا تعارف کرایا۔ پھر اس نے ایک مجلس کا اظہار کرتے ہوئے پھر پوچھا - ”اے یوگرین! یہ تم سے کس نے کہا کہ نور الدین ایک غلام ہے۔“

یوگرین نے جواب میں کہا - ”اے امیر! ایک تو نور الدین نے خود اپنا تعارف کراتے ہوئے مجھ سے اور میری بیٹی سے کہا - کہ وہ ایک غلام ہے۔ اے امیر! میں نے شروع میں یہی سمجھا کہ نور الدین نے ایسا عاجزی میں اور اپنے نفس کی کسر کرتے ہوئے کہا ہے۔“

پوراے امیر! جب نور الدین! ہمارے ساتھ اس محل کے احاطے میں داخل ہوا تو آپ کا یہ پوتا جس کا تعارف آپ نے خلیل کے نام سے کرایا ہے۔ اس نے نور الدین کے ساتھ انتہائی ذلیلانہ اور امانت آمیز سلوک کیا تب مجھے یقین ہو گیا۔ کہ نور الدین واقعی ایک غلام ہے۔ پھر بھی اپنے اطمینان کی خاطر میں نے آپ سے اس کی تصدیق چاہی۔ اے امیر! اگر یہ نور الدین واقعی غلام ہے تب بھی وہ اس قابل ہے

کہ اسے اس کے اخلاق و کردار اور اس کی سیرت و تہذیب کے باعث بڑے بڑے معزز اور آزاد مردوں پر ترجیح دی جائے۔“
یوگرین کی اس گفتگو پر تیمور کا چہرہ غصے میں تب کر رہ گیا تھا پھر اس نے پھر لہجے اور کھولتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اے یوگرین! پہلے یہ تو کہو کہ اس خلیل نے نور الدین کے ساتھ کیا ذلت آمیز سلوک کیا۔“ اس موقع پر خلیل کا رنگ پیلا ہو چکا تھا اور اس کے بدن پر خوف و فکر مندی کے باعث ایک کپکپی طاری تھی۔ یوگرین خلیل کی طرف دھیان دیے بغیر بولا۔
”اے امیر تیمور! جس وقت نور الدین ہمیں لے کر اس احاطے میں داخل ہوا تو خلیل نور الدین کے قریب آیا۔ نور الدین نے اس سے سرگوشی میں نہ جلنے کیا کہا کہ یہ خلیل پھر گیا اور انتہائی حقارت کے انداز میں اس نے نور الدین سے کہا۔ اے نور الدین مت بھولو کہ تم ایک غلام ہو اور غلامی کی حدود میں رہ کر مجھ سے گفتگو کیا کرو۔“

امیر تیمور نے غور سے خلیل کی طرف دیکھا اور اس موقع پر اس کی آنکھوں میں خلیل کے لیے نفرت کی اڑتی ریت اور تیز بکتے شعلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر خلیل کو مخاطب کر تیمور بڑی طرح دھاڑا۔

”اے خلیل! تم پر ایک الزام عائد ہو رہا ہے۔ جس شست پر تم بیٹھے ہو اسے چھوڑ دو اور ایک ملزم کی حیثیت میں میرے سامنے آکر کھڑے ہو اور اس کی وضاحت کرو کہ تم نے کیوں نور الدین کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔“

اس موقع پر خلیل کانپ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر تیمور کے سامنے آکھڑا ہوا۔ شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد بھی اس کی طرف ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے خلیل کی گردن جھکی ہوئی تھی اور ہکلاتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے واداحترم!“
تیمور نے فوراً اسے ٹوک دیا۔ ”اس وقت تم ایک ملزم کی حیثیت سے کھڑے

ہو۔ تم میرے لیے صرف خلیل اور میں تمہارے لیے وادانہیں صرف تیمور ہوں۔“
خلیل شامی ملک کا وکر وہاں نہ لانا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے بات کو ختم

کرنے کی خاطر فوراً کہہ دیا۔ ”مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے اور آئندہ کے لیے میں آپ سے محتاط رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔“

تیمور نے کچھ سوچا پھر فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا۔ ”اگر تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے تو سنو! نور الدین کل یہاں سے شمالی ہم کے لیے کوچ کرے گا اور جب میں اسے رخصت کر دوں تم میری موجودگی میں اس سے معافی مانگو۔“

خیل نے فوراً گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ضرور آپ کی موجودگی میں نور الدین سے معافی مانگ لوں گا۔“

تیمور کو کچھ اطمینان ہوا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے شاہ رخ کی طرف دیکھا اور بولائے

شاہ رخ! میرے بیٹے! تم ابھی اور اسی وقت اٹھ کر شہر اور متفرق میں منادی کے ذریعے اعلان کرو کہ آئندہ نور الدین کو شیخ نور الدین کہہ کر پکارا جائے گا اور خیل! تم بھی سن لو، کہ نور الدین مجھے اپنے بیٹے شاہ رخ جیسا عزیز و قریب ہے اور پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی بھی جنگی مارست میں اس جیسا نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی بھی تیغ زنی میں آق بوغا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جب کہ نور الدین نے تیغ زنی میں آق بوغا کو لمحوں کے اندر کچاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب تم سب جاسکتے ہو۔ شاہ رخ، محمد سلطان، پیر محمد اور خیل فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد تیمور نے یوگرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے یوگرین! اب تو تمہیں یقین ہوا کہ نور الدین کی حیثیت یہاں ایک غلام کی سی نہیں ہے بلکہ وہ مجھے میرے فرزند جیسا عزیز ہے۔“

یوگرین نے پوچھا۔ ”کیا نور الدین کسی دور میں غلام رہا ہے جو اسے غلام سمجھا جاتا ہے اور اب آپ نے اسے شیخ نور الدین پکارے جانے کا اعلان کیا ہے۔“

تیمور کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ”سنو یوگرین! میں تمہیں نور الدین کے اصل حالات سناؤں۔ میرا امیر الامراء سیف الدین کچھ عرصہ قبل ایران کی طرف گیا۔ وہاں اس نے نور الدین کو دیکھا۔ یہ نور الدین اس وقت وہاں ایک ایرانی کا غلام تھا جب کہ اس کا باپ

بھی اس ایرانی کے پاس غلام ہوا کرتا تھا۔ وہاں سیف الدین نے نور الدین کا ایک تیغ زنی کا مقابلہ رکھا اور اُسے نور الدین بے حد پسند آیا۔ اس بنا پر سیف الدین نے نور الدین کو اس ایرانی تاجر سے خرید لیا اور اسے اس وقت میرے سامنے پیش کیا جب میں اپنا دربار لگا رہا تھا۔

سیف الدین کا شاید یہ خیال تھا کہ میں نور الدین کو ایک غلام کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لوں گا اور سیف الدین کی چونکہ کوئی اولاد نہیں ہے لہذا وہ یہ بھی خواہش رکھتا تھا کہ نور الدین کو وہ اپنا بیٹا بنا کر اپنے پاس رکھے لیکن میں نور الدین کو غلام کی حیثیت میں رکھنے کے بجائے اس کا اپنا کوئی مقام متعین کرنا چاہتا تھا۔ سیف الدین نے چونکہ میرے سامنے نور الدین کی طاقت و قوت اور اس کی تیغ زنی کی بے حد تعریف کی تھی۔ لہذا میں نے بھرے دربار میں اس کا انتظام کیا اور اپنے ایک سالار آق بوغا سے اس کا مقابلہ کرادیا۔ میں یہ بھی یہاں بتا دوں کہ آق بوغا میرے لشکر میں سب سے طاقتور اور ماہر تیغ زن خیال کیا جاتا تھا لیکن بھرے دربار میں نور الدین نے لمحوں کے اندر آق بوغا کو اپنے سامنے زیر کر کے رکھ دیا تھا۔

اس کے علاوہ اے یوگرین! جب میں منگولوں کے حکمران توقتمش کے خلاف شمالی صوبوں میں مصروف تھا تو ایک نازک موقع پر اس نور الدین نے ہماری پسپائی کو شاندار فتح میں تبدیل کیا بلکہ اس نے میری جان بھی بچائی۔ اسی بنا پر میں نور الدین کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتا ہوں۔“

یوگرین نے پھر پوچھا۔ ”اگر نور الدین کو آپ نے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے آپ کو کس نفس میں مبتلا کر کے رکھتا ہے اور کیوں وہ چپ چاپ خاموش اور بچھا بچھا سا رہتا ہے۔ یوگرین کی طرف تیمور نے غور سے دیکھا اور کہا۔

”اے یوگرین! نور الدین کے اواس اور خاموش رہنے کی بھی ایک وجہ ہے۔ منوجب سیف الدین اسے ایران سے خرید کر یہاں لایا اور بھرے دربار میں اس نے آق بوغا کو ہرا دیا تو میں اس کی اس کی کارکردگی سے بے حد خوش ہوا۔ پس میں نے نور الدین کے سلسلے میں ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ سمرقند کے اسقف یوحنا کی ایک بیٹی ہے اس کا نام انجیلینا ہے اور وہ ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی ہے۔ اسقف یوحنا نے نور الدین کی آمد سے چند

ماہ قبل مجھے یہ بھی کہا تھا کہ میں اس کی بیٹی کے لیے کسی مناسب لڑکے کا انتخاب کروں۔ تاکہ ایجنلینا سے اس کی منگنی کر دی جائے کیوں کہ ایجنلینا ابھی کم عمر تھی۔ پس جب نور الدین نے مقابلہ جیتا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ نور الدین اور ایجنلینا کی منگنی کر دی جائے اور چند سال بعد دونوں کی شادی کر کے رخصتی کر دی جائے گی۔

اس سلسلے میں جب میں نے اسقف یوحنا سے بات کی تو وہ بخوشی اس پر رضامند ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ بھرے دربار میں جہاں نور الدین نے یہ مقابلہ جیتا تھا وہاں ایجنلینا کی صورت میں اسے بہترین انعام سے نوازا جائے۔ ایجنلینا بھی اس وقت دربار کے زنانہ حصے میں موجود تھی۔ لہذا میں اور اس کا باپ یوحنا اس طرف گئے جہاں ایجنلینا اپنی ماں مانتھس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں یہاں پہنچے تو ایجنلینا کی ماں مانتھس بھی اس پر خوش اور رضامند تھی کہ ایجنلینا کو نور الدین سے بیاہ دیا جائے لیکن جب ایجنلینا سے اس سے متعلق مشورہ لیا گیا تو اسے یوگرین! جانتے ہو میرے اس مشورے کے جواب میں ایجنلینا نے نور الدین سے متعلق کیا کہا۔

اس موقع پر تالیا ایک جستجو کی سی حالت میں تمیوز کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ یوگرین نے انتہائی بے تابی کی حالت میں پوچھ لیا۔ "اے امیر! ایجنلینا نے نور الدین سے متعلق آپ کو کیا جواب دیا"

تیمور نے ایک آہ بھرنے کے انداز میں کہا۔ "اے یوگرین! ایجنلینا نے کہا۔ 'کیا میرے لیے آپ کے پاس ایک غلام ہی رہ گیا تھا اور پھر سارے دربار کو سناتے ہوئے ایجنلینا نے بلند آواز میں کہا۔ 'میں ہرگز ایک غلام ابن غلام کو اپنی زندگی کا ساتھی نہ بناؤں گی۔' اور ایجنلینا کا جواب وہاں کھڑے نور الدین نے بھی سن لیا تھا۔ کاش ایجنلینا نور الدین سے متعلق ایسا سخت اور ناگوار جواب نہ دیتی۔ اگر وہ نور الدین کے ساتھ شادی پر رضامند ہو جاتی تو اس کی یہ رضامندی میری خوشی اور میری روحانی تسکین کا باعث ہوتی۔ اس لیے کہ نور الدین کو تو میں اپنے بیٹے شاہ رخ جیسا سمجھتا ہوں۔ پس ایجنلینا کے اس جواب نے ہی نور الدین کو ایک کسر نفسی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے اور اکثر وہ

کھویا کھویا اور اُداس ہی رہتا ہے۔ میں نے دو ایک بار اس سے کسی اور لڑکی کے ساتھ شادی کی بات کی لیکن وہ رضامند ہی نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کا دل بھی ٹوٹ گیا ہو۔“

یوگرین نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ اینجیلینا نام کی لڑکی انتہائی ظالم و احمق لڑکی ہے جس نے نورالدین جیسے جوان کو ٹھکرا دیا ہے۔ درنہ قسم مریم کی نو لڑکین تو ان جوانوں میں سرفہرست ہے جن کی خوب صورت و حسین لڑکیاں خواہش کرتی ہیں۔ کاش نورالدین کے بارے میں اس اینجیلینا کو کوئی سمجھاتا۔“

جواب میں تیمور مسکرایا اور کہا۔ ”یہ اینجیلینا اپنے ماں باپ کے ساتھ تھوڑی دیر تک یہاں آنے والی ہے۔ اسے اس کے ماں باپ نے بھی بہت سمجھایا لیکن وہ نورالدین کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نورالدین جس قدر سادگی پسند اور پُر خلوص جوان ہے اسی قدر اینجیلینا ظاہری شان و شوکت اور زرق برق ماحول کی دلدل ہے اور اب تو میرے خیال میں اگر کبھی کوئی ایسا موقع آئے کہ اینجیلینا خود اس سے شادی کی خواہش مند ہو تب بھی نورالدین اس پر آمادہ نہ ہو اور اے یوگرین! اس کے علاوہ اب میں اینجیلینا کی منگنی۔“

تیمور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیونکہ اینجیلینا، اس کا باپ یوحنا اور ماں مالتھس اس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ تیمور نے پہلے ان تینوں کا یوگرین اور اس کی بیٹی ناسیا سے تعارف کرایا۔ پھر یوحنا اور مالتھس تو تیمور اور یوگرین کے قریب بیٹھ گئے۔ جبکہ اینجیلینا ناسیا کے قریب جا بیٹھی اور سرگوشی اور رازداری میں اس کے ساتھ کسی موضوع پر گفتگو کرنے لگی تھی۔

پھر استقف یوحنا نے کہا۔ ”اے امیر! آپ نے ہمیں طلب کیا ہے۔“

تیمور مسکرایا اور بولا۔ ”ہاں، تم تینوں کو میں نے ایک اہم کام کو انجام دینے کے لیے بلایا ہے اور اس کے لیے میں کوئی تمہیدی جملہ نہ کہوں گا اور کام یہ ہے کہ میری بہو خانمہ اپنے بیٹے خلیل کے لیے اینجیلینا کی خواہش مند ہے اور چاہتی ہے کہ اگر

تم دونوں پسند کرو اور اینجیلینا کی بھی مرضی ہو تو خلیل اور اینجیلینا کی منگنی کر دی جائے اور پھر کچھ ہی عرصے بعد شادی اور رخصتی ہو جائے گی تاکہ اس دوران خلیل اور اینجیلینا ایک دوسرے کو سمجھنے کے علاوہ ایک دوسرے سے مانوس بھی ہو سکیں۔ اب تم دونوں میاں بیوی کہو کیا کہتے ہو۔

یوحنا اور مالتھس نے ایک دوسرے کے ساتھ رازداری کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مشورہ کیا۔ پھر یوحنا بولا۔ ”اے آقا! میں اور مالتھس تو اس رشتے کو بخوشی قبول کرتے ہیں تاہم اینجیلینا کی مرضی بھی اس سلسلے میں جاننا ضروری ہے۔“

تیمور پھر بولا ”اے مالتھس! تم اینجیلینا کی ماں ہو۔ اینجیلینا بھی اس وقت یہیں ہے لہذا علیحدگی میں اس سے مشورہ کر لو۔ پھر مجھے اس کے فیصلے سے آگاہ کرو۔ اس گفتگو پر اینجیلینا نے نالیا کے پیچھے ایک طرح سے اپنے آپ کو چھپا لیا اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور چہرہ آنچل میں ڈھکا ہوا تھا۔ مالتھس اٹھ کر اینجیلینا کے پاس آئی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”اینجیلینا! اینجیلینا! میری بیٹی! تو نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی منگنی کی امیر تیمور کی طرف سے پیش کش کو سُن لیا ہو گا۔ میں اور تیرا باپ تیرے لیے شہزادہ خلیل کو پسند کر چکے ہیں۔ اب تو بتا تیرا اس پیش کش پر کیا جواب ہے۔“

اس موقع پر اینجیلینا کی گردن اور زیادہ جھک گئی تھی۔ مالتھس اس کے پاس بیٹھ گئی اور مدھم آواز میں رازداری کے ساتھ اس کے کان میں کہا۔ ”اے اینجیلینا! میں تیری زبان سے کچھ سننے کی خواہش رکھتی ہوں۔ دیکھ میری بیٹی! بالکل پتھر نہ ہو جاؤ اپنی زبان کو حرکت میں لا۔ ادرسن! ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ تو پہلے نور الدین کے لیے بھی (کار کر چکی۔ وہ اُس وقت غلام ضرور تھا لیکن اب تو دیکھتی ہے کہ وہ امیر کے نہ صرف بر نیلوں میں سے ایک ہے بلکہ امیر کا منظورِ نظر بھی ہے۔

اے اینجیلینا! میں سمجھتی ہوں تو نور الدین کے معاملے میں پہلے ہی ایک بہت بڑی غلطی اور حماقت کر چکی ہے۔ اب اس پیش کش پر تو مکمل کر مجھ سے کہہ تاکہ میں امیر کو تیرے

و اب سے مطمئن کر سکوں ۔“

اینجیلینا نے دھیمی اور مردہ سی آواز میں کہا ۔ ”اے میری ماں ! میں اس پیش کش کو قبول کرتی ہوں۔“ نائیا کے چہرے پر اس جواب سے حیرت اور ماتھس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی ۔

نائیا کے چہرے پر شاید اس وجہ سے حیرت کے آثار نمودار ہوئے تھے کہ اینجیلینا نور الدین جیسے بلند کردار کو چھوڑ کر خلیل جیسے واغدار سہرت کے شہزادے کو اپنا رہی تھی ہر حال ماتھس تیمور کے پاس آئی اور اپنی مسکراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا ۔ ”اے امیر ! میری بیٹی اینجیلینا شہزادہ خلیل کو قبول کرتی ہے اور یہ یقیناً ہمارے لیے خوش بختی کا باعث ہے ۔“

تیمور نے بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ ”یہ فیصلہ میرے لیے بھی باعث مسرت ہے ۔ اینجیلینا کی وجہ سے مجھے اُمید ہے کہ خلیل اپنے باپ کے برخلاف راستی کی راہ اپنائے گا ۔ یہاں اس وقت خلیل کی ماں اور میری بہو خانزادہ بھی ضرور ہوتی ، لیکن وہ علیل ہے ۔ اس لیے یہاں نہیں آسکی ۔“ اس کے ساتھ ہی تیمور نے ایک قیمتی ہیرا جڑی ہوئی بھاری سنہری انگوٹھی ماتھس کو تھما دی اور کہا ۔ ”اے ماتھس ! میری طرف سے منگنی کی یہ انگوٹھی اینجیلینا کو پہنا دی جائے ۔“

ماتھس نے انگوٹھی لے کر اینجیلینا کو پہنا دی تھی ۔ پھر تیمور نے اپنے ایک محافظ کو بلایا اور جب وہ محافظ اندر آیا تو تیمور نے یوگرین اور نائیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا ۔

”یہ دونوں ہمارے معزز اور عزیز ترین مہمان ہیں ۔ انہیں شاہی مہمان خانہ کی طرف لے جاؤ ۔ عمارت کا وہ حصہ جو باغ کی طرف ہے اور قدرے پرسکون ہے وہ ان کے لیے مختص کر دوا اور وہاں ان کے لیے ضرورت کی ہر چیز کا انتظام کرادو۔“ اس کے ساتھ تیمور نے یوگرین سے بھی کہا ۔ ”اے یوگرین ! اب تم دونوں باپ بیٹی کھانا کھا کر آرام کرو کہ کل تمہیں نور الدین کے ساتھ شمالی مہم پر روانہ ہونا ہوگا۔“

یورین اور ناسیا دونوں اٹھ کر اس محافظ کے ساتھ باہر نکل گئے تھے اس کے بعد پوچھا اور ماتھس بھی تیمور سے اجازت لینے کے بعد انجیلینا کے ساتھ وہاں سے چلے گئے تھے۔

دوسرے روز نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے کوچ کر رہا تھا۔ اس حالت میں کہ وہ اپنے لشکر کے آگے آگے اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ خود تیمور اور سیف الدین کے علاوہ دوسرے اراکین سلطنت اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر جب تیمور اپنے گھوڑے پر سوار نور الدین کو رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ تھا تھا شہزادہ خلیل ایک طرف سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور نور الدین کے قریب آکر اس نے بڑی عاجزی میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اے نور الدین! میں اپنے کل کے روئے پر انتہائی طوع پر نادم ہوں جو میں نے تمہیں غلام کہہ کر پکارا۔ میں اپنے اس روئے کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔“
نور الدین نے فراخ دلی کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے خلیل! میں تو تمہیں پہلے ہی معاف کر چکا ہوں۔“ دونوں کی اس گفتگو پر تیمور بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خلیل وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑا سا اور آگے جا کر تیمور نے اپنے گھوڑے کو روکا اور نور الدین سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! یہاں سے میں تمہیں اللہ حافظ کہتا ہوں۔ میری اور پوری قوم کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب لوٹو پھر تیمور اپنا منہ نور الدین کے کان کے قریب لے گیا اور رازداری میں اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! میں نے انجیلینا اور خلیل کی منگنی کر دی ہے۔ میری نگاہ میں معزز گھرانوں کی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب تم باعافیت اپنی ہم سے لوٹو تو تمہاری بھی تمہاری پسند کے مطابق شادی کر دی جائے۔“

اپنے سر کو جھکاتے ہوئے نور الدین نے کمال سنجیدگی میں کہا۔ ”اے امیر! اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔“ تیمور کا چہرہ کچھ فکر گیر ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے ایک بار

پھر پُزور مصافحہ کیا اور نور الدین کو اس کے لشکر کے ساتھ رخصت کر دیا تھا۔ اس کے بعد سیف الدین نے نور الدین کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔

تیمور اور دیگر راکین سلطنت کے واپس جانے کے بعد یوگرین اور اس کی بیٹی ناسیا دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے نور الدین کے قریب آئے۔ ناسیا اس وقت مردانہ جنگی لباس میں تھی اور انتہائی وحیدہ و حسین اور جاذب و پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

جب وہ دونوں نور الدین کی طرف آئے تو نور الدین کی نگاہ ناسیا پر بھی پڑی۔ قریب آکر دونوں باپ بیٹی نے نور الدین سے سلام کہا۔ نور الدین نے خوش طبعی میں سلام کا جواب دیا اور یوگرین سے کہا۔ ”آپ اپنی بیٹی کو سمرقند میں ہی چھوڑ آئے ہوتے۔ اس تکلیف دہ مہم میں یہ ہمارے ساتھ ویسے ہی اذیت اور کرب میں مبتلا رہے گی۔“

اس موقع پر ناسیا نور الدین کے قریب آئی اور اپنی مسکراتی، گنگناقتی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! آپ میری فکر نہ کریں۔ میں ان حالات کی عادی ہوں لشکر میں شامل ہونے کی نسبت سمرقند کے اجنبی ماحول میں انتظار کی کیفیت میں دن گزارنا میرے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا۔“

ناسیا کی اس بات کا نور الدین نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے اس کی رفتار بڑھا دی تھی





تیمور کی سلطنت کے شمالی حصوں کے حاکم قتلق اور ایدکو سرائے شہر میں جمع ہوئے اور ویٹولڈ کے خلاف دونوں اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ ویٹولڈ کی طرف ویٹولڈ بھی حرکت میں آچکا تھا۔ اس نے لٹھوانیاں کے ایک مضبوط اور جڑا لشکر کے علاوہ پولینڈ کے لشکر کو بھی اپنے ساتھ ملایا کیوں کہ پولینڈ کا حاکم اس کا بھائی تھا۔ ایسا کرنے کے بعد ویٹولڈ نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اور اس اعلان کا اُسے یہ فائدہ ہوا کہ یورپ کے مختلف ممالک کے تقریباً پانچ سو نواب، سردار اور جرنیل بھی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ اس صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لیے ویٹولڈ کے ساتھ آ ملے تھے۔

اس دوران تیمور کے حکم کے مطابق قتلق نے ویٹولڈ سے تو قمش کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ ویٹولڈ نے اس خط کا جواب یوں دیا کہ اپنے اس اَن گنت اور طوفانی لشکر کے ساتھ اس نے سیلاب کے تندریلے کی طرح ایدکو اور قتلق خان کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔

قتلق اور ایدکو ایک روز سرائے شہر میں اکٹھے بیٹھے ویٹولڈ کی اس پیش قدمی کے خلاف تباہ خیال ہو رہے تھے کہ قتلق کا ایک محافظ اندر آیا اور اپنے سر کو خم کرتے ہوئے اس نے کہا: ”اے آقا! ویٹولڈ کا ایک قاصد آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔“

قتلق نے بے تابی اور بے چینی میں کہا۔ ”اُسے فوراً اندر لے کر آؤ۔“

تھوڑی ہی دیر بعد وہ محافظ و بیٹولڈ کے ایک قاصد کو اندر لے کر آیا۔ اسے دیکھتے ہی قتلقل نے بھاری اور گونجدار آواز میں پوچھا۔ ”تم و بیٹولڈ کی طرف سے ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے ہو۔“

اس قاصد نے بانس کے ایک نخل کے اندر سے و بیٹولڈ کا کاغذ پر لکھا ہوا پیغام نکالا اور قتلقل کو تھا دیا۔ قتلقل نے پڑھا، لکھا تھا:

”خدا نے مجھے ساری دنیا کا بادشاہ بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ تم لوگوں کے خلاف میں صلیبی جنگ کا اعلان کر چکا ہوں اور اس اعلان کے جواب میں مجھے ایسی عسکری تقویت ملی ہے جس کا تم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے ہو۔“

میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اپنے سکوں پر لتھوانیا کا ٹھپہ لگا دو میں تمہیں یہ بھی اطلاع کر دوں کہ اب میرے ساتھ تمہاری طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کی کیفیت ایسے ہی ہے جیسے فضاؤل کے اندر اڑتا ہوا بے کنار ٹڈی دل۔ جس طرح کوئی اس ٹڈی دل کو شمار نہیں کر سکتا اسی طرح تم لوگ میرے لشکر کی عددی حالت کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے ہو۔“

میں ایک بے روک آندھی، اٹل طوفان اور بہالے جانے والے سیلاب کی صورت میں تمہاری طرف بڑھ رہا ہوں۔ اے قتلقل خان! اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ میرا بیٹا اور میرا ماتحت بن کر رہو یا پھر میرا غلام بننا قبول کر لو۔ جو بھی صورت تم اختیار کرو، میں اسی کے لیے تیار ہوں اور اے قتلقل خان! تم اگر اپنے سارے حمایتیوں کو اپنے ساتھ ملا لو تب بھی میرے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکو گے اور میری غلامی سے بچ نہ سکو گے۔ اگر تمہارا جواب مثبت ہوا تو تمہاری بہتری اور اگر یہ جواب

نفی میں ہوا تو اے قتل خان! میں زمین کے آخری کناروں تک تمہارا تعاقب کروں گا۔

اے قتل خان! میں دریائے ڈینیپر کو عبور کرنے کے بعد پچاس میل تمہاری سر زمین کی طرف بڑھنے کے بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہوں۔ یہیں پر میں اپنے قاصد کی واپسی کا انتظار کروں گا اور اے قتل خان! یہیں میں تمہاری قیمت اور مقرر کے بگاڑنے اور سنوارنے کا فیصلہ بھی کروں گا۔“

ویٹولڈ کا خطر پڑھنے کے بعد قتل خان نے وہ خط اپنے قریب بیٹھے تیمور کے دوسرے عالم ایو کو دکھادیا تھا۔ ایو کو نے وہ خط پڑھا۔ پھر اس نے ویٹولڈ کے قاصد کو مخاطب کر کے کہا: ”اے قاصد! تم دو ایک روز یہاں رکو۔ ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ویٹولڈ کے نام تمہیں اپنا جواب دے دیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی ایو کو نے وہاں کھڑے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ قاصد کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کی رہائش اور کھانے کا انتظام کریں۔ ”ایک محافظ آگے بڑھا اور ویٹولڈ کے قاصد کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس قاصد کے جانے کے بعد قتل خان نے احتجاج کرنے کے انداز میں ایو کو سے کہا۔

”یہ آپ نے کیا کیا۔ آپ نے اس قاصد کو صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہوتا کہ ہم عنقریب اپنے عسکر کے ساتھ حرکت میں آ رہے ہیں اور ویٹولڈ کے ساتھ وہیں معاملہ طے کریں گے جہاں اس نے پڑاؤ کیا ہوا ہے۔“

ایو کو نے مسکراتے ہوئے کہا: ”تم ابھی جوان ہو اس لیے تم سے ایسے ہی جذباتی فیصلے کی امید کی جاسکتی ہے اور اسی بنا پر ویٹولڈ نے تمہیں اپنا بیٹا بنانے کی پیش کش کی ہے۔ جب کہ میں عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں میں ویٹولڈ کو اپنا بیٹا کہہ سکتا ہوں۔ سو قتل خان! میں نے درست فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے کہ مجھے امیر تیمور کے برنیل نور الدین اور اس کے لشکر کا انتظار رہے اور سنا گیا ہے کہ نور الدین ایک بلا کا زیرک برنیل اور

قاتور جوان ہے۔ اس نور الدین کی آمد تک ہمیں ویٹولڈ کے ساتھ اپنے مسائل کو اُبھا کر رکھنا چاہیے اور جب نور الدین یہاں پہنچ گیا تو پھر اسی روز ویٹولڈ کے خلاف ہم کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اے قتلک! میں نے سُن رکھا ہے امیر تیمور کا یہ نور الدین نام کا جرنیل۔

ایک کو کتے کتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ ایک محافظ ترین سے اندر آیا اور قتلک کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "اے آقا! باہر ہمارا ایک مخبر آیا ہے اور وہ یہ بتاتا ہے کہ امیر تیمور کا جرنیل نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچا ہے اور شہر کے جنوبی حصے میں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ قبل اس کے قتلک کچھ کہتا۔ اید کو فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "اے قتلک! میرے عزیز! مجھے جس کا انتظار تھا وہ پہنچ گیا ہے۔ بخدا یہ نور الدین بڑا نیک سخت جرنیل ہے۔ ادھر میں نے اس کا ذکر کیا اور ادھر مخبر نے یہ اطلاع آن کی کہ نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے جنوب میں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ اے قتلک! میرے عزیز! اٹھو اور نور الدین کا استقبال کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ویٹولڈ سے نمٹنے کے لیے ہماری بہترین راہنمائی کرے گا۔ اے قتلک! یہ بھی سُن رکھو میں سمجھتا ہوں قدرت پوری طرح ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اس لیے کہ حجاب کے لیے میں نے ویٹولڈ کے سفیر سے دو ایک روز کا وعدہ کیا ہے اور نور الدین کے آنے پر ہم قاصد کو مناسب حجاب دینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ پھر وہ دونوں اُٹھ کر باہر نکل گئے تھے قتلک اور اید کو جب شہر کے جنوب میں آئے تو انہوں نے دیکھا وہاں واقعی نور الدین کا لشکر خیمہ زن ہو رہا تھا۔ قتلک اور اید کو ایک ایسی جگہ اکھڑے ہوئے جہاں چند جوان ایک خیمہ نصب کر رہے تھے۔ اید کو نے انہیں مخاطب کر کے کہا: "اے عظیم قوم کے فرزندو! میں اید کو ہوں اور میرے ساتھ یہ قتلک خان ہے۔ کیا تم ہماری راہنمائی کرو گے تمہارے امیر نور الدین کہاں ہیں۔"

ان میں سے جو جوان بیٹھے ہوئے تھے وہ اید کو اور قتلک کا نام سُن کر حزاماً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: "آئیے میں آپ کو امیر نور الدین کے پاس لے کر چلتا

ہوں۔ ایدکو اور قتلک دونوں خاموشی سے اس جوان کے ساتھ ہو لیے تھے۔

نصب ہوتے خیموں کے اندر تھوڑا سا آگے جا کر ایک جگہ وہ جوان رک گیا۔ ان کے سامنے قریب ہی نور الدین چند جوانوں کے ساتھ مل کر اپنا خیمہ نصب کر رہا تھا اور اس کے دائیں طرف یوگرین بھی کچھ جوانوں کو اپنا خیمہ نصب کرنے میں مدد دے رہا تھا جبکہ نور الدین اور یوگرین کے درمیان جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے وہاں ناب یا کھڑی نور الدین کو عام جوانوں کے ساتھ کام کرتے دیکھ رہی تھی۔

اس جوان نے ایدکو اور قتلک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے صاحبو! وہ سامنے دراز قد جوان جو اس وقت خیمے کی طناب کو کھونٹے کے ساتھ باندھ رہے ہیں وہی نور الدین ہیں۔ ان کے دائیں طرف جو جوانوں کو خیمہ نصب کرنے میں مدد دے رہا ہے وہ ویٹولڈ کا جرنیل یوگرین ہے۔ اس یوگرین کی ایک بیٹی ہے جسے ویٹولڈ نے بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی جس کی بنا پر یوگرین نے ہمارے ہاں پناہ لے لی ہے۔“

یہ یوگرین ہمارے لشکر میں اس لیے شامل ہوا ہے کہ اس جنگ میں وہ اپنی آنکھوں سے ویٹولڈ کی بے بسی اور لاچارگی کا نظارہ کرے۔ اور ان دونوں کے درمیان مردانہ جنگی لباس میں یوگرین کی وہی نائسیا نام کی بیٹی کھڑی ہے جس کی وجہ سے یوگرین کو ویٹولڈ کے خلاف بغاوت کر کے ہمارے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ اگر آپ دونوں حساب کہیں تو میں آگے جا کر امیر کو آپ کے آنے کی اطلاع کروں۔“

ایدکو نے ایک عقیدت اور ادا تمندی میں کہا۔ ایسا امیر جو اپنے لشکریوں کے ساتھ ہر کام کرتے ہوئے عار محسوس نہ کرتا ہو۔ اسے ہم کیوں زحمت دیں کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر ہمارا استقبال کرے۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ایسے امیر کو عقیدت بھرا سلام کہیں۔

اس کے ساتھ ہی ایدکو نے اپنے راہنمائی کرنے والے جوان کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے عزیز! تیرا شکریہ کہ تو نے یہاں تک ہماری راہنمائی کی اور اس سے علاوہ تو نے امیر نور الدین کے علاوہ ویٹولڈ کے جرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی کی بھی نشاندہی

کی۔ اب تم جاؤ۔ ہم دونوں اب خود ہی امیر نور الدین سے مل لیتے ہیں۔“ وہ جوان واپس لوٹ گیا۔ اید کو وقت قتل آگے بڑھے اور اس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں پر نور الدین کام میں مصروف تھا۔

نور الدین نے بھی انہیں اپنی طرف آتے ہوئے غور سے دیکھا تھا۔ نور الدین کے پاس کھڑے ہونے ہوئے اید کو اور قتل نے پہلے باری باری سلام کہا۔ ساتھ ہی اید کو نے بلند آواز میں کہا۔ ”اے امیر نور الدین! میں اید کو ہوں اور میرے ساتھ یہ قتل ہے۔ ہم دونوں آپ کو اس شہر میں آمد پر خوش آمد کہتے ہیں۔“

نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو گلے لگا کر وہ بڑی گرم جوشی سے بلا۔ اتنی دیر تک یوگرمین بھی ان کے نزدیک آ گیا تھا۔ ان دونوں کے باری باری اس سے بھی مصافحہ کیا پھر اید کو نے یوگرمین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”امیر نور الدین کے لشکر کا ایک جوان ہماری راہنمائی کرتا ہوا یہاں تک لایا ہے اور وہ ہمیں آپ اور آپ کی بیٹی سے متعلق بھی اطلاعات فراہم کر چکا ہے۔ ہم آپ دونوں باپ بیٹی کو بھی اس شہر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

پھر اید کو اور قتل دونوں نور الدین کی طرف مڑے اور اس بار قتل نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! آپ انتہائی مناسب وقت پر اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچے ہیں۔“

نور الدین نے تیز مگر فکر گیر نگاہوں سے قتل کی طرف دیکھا اور جسٹس بھرے لہجے میں اس نے پوچھا۔ ”کیا ان دونوں یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے؟“

قتل نے کہا۔ ”ہاں، ایسا ہی سمجھ لیں۔ ویٹولڈ کا ایک قاصد اس کا خط ہماری طرف لے کر آیا ہے۔ ہم نے ابھی اس خط کا جواب نہیں کیوں کہ یہ قاصد آج ہی تھوڑی دیر قبل آیا ہے اور ہم نے اسے دو ایک روز کرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ ہی قتل نے نور الدین کو ویٹولڈ کا خط نکال کر دھاتے ہوئے کہا۔ آپ ویٹولڈ کے اس خط کو پڑھ لیں اور پھر ہماری راہنمائی کریں کہ ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیئے اور مجھے امید ہے کہ آپ

کی راہنمائی میں ہم کوئی بہتر اور سودمند قدم ہی اٹھائیں گے۔“ نور الدین نے خط لے لیا۔
پھر وہ ویٹولڈ کا خط پڑھ رہا تھا۔

ویٹولڈ کا خط پڑھنے کے بعد نور الدین نے وہ خط قتلغ کو واپس تھا دیا اور
کہا: ”ویٹولڈ نے ہمارے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور اس کے لیے ہم
بلیک کہتے ہیں۔ اپنے لشکر کی قوت و تعداد کے بھروسے پر جس نوع کا خط اس نے ہمیں
لکھا ہے یہ اس کی اپنی سوچ اور سمجھ کا باعث ہے لیکن اپنی سمجھ اور بوجھ کے مطابق جب
ہم اس کے خلاف حرکت میں آئیں گے تو وہ اپنی ہر چوڑی بھول کمراس بات کا اقرار
کرے گا کہ روس اور پولینڈ سے جنگ کرنا آسان ہے لیکن ہم تاتاری مسلمانوں سے اس
کے لیے باعثِ ذلت و رسوائی ہے۔“

اے ایدکوار قتلغ! میرے عزیزو! ابھی اور اسی وقت ویٹولڈ کے قاصد
واپس کر دو۔ اسے کوئی تحریری جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے اسے زبانی کہہ
دو کہ ویٹولڈ پر جا کر انکشاف کرے کہ جس میدان میں اس نے پڑاؤ کیا ہوا ہے ہم اپنی
خون برساتی تلواروں اور زہریلے نیزوں کے ساتھ وہیں آکر اس کا ہولناک استقبال
کریں گے۔“

جب نور الدین خاموش ہوا تو قتلغ پھر بولا: ”اے امیر! میں اب جانا ہوں
اور آپ کے لشکر کے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم آپ کے پاس بیٹھ
کر یہاں سے کوچ اور ویٹولڈ کے خلاف جنگ کرنے کا لائحہ عمل طے کریں گے۔“

نور الدین نے اپنے لشکر کے جنوبی حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”تم
لوگ ذرا ادھر دیکھو میرے لشکر کے لیے کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اس کے لیے تم لوگوں کو زحمت
کی ضرورت نہیں۔ ایدکوار قتلغ نے جب جنوبی حصے کی طرف دیکھا تو واقعی وہاں بہت
سے لشکر کی کھانا تیار کرنے میں مصروف تھے۔“

نور الدین پھر بولا: ”جہاں تک یہاں سے کوچ کرنے کا سوال ہے اور ویٹولڈ
کے ساتھ جنگ کرنے کا لائحہ عمل طے کرنا ہے تو اس سے متعلق بھی ہمیں آپس میں مذاکرہ

مصلح و مشورے اور بحث کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ ہم کل صبح ہی صبح یہاں سے ان سرزمینوں کی طرف کوچ کریں گے جہاں ویٹولڈ نے پڑاؤ کیا ہوا ہے اور اگر آپ دنوں اجازت دیں تو میں اپنے لشکر کو قلب کے طور پر استعمال کروں گا۔ تاکہ ویٹولڈ کے لشکر کا زیادہ دباؤ میرے لشکر پر پڑے اور آپ دونوں کے لشکر جنگ میں مہینہ و مہینہ کا کردار ادا کریں۔

ایڈوکو نے بڑی انکساری سے کہا۔ اے امیر! اس کے لیے آپ ہماری اجازت کیوں طلب کرتے ہیں۔ بخدا یہ جنگ آپ کے نقطہ نظر کے مطابق لڑی جائے گی اور آپ ہی اس جنگ میں ہمارے متحدہ لشکروں کے سالار اعلیٰ ہوں گے۔

اس بار نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا اے میرے عزیزو! اگر یہ بات ہے تو پھر سنو۔ کل فجر کی نماز کے بعد یہاں سے کوچ ہوگا۔ آپ دونوں اپنے لشکروں کے ساتھ شہر کے اسی جنوبی حصے کی طرف آجائیں پھر ایک متحدہ لشکر کی صورت میں ہم ویٹولڈ کی طرف کوچ کریں گے۔ اے میرے عزیزو! میں آپ دونوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم برسٹے نقش کو چمکائیں گے۔ مرثوہ مایوسی میں ڈوبے خاک بسر گلستانوں اور بے وقوف بقیوں کی شگفتگی و دل کشی کو بیدار کریں گے۔

اے میرے عزیزو! جب ہم ویٹولڈ پر سرخ ریت کے غیر آباد و بے آب ڈگیا صحرا اور راتوں کے غیبی شعلوں کی طرح حملہ آور ہوں گے تو وہ اپنے تعمیر کے گلدانوں میں خار ہی خار، کھلیاؤں میں قحط ہی قحط اور اپنے نشیمن میں جلیوں کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔

اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ اے میرے رفیقان کابا! ویٹولڈ نے پیشک ہمارے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر کے اپنی عسکری حیثیت میں خوب اضافہ کر لیا ہے۔ اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم اپنے دین کو مخلص کر کے اپنے رب کا نام لے کر اس میدان میں اتریں تو ہمارا رب ہماری مدد کرے گا اور ہم ویٹولڈ اور اس کے اُن گنت لشکریوں کو تباہی و بربادی کے دورا ہے، بیکاری و فقر اور نیکی و اطاعت کے فرق، حسن اخلاق اور بد اخلاق کے امتیاز اور خدا پرستی اور

دہریت کی تفریق پر لاکھڑا کریں گے۔“

اس دوران نور الدین اور یوگرین دونوں کے خیمے نصب ہو گئے تھے۔ لہذا نور الدین نے یوگرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میرے محترم! آپ اپنے خیمے میں جا کر آرام کریں۔ میں ذرا اپنے ان دونوں رفیقوں کے ساتھ طویل گفتگو کروں گا۔“

یوگرین وہاں سے ہٹا اور اپنی بیٹی نالسیا کو لے کر وہ اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔ اس نے جانے کے بعد نور الدین نے ایک اور قتل سے کہا۔ ”آئیے! میرے خیمے میں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرتے ہیں۔ آپ دونوں شام کا کھانا بھی یہیں میرے ساتھ ہی کھائیں گے۔“ پھر نور الدین ان دونوں کو لے کر اپنے خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

○

دوسرے روز نور الدین، ایک اور قتل نے اپنے متحذ لشکر کے ساتھ ویٹولڈ کی طرف کوچ کیا۔ برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا نور الدین اپنے اس متحدہ لشکر کے ساتھ دریائے ڈینیپر سے پچاس میل پہلے اس جگہ آ پہنچا جہاں کوہستانوں سے گھری ہوئی ایک وسیع و عریض وادی کے اندر ویٹولڈ اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا اور ویٹولڈ کے لشکر کے عین سامنے نور الدین نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا تھا۔

نور الدین کو وہاں خیمہ زن ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور وہ ایک اور قتل کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر محو گفتگو تھا کہ اس کا ایک سپاہی ایک ایسے جوان کو اپنے ساتھ لایا جو اپنی شکل و ثنیا بہت اور لباس و حلیے سے صلیبی جنگجو لگتا تھا۔ قریب آ کر نور الدین نے اس لشکر نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے امیر! دشمن کے سپہ سالار ویٹولڈ کی طرف سے یہ صلیبی جوان آپ کے لیے کوئی پیغام لایا ہے۔“

نور الدین نے براہ راست اس قاصد کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”تم اپنے سالار

ویٹولڈ کی طرف سے ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟“

قاصد چند قدم آگے بڑھ کر نور الدین سے قریب ہوا اور بولا۔ ”ہمارے سالار ویٹولڈ نے مجھے اس خاطر اس طرف روانہ کیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے جانوں کہ کیا جنگ

کی ابتدا سے پہلے آپ لوگ باہمی گفتگو پر آمادہ ہیں۔ اس طرح ہو سکتا ہے امن کی کوئی راہ نکل
اے اور سرور پر منڈلائی ہوئی یہ ہولناک جنگ ٹل جائے۔
نور الدین نے بلا توقف کہا۔ ”ویٹولڈ اگر خلوص نیت سے ایسا چاہتا ہے تو ہم
گفت و شنید کے لیے بھی تیار ہیں۔“

اس قاصد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو پھر دونوں لشکروں
کے درمیان کھلے میدان میں ایک خیمہ نصب کیا جائے گا۔ اس خیمے میں آپ اپنے ساتھ اپنے
پانچ سالار لے آئیں اور پانچ ہی ہمارے سالار ویٹولڈ بھی اپنے ساتھ مشیر لے کر آئیں گے
شاید اس باہمی گفتگو کے بہتر نتائج ہی نمودار ہو جائیں۔“

نور الدین نے کہا۔ ”تو پھر تم جاؤ جب میدان کے وسط میں یہ خیمہ نصب ہو گیا،
تو میں اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ یہاں پہنچ جاؤں گا۔“ وہ قاصد چلا گیا اور اس کے جاتے
کے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں عساکر کے درمیانی حصے میں ایک بڑا خیمہ نصب ہونا شروع
ہو گیا تھا۔ جب یہ خیمہ نصب ہو چکا تو ویٹولڈ اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ وہاں آیا۔
جب کہ نور الدین بھی اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ اس خیمے میں داخل ہوا تھا۔

اس خیمے کے اندر پہلے دونوں اطراف کا تعارف کرایا گیا۔ نور الدین کے ساتھ قتل
اور اید کو کے علاوہ تین اور سالار بھی تھے۔ جب کہ ویٹولڈ کے ساتھ گرینڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک
نائٹس کے علاوہ کرا کو کا حاکم، اسلک اور گلشیا کے جرنیلوں کے علاوہ تقو انیا کا ایک
پادری بھی۔ جو اس صلیبی جنگ میں لوگوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کا کام کرتا تھا۔

گفتگو کا آغاز ویٹولڈ نے کرتے ہوئے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”ختمی سربراہوں
کے یہ وسیع خطے جن پر ان دونوں قابض ہو یہ تم لوگوں نے زیر و ستی بٹھیا لیے ہیں اور ان
سرزمینوں کا حاکم تو قتمش میرے پاس پناہ لے چکا ہے۔ لہذا تم لوگوں سے میرا اولین مطالبہ یہ
ہے کہ تم لوگ ان علاقوں کو خالی کر دو تاکہ میں دوبارہ قتمش کو ان علاقوں کا حاکم بنا دوں
اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو انجام تم لوگوں کے سامنے اسی رزم گاہ میں ہوگا۔“

نور الدین نے غور سے ویٹولڈ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے ویٹولڈ ان علاقوں کا

نار و دھماکوں کا باہمی مسکہ ہے اس لیے کہ تو قتمش مسلمان ہے۔ اگر وہ جھاک کر تمہارے پاس آنے کی حثیت کر چکا ہے تو کیا ہم اس حثیت کے جواب میں تمہیں اپنا ثالث و حاکم مان لیں۔ ہرگز نہیں اے ویٹولڈ! سن رکھو! ہم خوب جانتے ہیں کہ تو قتمش کی آڑ میں تم ان علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو لیکن ہم ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے اور اے ویٹولڈ! آگاہ رہو کہ ہم اس امر سے بھی باخبر ہیں کہ تم ہمیشہ مسلمانوں کو باہم لڑا کر فوائد حاصل کرنے والے لوگ ہو۔ لیکن یہاں اس میدان میں تمہیں فوائد کم اور نقصانات زیادہ دیکھنے کو ملیں گے۔ اے ویٹولڈ! میری یہ بات اپنے لیے باندھ کر رکھنا کہ ہم جہاں اپنوں کے لیے نئے عہد کی بشارت، قدرتِ اظہار اور آندھیوں میں جلنے والے چراغ ہیں وہاں ہم اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کے لیے سوکھے خشک خار، غروبِ شام، زوالِ شب اور ظلم و جبر کی پیاس بھی ہیں۔

اے ویٹولڈ! ہم جس رزم گاہ میں داخل ہوتے ہیں اسے اپنے دشمنوں کے لیے جیونٹیوں سے گھرے ہوئے ویرانے جیسا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اے ویٹولڈ! آدمی بے ثبات ہے اور یہ زندگی اک رات کی مانند ہے۔ جلنے کب گزر جائے۔ لہذا یہ جنگ اگر مل سکتی ہے تو ال دو۔ پر ہم سے ایسی کوئی توقع نہ رکھنا کہ ہم تمہارے سامنے دب جائیں گے یا ان سرزمینوں کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اگر ہمارے ساتھ امن کے ساتھ رہو گے تو تمہارے لیے ہم ستاروں کا سلام اور دھاروں کا پیغام بن کر رہیں گے۔ ورنہ دوسری صورت میں تمہیں اپنے لیے سینے کے دھتے داغ، موت کا اندازہ، زبر کا پیمانہ اور معوج و گرواب و تلاطم جیسا پاؤ گے۔

اے ویٹولڈ! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت جب کہ جنگ شروع نہیں ہوئی تم اپنے لیے فتح کی ٹیم پر یوں کے حسین خواب دیکھ رہے ہو گے لیکن جب ہم رقص کرتے نہ اوروں کی طرح حملہ آور ہوں گے تو تم چاہو گے کہ تمہاری رگوں کو تمہارے جسم کے نہروخانوں سے نجات مل جائے۔

نور الدین کی اس گفتگو پر نیوٹانک کے ناٹوں کا گرینڈ ماسٹر بھڑک اٹھا۔ اپنا ہاتھ وہ اپنی تلوار کے دتے پر لے گیا اور آگ برساتی آنکھوں سے اس نے نور الدین کی طرف

دیکھتے ہوئے کھوتے اور بال کھاتے بچے میں کہا۔ ”تم اپنی حدود سے باہر ہو کر ہمارے ساتھ گفتگو کر رہے ہو۔ ہم تمہارے مقابلے پر وہ لوگ ہیں جو تم لوگوں کے خون کے قطرے قطرے میں طوفان بے قرار پھر کر رکھ دیں گے اور سن رکھو کہ میں ٹیوٹانک کا گریڈ ماسٹر ہوں۔ اور گریڈ ماسٹر اُسے بنایا جاتا ہے جو تلوار کے فن میں اپنا ثانی نہ رکھنا ہو۔ سو ایک گریڈ ماسٹر کی حیثیت سے میں تم لوگوں کو قبل از وقت تنبیہ کرتا ہوں کہ اس رزم گاہ میں ہم تمہاری جاہ پسندی کو بھٹکے ہوئے کاروائوں جیسا کر دیں اور تمہارا سارے ارادوں کو کچلے انسانوں کے لیے بے رحم خوابوں جیسا بنا دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ سوٹو لٹنے امن و صلح کی جو شرائط پیش کی ہیں، انہیں تسلیم کر لو ورنہ ہمارے ساتھ جنگ کے بعد تمہاری حالت اس بے بس والا چار انسان کی سی ہوگی جس کی کوئی آرزو کوئی خواہش نہ رہی ہو۔“

گریڈ ماسٹر کی اس لاف زنی پر نور الدین کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے گریڈ ماسٹر سے کہا۔ ”گریڈ ماسٹر ہونا ہماری نگاہوں میں کوئی خاص عزت و توقیر کا مقام نہیں ہے۔ گریڈ ماسٹر کا جو تم نے یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ تیغ زنی میں اپنی مثال نہیں رکھتا تو یہ ایک احمقانہ خیال ہے۔ ورنہ تم جانتے ہو ماضی کی صلیبی جنگوں میں گنہگار مسلمان مجاہد نہ صرف نائٹوں بلکہ ان کے گریڈ ماسٹروں کو بھی اپنے پاؤں تلے روندتے رہے ہیں۔“

گریڈ ماسٹر بھڑک اُٹھا۔ ”یہ جھوٹ اور ہتان ہے۔ اگر تمہارے ایسے ہی خیالات ہیں تو اس جنگ سے قبل میں تمہیں انفرادی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔“

نور الدین نے جھٹ کہا۔ ”اور میں اس انفرادی مقابلے کی دعوت کو قبول کرتا ہوں اگر تم یہ دعوت نہ دیتے تو تھوڑی دیر تک میں خود تمہیں یہ چیلنج دینے والا تھا۔ بہر حال اسے گریڈ ماسٹر اس جنگ کی ابتداء سے پہلے میں تمہیں انفرادی مقابلے کا موقع ضرور دوں گا اور سن رکھو اس مقابلے کے بعد تم اپنے آپ کو گریڈ ماسٹر کہلوانا بھول جاؤ گے۔“

دیو لٹنے اس بار نور الدین سے پوچھا۔ ”تو کیا تمہاری اس گفتگو سے ہم یہ

سمجھ لیں کہ تم ہمارے ساتھ امن و صلح کی گفتگو کرنے پر آمادہ نہیں ہو؛
 نور الدین نے اپنی جگہ پر پہنچا دیا اور بولا۔ ”ہم ایسی صلح کو کیوں قبول کریں جس
 میں تم ہم پر شرائط تھوپو۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ
 لتھو انیا کا علاقہ ہمارے حوالے کر دو تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟“
 ویٹولڈ نے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔“

نور الدین گری طنز میں بولا۔ ”تو پھر ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔
 ویٹولڈ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا ”تو پھر اب قضیہ جنگ سے ہی طے ہوگا۔
 میں سمجھتا ہوں تم ایسے لوگ ہو جنہیں مار کر سیدھا کرنا پڑے گا۔“
 ویٹولڈ اس خیمے سے نکلنے ہی والا تھا کہ اس بار اید کونے اسے مخاطب کیا۔
 ”اے ویٹولڈ! تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے گزشتہ دنوں ایک خط قتل کی طرف روانہ کیا تھا
 اور اس خط میں تم نے قتل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ تمہارا بیٹا یا غلام بن کر رہے اور اپنے
 سگنوں پر لتھو انیا کا ٹھپہ لگوئے تو اے ویٹولڈ! تم عمر میں قتل سے بڑے ہو اس لیے تم
 نے اسے بیٹا بننے کا مشورہ دیا ہے لیکن میں تو تم سے عمر میں بڑا ہوں لہذا تمہارے اس
 خط کے جواب میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ تم میرے بیٹے بن کر رہو اور لتھو انیا کے
 سگنوں پر میرا چہرہ کندہ کرو۔“

ویٹولڈ نے کوئی جواب نہ دیا اور غصے میں بھرا ہوا وہ اس خیمے سے اپنے ساتھیوں
 کے ساتھ چلا گیا تھا۔



صلح کی یہ کوشش ناکام ہو گئی اور ویٹولڈ کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلے
 جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ خیمہ بھی اکھیر پڑ گیا تھا جو صلح کی گفت و شنید کے لیے
 نصب کیا گیا تھا اور پھر چند ہی ساعتوں بعد گریڈ ماسٹر پوری طرح صلح ہونے کے
 بعد اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان آیا اور نور الدین کا نام لے
 کر اس نے انفرادی مقابلے کے لیے پکارا۔ دوسری طرف نور الدین نے باہر آنے میں

کوئی تاخیر نہ کی تھی بلکہ جس وقت گرینڈ ماسٹر نے اسے پکارا اسی وقت وہ اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس میدان میں نمودار ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں نے اب اپنی اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ نور الدین کے میدان میں اترنے کے بعد اب ایک اور قتل کی اپنے متحدہ لشکر کے سامنے کھڑے تھے یوگین احمد ناسیا بھی دونوں باپ بیٹی اس موقع پر لشکر کے ایک طرف پڑاؤ کے خمیوں کے پاس کھڑے نالیہ نے فکر مندی میں کہا "اے میرے باپ! یہ اس نور الدین نے گرینڈ ماسٹر سے خود مقابلے کی چٹان کر کیا حماقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ زیادہ دیر تک گرینڈ ماسٹر کے سامنے ٹھہرنے سکے گا۔ اسے چاہیے تھا کہ گرینڈ ماسٹر کے مقابلے میں کسی اور کو بھیجتا تاکہ اگر وہ مارا جاتا تو اس کے لشکر پر برا اثر نہ پڑتا۔ اب اگر اس انفرادی مقابلے میں گرینڈ ماسٹر نے نور الدین کا کام تمام کر دیا تو اس کے لشکر پر اس کے بُرے اثرات ہوں گے اور گرینڈ ماسٹر کے ہاتھوں نور الدین کے مارے جانے پر دیوڑی لڑکی کامیابی اور فتح مندی یقینی ہو جائیگی۔ یوگین جو لگاتار میدان میں اترنے والے نور الدین کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اپنا رخ اس نے اپنی بیٹی ناسیا کی طرف کیا اور جواب طلب لہجے میں اس نے کہا "اے میری بیٹی! اگر اس مقابلے میں نور الدین غالب رہا تو پھر؟"

ناسیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "ایسا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ گرینڈ ماسٹر نائٹوں کے جس گروہ سے تعلق رکھتا ہے ان کا کام ہی انسانی جانوں سے کھیلنا ہے۔ یوگین پھر بولا "اے ناسیا! میری بیٹی! تم یہ حقیقت بھی تو اپنے ذہن میں رکھو کہ ماضی کی صلیبی جنگوں میں بڑے بڑے نائٹوں کو مسلمانوں کے عام اور گنہگار مجاہدوں نے اپنے سامنے زیر دست اور تہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔"

ناسیا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہی کیونکہ نور الدین اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا گرینڈ ماسٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور ناسیا اپنے باپ کی گفتگو کا جواب دینے کے بجائے ان کی طرف غور و انہماک سے دیکھنے لگی تھی۔

جب نور الدین اپنے گھوڑے کو ہانکتا بھگاتا گرینڈ ماسٹر کے قریب گیا، تو

گرینڈ ماسٹر اپنے گھوڑے سے نیچے کود گیا اور نور الدین کو مخاطب کرے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! صبح اس گفت و شنید کے دوران اس خیمے میں ویٹولڈ سے بات چیت کرنا سہل اور آسان تھا لیکن یہاں اس میدان میں میرے ساتھ مقابلہ تمہارے لیے دشوار اور تکلیف دہ ثابت ہو گا کہ اس مقابلے میں تمہیں میں دھاگوں کے پٹھے اور ریشم کے تانے بانے کی طرح الجھا کر رکھ دوں گا۔ اے نور الدین تیرے جسم کو تریس جان کر راہ کے بے مصرف پتھر کی طرح ہٹا دوں گا۔ اس مقابلے میں تجھ پر میں ہموائل کی سسکیاں، اندھیرے میں چھپے دوسرے، موت جیسا سر و سکوت، ٹھٹھری بساند، تابا ہی کا سمندر اور تاریک پرچھائیاں طاری کر دوں گا۔

نور الدین بھی اپنے گھوڑے سے کود گیا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھالتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے گرینڈ ماسٹر! اپنی زندگی میں تیرے جیسے گوجر گرد گئے میں نے کافی دیکھے ہیں۔ اے رعوت پسند، شکی اور مردہ دل انسان! آج کا دن یقیناً تیرے لیے درد و فراق کا دن اور زندگی لہو لہو ہو جانے کا سماں ہو گا۔ تیری نسلی و عصبی رعایات اور تصورات میں اضطراب و دوہشت مچ جانے کا دن ہو گا۔ تو صرف اس وقت اپنی ذات کا تجزیہ کر سکے گا۔ جب تیری تیز شعلوں جیسی سُرُخ زبان ریت کے گرداب میں دفن کر دوں گا۔ تیری رُوح کو خون کے دائروں میں ڈبو دوں گا اور تیری سانوں میں شکست و ریخت کی آگ بھروں گا۔“

گرینڈ ماسٹر نے نور الدین کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر اس نے نور الدین پر حملہ کر دیا تھا۔

نور الدین نے بڑی آسانی کے ساتھ گرینڈ ماسٹر کا وار اپنی ڈھال پر روک لیا تھا۔ پھر کچھ دیر تک اس گرینڈ ماسٹر کو حملہ آور ہونے کے مواقع فراہم کرتا رہا اور اس کے وار وہ انتہائی مہارت کے ساتھ روکتا رہا۔ دونوں لشکر اس مقابلے کو بڑی خاموشی اور جستجو کے سے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

گرینڈ ماسٹر اپنی جگہ پریشان ہو رہا تھا کہ نور الدین جاہلیت پر اسے بغیر کیے

آسانی کے ساتھ اس کے حملوں پر اپنا دفاع کر رہا تھا۔ نور الدین کے یوں حملے روکنے کے انداز میں ہی گریڈ ماسٹر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ نور الدین کوئی عام تیغ زن نہیں ہے۔ پھر بھی اپنی بدحواسی چھپانے اور اپنی دھندلی خواہشوں کی تکمیل کے لیے وہ اندھا دھند نور الدین پر وار کیے جا رہا تھا۔

پھر اچانک نور الدین نے اپنا رنگ بدلا۔ وہ کالی آنکھیں، نئے روگ، ویران رات، مرسنگی کے طوفان، سنسان دھوپ، ہر سو بھیلیتی ویرانی اور سراپوں کے نئے سلسلوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ نور الدین کے حملوں سے گریڈ ماسٹر کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے نفرتوں کے دریائے پُرغول یا برہمنہ لاشوں کے انباروں میں لاکھڑا کیا ہو۔ اس کی روح میں جلتی حسرتوں کے انگارے اور رگوں میں ناامیدی و بے یقینی کی سونیاں جھینے لگی تھیں۔ نور الدین اپنے تیز حملوں میں گریڈ ماسٹر کو بُری طرح اپنے آگے آگے اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اچانک نور الدین نے نود واز تکبیر بلند کی اور پھر اس میدان سے باہر دونوں لشکروں کے جوانوں نے دیکھا کہ نور الدین کی تلوار گریڈ ماسٹر کے شانے پر گری تھی اور گریڈ ماسٹر لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا تھا۔ نور الدین نے آگے بڑھ کر زمین پر گرے گریڈ ماسٹر کی بھاتی بد اپنا پاؤں رکھا اور کہا۔

’اے گریڈ ماسٹر! یہ ہے تمہاری کل شجاعت اور تیغ زنی کی مہارت جو کافی دیر سے تمہارے اندر احمقانہ کھولن پیدا کیے ہوئے تھی۔ اے گریڈ ماسٹر میں ضرور تجھے چھوڑ دیتا اور تیری جان بخشی کر دیتا ہر میرے آقا تیمور نے مجھ پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں تمہاری گردن کاٹ دوں، لہذا میں تیری گردن کاٹتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے گمراہی اور گریڈ ماسٹر کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

گریڈ ماسٹر کے نور الدین کے ہاتھوں مارے جانے پر ویٹولڈ کے لشکر میں ایک وحشت آمیز سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ جب نور الدین اپنے گھوڑے پر سوار

ہو کر واپس جا رہا تھا۔ اس موقع پر خیموں کے پاس کھڑی نائیا نے اپنے باپ یوگرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے باپ اس نور الدین نے تو گرینڈ ماسٹر کو بڑی آسانی کے ساتھ تریتخ کر کے رکھ دیا ہے۔“

یوگرین مسکرایا اور بولا۔ ”اے میری بیٹی! تو نے نور الدین کی صلاحیتوں کا گرینڈ ماسٹر کے مقابلے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ جب کہ مجھے اُمید تھی کہ نور الدین گرینڈ ماسٹر کو زیر کر لے گا۔ دیکھو بیٹی! نور الدین اپنے لشکر کی طرف آ رہا ہے آؤ اسے اس فتح پر مبارکباد دیں۔“

نور الدین اس جگہ آ رہا تھا جہاں قلعہ اور اید کو کھڑے ہوئے تھے۔ اید کو اور قلعہ پہلے نور الدین کو گلے لگا کر ملے پھر اس فتح پر مبارک باد دی۔ اتنی دیر تک یوگرین بھی قریب آیا اور نور الدین سے گلے ملے ہوئے اس نے مبارک باد دی۔ پھر حسین نائیا نور الدین کے سامنے آئی اور اپنی رس، مٹھاس اور شہد گھولتی آوازیں اس نے کہا۔ ”اے امیر! گرینڈ ماسٹر جیسے تریتخ زن کو زیر کرنے پر میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔“

نور الدین نے نائیا کو کوئی جواب نہ دیا اور انتہائی سنجیدہ انداز میں اس کی گردن جھک گئی تھی۔ نائیا کو قطعاً نور الدین سے ایسے رویے کی اُمید نہ تھی۔ نور الدین کے جواب نہ دینے نے اسے مایوس کر دیا تھا اور وہ نا اُمید سی ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دشمن چونکہ اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ لہذا یوگرین اور نائیا لشکر کے پیچھے پڑاؤ کی طرف چلے گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دشمن کے لشکر میں طبلِ جنگ بجنے لگے تھے اور پھر ویٹولڈ کا لشکر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ اس موقع پر اید کو اور قلعہ نے رازداری کے ساتھ ان سے سرگوشی کرتے ہوئے انہیں کچھ سمجھایا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

ویٹولڈ کا لشکر ایک خاص دھن میں طبلِ جنگ بجاتا ہوا جب کافی آگے بڑھ آیا تو نور الدین نے اس موقع پر اپنی تلوار فضا میں بلند کی۔ پس اس تلوار کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ نور الدین، اید کو اور قلعہ کے لشکر کی طرف سے صلیبی لشکر پر ایسی تیز اور

ہوناک تیروں کی بارش کی گئی اور اس طوفانی تیر اندازی سے ویٹولڈ کے لشکر کی اگلی کئی صفیں اُدھر ٹکڑے ہو گئی تھیں۔

ویٹولڈ اور اس کے جرنیل تیر اندازی کے باعث جو لشکر مارے گئے تھے، ان کی جگہ اور لاکر اگلی صفیں دوبارہ منظم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ نور الدین نے اپنے متحدہ لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ اب سامنے کی طرف سے نور الدین، بائیں طرف سے ایدک اور دائیں جانب سے قتلح حملہ آور ہوا تھا۔ سامنے کی طرف سے نور الدین نے ایسے زور کا حملہ کیا جیسے کسی نادیدہ سمادی بلا یا تیرگی کے کسی محرم راز نے حملہ آور ہو کر ایک طوفان برپا کر دیا ہو۔

نور الدین کے اس حملے سے صلیبیوں کی حالت بھولتے نام، ٹوٹتے رشتوں بھاگتی شام، ڈوبتے چاند اور ٹوٹتی لہروں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ نور الدین کے اس حملے نے ویٹولڈ کی نگاہوں میں ٹوٹتے آئینے اور خواہشوں کے آگینے توڑ کر رکھ دیئے تھے۔

بائیں طرف سے ایدک نے بڑی بے باکی کے ساتھ حملہ آور ہو کر صلیبیوں پر ڈاؤنی سرکوشیاں، رسوائیوں کے آنچل محرومیوں سے آہٹری صورتیں پھیلا کر رکھ دی تھیں۔ وہ سنان دوپہر کے آوارہ جھونکوں کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہو کر دشمن کے اندر گھسنے لگا تھا۔ قتلح کا حملہ بھی قابل دید تھا۔ وہ تکبیریں بلند کرتا ہوا اس انداز میں حملہ آور ہوا تھا جیسے سوکھے پتوں سے کھیلتی اور شور مچاتی ہوئی طوفانی ہوائیں کسی کو روج کی چیخوں اور دل کی جلن میں مبتلا کر کے رکھ گئی ہوں۔

ویٹولڈ نے اپنے لشکر کو سنبھالا لیکن اتنی دیر تک نور الدین، ایدک اور قتلح نے اس کے لشکر کے ایک بڑے حصے کی حالت بے سہارا امیدوں، طعنہ دل کی کھولن، خواہشوں کی راکھ، اشکِ ندامت، چپ سگتے اُفق اور ظلمتِ غم جیسی کر کے رکھ دی تھی۔

اب جس جس طرف سے بھی نور الدین، ایدک اور قتلح حملہ آور ہو رہے تھے،

ویٹولڈ کے لشکر کی صفوں کی کیفیت اس بوسیدہ تفصیل جیسی ہوتی چلی گئی تھی جسے جگہ جگہ توڑ کر اس میں شکاف کر دیے گئے ہوں۔ پھر مسلمان صلیبیوں پر عکس سحر، نوحہ کننا، ہتھکڑیاں، شب بھر اور آندھیوں کے نالہ و فریاد کی طرح چھاتے چلے گئے تھے۔

یورپ والوں کا تین اطراف سے قتل عام شروع ہو گیا تھا اور ان کی حالت ایسے ہی ہو گئی تھی جیسے بلوط کے جنگل میں اچانک آگ لگ گئی ہو یا سنان فضاؤں کے گہرے سکوت کے اندر گندھک پھٹ پڑی ہو۔ ویٹولڈ اور اس کا لشکر زیادہ دیر تک نور الدین، ایدک اور قتلک کے حملوں کا دباؤ برداشت نہ کر سکے۔ پہلے ویٹولڈ کے لشکر میں نظمی کے آثار نمودار ہوئے، پھر اگلی صغیریں درہم برہم ہو کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگیں۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے ویٹولڈ نے خود اپنے لشکر کو بھاگ کر جان بچانے کا حکم دے دیا تھا۔ اب بھاگنے میں ویٹولڈ اور اس کے جرنیل سب سے آگے آگے تھے اور ان کے لشکر کی ان کے پیچھے تھے۔

نور الدین، ایدک اور قتلک نے ویٹولڈ کا تعاقب کیا اور یہ تعاقب ویٹولڈ کے علاقوں کے پولینڈ کی سرحدوں تک جاری رہا۔ اس طویل تعاقب کے دوران اسمالنسک اور گیلٹیا کے بڑے بڑے جرنیل اور نواب مارے گئے۔ ویٹولڈ کا دو تہائی لشکر تہ تیغ کر دیا گیا اور پولینڈ تک اس کی مملکت کو روند کر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد نور الدین ایدک اور قتلک لوٹے اور دشمن جو مال و متاع چھوڑ بھاگا تھا وہ سمیٹنے لگے تھے فلسطین سے باہر اہل یورپ کو صلیبی جنگوں کی یہ بدترین شکست تھی۔





ایران میں چونکہ منصور نام کے ایک ایرانی شہزادے نے تیمور کے خلاف طاوت کردی تھی اور ایران پر تیمور نے اپنی طرف سے جن شہزادوں کو حاکم مقرر کیا تھا۔ منصور نے انہیں زیر کر لیا تھا اور اس منصور نے اصفہان اور شیراز دونوں شہروں کو اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنا لیا تھا۔ لہذا تیمور ایک جبرائشکر کے ساتھ منصور کی سرکوبی کرنے کے لیے سمرقند سے روانہ ہوا اور اس روانگی کے وقت اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرا حصہ اپنے بیٹے شاہرخ کی لامذاری میں دیا۔ جب کہ تیسرا حصہ امیر تیمور کے پوتے محمد سلطان کے پاس اور چوتھے حصے کا سالار امیر تیمور کا دوسرا پوتا اور محمد سلطان کا بھائی پیر محمد تھا۔

یوں اس لشکر نے ایرانی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے سمرقند سے کوچ کیا۔ ایرانی سرحد کے قریب اس لشکر پر جو پہلی افتاد پڑی وہ یہ بھی کہ راستے میں ایک بہت بڑے گروہ لے بھگد کے بھیڑیلوں کی طرح تیمور کے لشکر پر حملہ کر دیا اور یہ حملہ آور سبشیش کے نشے میں بڑی طرح دھست تھے لیکن جواب میں تیمور بھی ان پر ایسی خونخواری اور بے باکی سے حملہ آور ہوا کہ اس سارے گروہ کو اس نے تریغ کر دیا اور ان لوگوں کے کوہستانی نشیمن کو بھی اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ خیشیشین کے اس گروہ کا صفایا کرنے کے بعد تیمور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

دوسری طرف منصور کو جب تیمور کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ کوئی زیادہ فکر مند نہ ہوا اس لیے کہ وہ تیمور سے ایسی ہی توقع رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا اور تیمور سے مقابلہ کرنے کے لیے اس نے ایک ہزار لشکر تیار کر لیا ہوا تھا۔ پس تیمور کا مقابلہ کرنے کے لیے منصور نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ منصور نے اپنے پاس رکھا اور ایک گھات میں بیٹھ گیا تاکہ کسی مناسب موقع پر وہاں سے نکل کر وہ تیمور پر حملہ آور ہو سکے جب کہ اپنا دوسرا آدھا لشکر اپنے ایک نائب کی کمانداری میں دے کر اس نے قلعہ سفید کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ تیمور کی راہ روکے۔

یہ سفید نام کا قلعہ ایران کے قدیم پہلوان رستم کا تھا اور ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ یہ قلعہ ایک بلند کوہستانی چوٹی پر واقع تھا اور اس کے اندر داخل ہونے کا بھی صرف ایک ہی راستہ تھا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسے وسیع میدان پر بنا ہوا تھا۔ جس کی لمبائی اور چوڑائی تین تین میل تھی اور یہاں دریا اور چشموں کے علاوہ مزروعہ زمین تھی۔ اور پرندوں کی ہنات تھی۔

ایران کا سابق حکمران زین الدین جسے منصور نے معزول کر کے اندھا کر دیا تھا وہ بھی اسی قلعے کے اندر محبوس تھا۔ یہ قلعہ چونکہ پہاڑ کی بندی پر تھا جس کے اطراف میں خطرناک قسم کی ڈھلانیں تھیں۔ لہذا یہ قلعہ ہر طرح کے خطرات اور غدشات سے محفوظ خیال کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ ان خطرناک ڈھلانیوں ہی کے باعث اس قلعے پر منجیقوں کے ذریعے پتھر بھی نہ پھینکے جاسکتے تھے اور نہ ہی اس کو ہتائی سلسلے کے اندر سرنگیں کھود کر آگے بڑھنا ممکن تھا۔ اسی لیے کسی بادشاہ نے آج تک اس قلعے کا محاصرہ تک کرنے کا خیال نہ کیا تھا اور پھر اس قلعے کی طرف جانے والے راستے اس قدر تنگ اور دشوار گزار تھے کہ ان راستوں کے ذریعے قلعہ شکن آلات اوپر نہ لے جائے جاسکتے تھے اور اوپر جانے والے راستے ایسے تنگ تھے کہ صرف تین آدمی با سانی تین ہزار کے لشکر کو اوپر چڑھنے سے روک سکتے تھے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا اور

ان ہی بنیادوں پر منصور نے اپنے آدھے لشکر کو تیمور کی راہ روکنے کے لیے اس قلعے میں متعین کر دیا تھا۔ منصور نے اپنی طرف سے تیمور کی راہ روکنے کے لیے یہ بہترین قدم اٹھایا تھا۔
 دفاع کے ان قدرتی وسائل کے علاوہ ایرانیوں نے اس قلعے کے اوپر سر موٹے پیر مضبوط اور سنگین برج بھی تعمیر کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں زرعی پیداوار، مویشی اور پرندے اس قدر زیادہ تھے کہ ان ہی سے قلعے میں رہنے والوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی تھیں اور فاقول کی بنا پر انہیں اطاعت کر لینے پر مجبور نہ کیا جاسکتا تھا اور اس سفید نام کے قلعے سے متعلق یہ گمان کیا جاتا تھا کہ اس قلعے کے اندر رہنے والوں کو صرف موت ہی زیر کر سکتی ہے۔

گو یہ قلعہ بظاہر ناقابل تسخیر لگتا تھا لیکن تیمور نے بھی شاید اسے فتح کر لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اس لیے کہ جس روز اپنے لشکر کے ساتھ تیمور اس قلعے کے پاس پہنچا۔ اس روز ہی اس نے اس پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ تیمور نے اپنا پڑاؤ اس قلعے کے عین سامنے ایک پہاڑی کے اوپر بنایا اور نیچے تلھٹی میں اس نے اپنے عسکر کو بھیلایا دیا تھا۔

تیمور نے جب اس قلعے پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تو اس کا لشکر جنٹیوں کی طرح قلعہ سفید کی طرف چڑھنے لگا تھا۔ لیکن اس جگہ جا کر اس کے عسکر رک گئے جہاں سے اوپر جانے کے لیے عمودی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ یہاں سے تیمور نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر قلعے کی طرف بڑھیں اور قلعے کے اطراف کے حفاظتی برجوں پر حملہ کر دیں۔

جس وقت تیمور کے لشکریوں نے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے اتر کر اوپر چڑھنا شروع ہوئے تو قلعے کے اوپر سے بھی اس کا ردِ عمل ظاہر ہوا اور وہ اس طرح قلعے کی طرف سے تیز اور طوفانی انداز میں تیر اندازی کی گئی تھی جس کے باعث اوپر چڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ بہر حال تھوڑے تھوڑے وقفے سے تیمور کے تاتاری سپاہی اپنے غروں کے شور میں اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے لیکن اوپر سے برستے تیر اور وزنی لوکیلے

پتھرائی کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔

شام تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن کچھ بھی نہ بن سکا اور لشکر کو ناکام و نامراد نیچے
 دادی میں اترنا پڑا اور جس وقت اُدپر سے تیر اندازی اور سنگ باری کے باعث مرنے والوں
 کی لاشیں اُتاری گئیں تو شکاریوں کے چروں پر تو فکرت و ترقود کے آثار تھے لیکن تیمور کے
 چہرے پر انتقام کے الاؤ بھر دک اُٹھے تھے۔

اپنے مرنے والے سپاہیوں کی لاشوں کو دفن کرنے کے بعد جب تیمور فارغ ہوا
 تو ایک سوار تیزی سے اپنا کھوٹا دوڑاتا ہوا اس کی طرف آیا تیمور نے اسے پہچان لیا۔ اس
 لیے کہ وہ سوار ان ناظرین میں سے ایک تھا جنہیں اس نے نور الدین کے حالات سے متعلق
 باخبر رکھنے پر مامور کیا ہوا تھا۔ وہ ناظر جب قریب آیا تو اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی تیمور
 نے اس کے پُرسرت چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پُر امید لہجے میں پوچھا۔ کیا نور الدین کی
 طرف سے تم میرے لیے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔

اس ناظر نے اور زیادہ قریب آ کر کہا۔ اے آقا! میں آپ کے لیے ایک خوش کن
 خبر لے کر آیا ہوں۔ اے آقا! امیر نور الدین نے پہلے ایک انفرادی مقابلے میں یورپ کے گریٹ
 ماسٹر کی گردن کاٹ کر رکھ دی اور پھر کھلے اور وسیع میدانوں کے اندر ایک بھیاں لگا اور بولٹاک
 جنگ کے بعد ویٹولڈ کو بدترین شکست دی اور نہ صرف شکست دی بلکہ پولینڈ کی سرحدوں
 تک اس نے ویٹولڈ اور اس کے لشکر کا ایسے غضب ناک انداز میں تعاقب کیا جس طرح
 بھوکے بھیڑیے گونہروں کے غول کا تعاقب کرتے ہیں۔ پولینڈ تک ویٹولڈ کا بچھا کرنے
 کے بعد امیر نور الدین پلٹے اصاب وہ آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور جس رفتار سے
 وہ سفر کر رہے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے انہوں نے اس طرف اپنا سفر جاری رکھا تو مجھے
 امید ہے کہ دو ایک روز تک وہ یہاں آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

تیمور نے بے پناہ خوشی کے اظہار میں کہا۔ اے نور الدین! تو نے گریٹ ماسٹر
 کو انفرادی مقابلے میں نہ صرف زیر کیا بلکہ اس کی گردن کاٹ دی۔ اے نور الدین! بخدا
 تو اس قابل ہے کہ تجھے ایک نیک نوا اور اکلوتے بیٹے کی طرح چاہا جائے۔ اے نور الدین!

تو یقیناً ایک ایسا بریل ہے جس پر برصیدیت اور ہر ضرورت کے وقت میں بھروسہ کر سکتا ہوں۔ نور الدین سے متعلق اس قدر کہنے کے بعد تیمور مسکراتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔ دوسرے روز تیمور نے پھر اپنے لشکر کو اس قلعہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اب اس نے ایک اور طریقہ اپنایا۔ اس نے اپنے لشکریوں کو چھینیاں مٹیا کر دیں اور نیچے دلوں میں اس نے اپنے سارے نقارے جمع کر دیے تھے اور جب حملہ شروع ہوا تو نقاروں پر چوچیں پڑنے لگیں تاکہ سپاہیوں کے اندر ایک جوش اور جذبہ پیدا ہوتا رہے اور اسی جذبے اور خون میں لشکری چھینیوں سے چٹانوں پر ضربیں لگا کر اور راستہ بناتے ہوئے چڑھنے لگے تھے۔ گزشتہ دن کی طرح آج بھی ایرانی کوہستان کے اوپر سے تپسور تپسوروں کی بارش کر رہے تھے لیکن تیمور کے سپاہی اپنے سردوں پر ڈھالیں رکھ کر اپنے اپنے کام میں مصروف رہے اور قلعے کے ایک برج کو هدف بنائے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔ اچانک کوہستانوں کے اوپر ایک آواز بلند ہوئی۔ امیر فتح مند ہوا اور اس کے سامنے ایرانی زیر ہو گئے۔

تیمور اور اس کے سارے لشکریوں نے دیکھا۔ یہ اعلان مشہور سالار آق بوغا کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تقریباً دو سو فٹ کی بلندی پر چٹانوں کے اوپر ایک کوہستانی چوٹی پر اس راستے کے قریب تھا جو قلعے کے اوپر جاتا تھا۔ تیمور آق بوغا کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا اور اپنے بیٹے شاہ رخ کو اس سمت سے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔

اب آق بوغا اس ایرانی برج پر تیر برسانے لگا تھا جو اس سے قریب ہی تھا۔ اس دوران شاہ رخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور ایرانی فوج کی طرف پیش قدمی شروع کر دی گئی۔ پھرتا تارای اس راستے سے بادلوں کے اندر گھس جانے والی شفقت بھلتی روٹھیوں اور دبیز سیاہیوں میں صبح کی کرن کی طرح بڑھتے چلے گئے تھے۔ تاتاریوں کو اب وہ راستہ ہاتھ آ گیا تھا جس کے ذریعے وہ کوہستان کے اوپر جاسکتے تھے۔

ایرانی بھی جان گئے تھے کہ تاتاری اوپر آنے والے راستے پر قابض ہو گئے ہیں۔ لہذا انہوں نے سنگ باری اور تیر اندازی میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی تھی۔ لیکن

تاتاریوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور ڈھالیں سروں پر رکھے وہ آگے بڑھتے رہے۔ پھر لمحہ بہ لمحہ ایرانی بیستنی اُٹاس شام، صعوبتوں کے سلسلے، سلگتی تپش، شدت فراق، بے اساس امیدوں اور دائمی تھکن کا شکار ہوتے دکھائی دینے لگے تھے۔ جب کہ دوسری طرف تاتاری اپنے حوصلے بلند رکھے ہوئے تھے اور وہ سرکشی پر چھائیوں، تباہی کے تارنا بوسوں، غم کی یلغار، برق کے طوفان، گونگے ساگروں کی طرح بڑھتے چلے آ رہے تھے، اس سے ان کی آنکھیں فتح کی امیدوں کے باعث بو جھل تھیں اور ان کی سفاک تلواروں کی دھار راستے میں آنے والی ہر شے کو ریگ صحرا کی طرح اڑا آتی چلی جا رہی تھی۔

دوسری طرف منصور بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس قلعے کے قریب ذرا فاصلے پر پڑاؤ کر کے گھات میں بیٹھ گیا تھا۔ اُسے امید تھی کہ تیمور اس قلعے کو فتح نہ کر سکے گا اور جب وہ اپنے تاتاری لشکر کے ساتھ یہاں سے ناکام و نامراد لوٹے گا تو وہ اس کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے گا تاکہ تیمور کو پھر کبھی ان سرزمینوں کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہو لیکن قدرت شاید کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔ آخر کار شاہ رخ کے زوردار حملوں نے ایرانیوں کو سامنے والا برج خالی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب تاتاریوں کے لیے کوہستان کے اوپر چڑھنا آسان ہو گیا تھا۔ پہلا برج فتح کرنے کے بعد شاہ رخ نے اس برج کے اوپر اپنا علم گاڑ دیا تھا۔ نیچے وادی میں تیمور کی ہدایت پر ابھی تک نقاروں کی جنگی جنون طاری کرنے والی دھنیں سنائی دے رہی تھیں۔

ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کا ایک برج ان کے ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور یہ کہ تھوڑی دیر تک تاتاری لشکر یلغار کرتا ہوا اوپر پہنچ جائے گا تو انہوں نے قلعے کو خالی کر دیا اور کوہستان کی دوسری سمت سے نیچے اتر کر وہ منصور کے لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح جب شاہ رخ طوفانی انداز میں اپنے لشکر کے ساتھ پہاڑ کے اوپر قلعہ سفید میں آیا تو قلعہ خالی پڑا تھا اور ایرانی وہاں سے بھاگ چکے تھے۔ یوں قلعہ سفید تاتاریوں کے

لے اس جنگ میں ان گنت ایرانی مارے گئے اور اس قلعے کا کماندہ (باقی صفحہ ۱۱۵ پر)

ہاتھوں فتح ہو گیا اور ایرانیوں کو ناقابلِ تلافی انفرادی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔
 اس جنگ میں فتح مندی کے بعد جب قلعہ سفید پر قبضہ ہو گیا اور تیمور
 کا لشکر نیچے وادی میں جمع ہوا تو تیمور نے آق بونغا کو طلب کیا۔ کیوں کہ یہ فتح اس کی جرأت
 مندی کے باعث ہوئی تھی۔ جب آق بونغا کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو تیمور اس بہادر
 سے گلے لگا کر ملا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اے آق بونغا! چونکہ یہ فتح تیری جرأت اور شجاعت کے باعث ہے۔ لہذا
 میں تجھے ایسے انعامات سے نوازوں گا جو تیری جوانمردی کے شایانِ شان ہوں۔“

پس تیمور نے آق بونغا کو چاندی کے سکے، ریشمی کپڑے، زربفت کے
 تھان، نیمے، حسین و جمیل کنیزیں، گھوڑے، نچر اور اونٹ اتنی تعداد میں دیے، کہ
 آق بونغا بوکھلا سا گیا تھا۔ اور جب یہ سارے انعامات وصول کرنے کے بعد وہ تیمور
 کے پاس سے ہٹا اور لوگ اسے ان انعامات پر مبارک باد دینے لگے تو آق بونغا نے
 جواب میں کمال سادگی کے ساتھ کہا۔

”خدا شاہد ہے، کل تک میرے پاس صرف ایک گھوڑا ہی تھا اور آج مجھے
 یقین نہیں آ رہا کہ میرے پاس اس قدر سامان ہو گیا ہے۔“

ان انعامات کے علاوہ تیمور نے آق بونغا کو ترقی دے کر اپنے پوتے محمد سلطان کے
 لشکر میں لشکر کے عقبی حصّوں کا کماندار بنا دیا تھا۔ اس طرح تیمور نے ایک لشکر کی کو اس کی
 جرأت مندی کا خوب صلہ دیا۔ اور آق بونغا اپنی موت تک اس منصب پر قائم رہا۔
 قلعہ سفید پر قبضہ کرنے کے بعد جب تیمور کو یہ اطلاع ملی کہ قلعے کا محافظ لشکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴) بھی جنگ میں کام آیا اور اس کی لاش کپڑوں کی ایک گٹھڑی کی صورت میں تارایوں
 کے ہاتھ لگی۔

۱۷ اس جنگ کے بعد آق بونغا نے کبھی تیمور کی طرف پیٹھ نہ کی اور مرتے وقت اس نے وصیت کی
 کہ مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرے پاؤں تیمور کے محل کی طرف ہوں (باقی صفحہ ۱۱۶ پر)

دوسری طرف سے اُتر کر منصور کے لشکر سے جا ملا ہے اور یہ کہ منصور اس متحدہ لشکر کے ساتھ شیراز کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ وہاں جا کر اپنے لشکر کی قوت و تعداد میں اضافہ کرے اور کسی مناسب مقام پر تیمور کا مقابلہ کرے۔ تیمور اس منصور کو یوں آسانی سے بھاگ کر شیراز کی طرف چلے جانے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے منصور کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

تیمور نے اپنے دونوں پوتوں محمد سلطان اور پیر محمد کو لشکر کے میزبان اور مسیرہ حصول کے ساتھ وہیں چھوڑا اور اپنے بیٹے شاہرخ کو لے کر اس نے باقی لشکر کے ساتھ منصور کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ منصور کو بھی اطلاع مل گئی تھی کہ تیمور اپنے بیٹے کے ساتھ اس کے تعاقب میں لگ گیا ہے۔

اس تعاقب کے دوران منصور اپنے لشکر کے ساتھ ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرا جس کے کچھ بزرگ اور بوڑھے بستی سے باہر کھڑے تھے۔ منصور کے ذہن میں نہ جانے کیا سمجھا کہ اس نے اپنے لشکر کو وہاں روک دیا اور ان بوڑھوں کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔ ”کیا تم لوگ مجھے بتا سکو گے کہ شیراز کے باشندے تیمور اور منصور کی اس جنگ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“

منصور نے ان سے یہ سوال اس بنا پر کیا تھا کہ وہ بستی شیراز کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ لہذا وہ لوگ شیراز شہر کی ساری خبریں رکھتے تھے۔ ان بوڑھوں میں سے ایک نے منصور کو مخاطب کر کے جواب میں کہا۔

”شیراز اور اس کے گرد و نواح کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ منصور اور اس کے لشکر جو بھاری بھاری تلواریں اٹھائے پھرتے ہیں اور جن کے پاس وزنی تیر ہیں وہ اپنے بوی بچوں کو پیچھے چھوڑ کر اس طرح بھاگے ہیں جس طرح بکریاں بھیرلیوں کو دیکھ کر بھاگ

(النبہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) اپنی زندگی میں سوتے وقت بھی وہ تیمور کے محل کی طرف اپنے پاؤں رکھنے لگا تھا۔ تاکہ تیمور کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

اُٹھتی ہیں۔“

منصور کے لیے یہ طعنہ ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ لہذا لوگوں کے اندر اپنی سچائی بحال کرنے کے لیے اس نے تیمور کے ساتھ ٹکڑا جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ منصور جانتا تھا کہ تیمور اس کے تعاقب میں چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو وہیں سے واپس موڑا اور جنگ کے لیے ایک مناسب جگہ پر وہ تیمور اور اس کے لشکر کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تیمور جب اس جگہ پہنچا جہاں منصور اپنے لشکر کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھا تھا تو اچانک اپنی اس کمین گاہ سے نکل کر منصور نے اس پر حملہ کر دیا تھا اور یہ حملہ ایسا تھا کہ منصور نے تیمور کے لشکر کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور ایک بار اس نے تیمور کے لشکر کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ گو اس حملے کے وقت تیمور اپنے لشکر کے عقبی حصے میں تھا لہذا اس نے بھی اس حملے کی سختی کو بُری طرح محسوس کیا تھا تیمور اس حملے کی وجہ سے اپنی جگہ پریشان اور پرانگندہ سا کھڑا تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کے دائیں پہلو سے ایک اور لشکر نمودار ہوا۔ اس لشکر کا سردار اس کے آگے آگے تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرا رکھا تھا لہذا تیمور اسے پہچان نہ سکا تھا۔

اس نئے آنے والے لشکر کے سردار نے منصور کے لشکر پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جہاں تھوڑی دیر قبل تک منصور کا لشکر غالب آتا دکھائی دے رہا تھا وہاں اب نئے لشکر کے حملہ آور ہونے کے باعث منصور کے لشکر کی اپنی جانیں بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ منصور نے جب دیکھا کہ اس نئے حملہ آور کی وجہ سے اس کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئی ہیں تو اس نے ایک نئی اور انوکھی تدبیر اپنائی۔ اپنے لشکر کے عمدہ ترین سپاہیوں پر مشتمل اس نے فی الفور ایک نیا لشکر ترتیب دیا اور اس لشکر کے ساتھ ایک مختصر ترین چکر کاٹتا ہوا وہ تاتاری لشکر کی پشت پر

لے تاتاریوں میں اس طعنے کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

نمودار ہوا تھا۔

منصور کا ارادہ یہ تھا کہ تیمور پر ایک زوردار حملہ کر کے وہ تیمور کو قتل کر دے اور اس کے قتل ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کی فتح یقینی ہے بلکہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاتاریوں کی ترکتاز اور یلغار سے نجات مل جائے گی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے منصور اپنے اس نئے لشکر کے ساتھ طوفانی انداز میں مار دھاڑ کرتا ہوا تاتاری لشکر کی پشت پر اس جگہ پہنچا۔ جہاں پر تیمور اپنے محافظ دستوں کے ساتھ۔ تیمور اس وقت اپنے محافظ دستوں کے درمیان نئے حملہ آور ہونے والے لشکر کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا۔ اسے منصور کے اس طرف آنے کی توقع تک نہ تھی اور نہ ہی وہ اس طرف متوجہ تھا جس سمت سے منصور حملہ آور ہوا تھا۔

منصور نے آن کی آن میں تیمور کے ارد گرد بھیلی سپاہ اور اس کے محافظ دستوں کو اپنے لشکر کے ساتھ الجھا کر رکھ دیا اور خود وہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ ایک طرح سے سر پر کھن باندھ کر تیمور کے سر پر جانمودار ہوا۔ اب تیمور کے اطراف میں تاتاری اور ایرانی ہونناک انداز میں برسر پیکار ہو چکے تھے۔ منصور جب اچانک تیمور کے محافظوں کو تہ تیغ کرتا ہوا عین تیمور کے سامنے نمودار ہوا تو تیمور بوکھلا کر رہ گیا۔ تیمور اپنا ہاتھ فوراً پیچھے لے گیا تاکہ اپنے اس نیزہ بردار سے نیزہ لے جو ہر وقت تیمور کے ساتھ رہتا تھا لیکن تیمور کو مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ ایرانی اس نے نیزہ بردار کا پہلے ہی خاتمہ کر چکے تھے۔ لہذا اس کا نیزہ بردار اپنی جگہ پر نہ تھا۔ اس موقع پر تیمور بُری طرح مایوسی اور غدشات کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔

نیزہ بردار کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد تیمور فوراً اپنی تلوار بے نیام کر کے منصور کے مقابلے میں مستعد ہو جانا چاہتا تھا۔ پر اس کے تلوار نکلنے سے قبل ہی منصور نے اپنی تلوار کا وار کر دیا تھا۔ تیمور کی گرفت میں ڈھال بھی نہ تھی لہذا منصور کے اس وار سے بچنے کے لیے اس نے اپنا سر آگے کر دیا اور منصور کے وار کو اس نے اپنے آہنی خود پر لیا۔ منصور کی تلوار تیمور کے فولادی خود سے ٹکرائی اور پھر پھسل کر

ہمد کی زرہ پر جا لگی اور چونکہ تیمور کی زرہ مضبوط کڑیوں کی بنی ہوئی تھی لہذا تیمور کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔

ایک دفعہ وار کرنے کے بعد منصور نے دوسری بار تیمور پر وار کیا۔ شاید وہ ہر صورت میں تیمور کو موت کے گھاٹ اُتارنا چاہتا تھا۔ پر دوسری بار بھی تیمور نے اس کی تلوار کو اپنے خود پر روک دیا تھا۔

منصور تیموری بار تیمور پر وار کرنا چاہتا تھا کہ تیمور کے ایک محافظ نے اپنی لہال تیمور کے سامنے کر دی اسے بچا لیا۔ اتنی دیر تک ایک اور محافظ بھی حرکت ہی آیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو تیمور اور منصور کے درمیان حائل کر دیا تھا۔ اب تیمور کو کچھ ہوش آیا اور اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا اس کے ارد گرد پہلے اس کے محافظ دستوں اور دیگر سپاہیوں پر ایرانی تقریباًًً غالب آچکے تھے۔ اس موقع پر منصور نے بھی اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا اور جب اس نے دیکھا کہ ایرانی بچے کچھ تاناریوں کا صفایا کرنے میں مصروف ہیں تو اس نے وحشیانہ انداز میں زور سے ایک لہو مارا تاکہ اس کے لشکر ہی اس کی طرف متوجہ ہوں۔ انہیں احساس ہو کہ منصور زندہ ہمدان کے ساتھ ہے اور اس احساس کے تحت وہ اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

تیمور کو اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کے چاروں طرف ایرانی پھیلے ہوئے تھے اور اب اسے اپنے بھاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ اس موقع پر تیمور اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب ڈال کر بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حالات نے اچانک پلٹا دکھایا اور تیمور وہاں ستون کی طرح جم کر رہ گیا تھا۔ تیمور نے دیکھا ہمدان کے دوران منصور پر جو نیا لشکر حملہ آور ہوا تھا اس لشکر کا سردار اپنے چند دستوں کے ساتھ طوفانی انداز میں ایرانیوں کا صفایا کرتا ہوا تیمور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تیمور اب بھی بے پہچان نہ سکا تھا اس لیے کہ وہ اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرائے ہوئے تھا۔ تیمور نے اپنے چہرے پر گرہ لایا ہوا خود کا آہنی نقاب ہٹا دیا اور اب وہ نئے لشکر کے اس سردار کی

طرف بڑے انہماک اور توجہ سے دیکھنے لگا تھا ۔

تیمور نے دیکھا وہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ رقص کرتے پیاسے صحرا لہروں کی نوحہ گری ، ذہنوں کے الجھاؤ ، دلوں کی خستگی اور غرض حیات کی دیمک بن کر بڑھتا چلا آ رہا تھا ۔ وہ ایرانیوں پر طلسم و ہم اور زنگ کے غلاف کی طرح چھانا جا رہا تھا ۔ اس کے خوفناک حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے اس کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ پھلاؤں کے اور پھلپلیائیوں کے مسکن سے ہو ۔ وہ اپنے سامنے ایرانیوں کی حالت آبی پرندوں کے ٹوٹے پمروں ، ترستی ریت ، دائمی تھکن جیسی بناتا چلا آ رہا تھا ۔

تیمور بڑے انہماک سے اس سردار کی طرف دیکھے جا رہا تھا جو منصور کے لشکریوں کی نیت کی نثرانی ، ارادوں کی ناپاکی اور مقاصد کی خباثت کو روندتا ہوا ایرانیوں کے دلوں کا نوحہ ، ہنڑوں کی آہ ، آنکھوں کا آنسو اور غم کی سسکی بن کر رہ گیا تھا ۔

وہ سردار لمحوں کے اندر بھیر بھیر کراٹھتے بگولوں اور اُڈتے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہوتا اور اپنے سامنے منصور کے لشکریوں کو مدقوق ، مفلوج ، معذور ، محکوم ، مجبور اور لاچار کرتا ہوا تیمور کے قریب پہنچ گیا ۔ اس موقع پر منصور نے اپنے ارد گرد دڑتے لشکریوں کو جمع کیا اور آگے بڑھ کر اس نے اس سردار پر حملہ کر دیا تھا لیکن تیمور کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی ۔ جب وہ سردار کسی صحرا زاد اور نعرہ متان کی طرح ، روشنی کا ایک مینار اور گردشِ شام و سحر بن کر منصور پر چھا گیا ۔ اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے منصور کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی اور پھر وہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ جس طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا اور تیمور کے لشکر میں گھس کر وہ منصور کے بچے کھچے لشکریوں کا صفایا کرنے لگا تھا ۔

تیمور ابھی تک اس دور لڑتے اس سردار کو غور سے دیکھ رہا تھا ۔ اس موقع پر تیمور کی آنکھوں میں شکر کے آنسو تھے اور اس نے اس سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ۔

”اے اجنبی سردار ! میں نہیں جانتا تو کون ہے اور تیرا تعلق کون سرزمینوں سے ہے ۔ اے وفا شعار رفیق ! اے جاں نثار اجنبی ! مجھے معلوم نہیں تو کون ہے اور تیرا کیا حسب و نسب

ہے پر ان سب باتوں سے بے پرواہ و لائق ہو کر اے اجنبی! میں تجھے اپنا بیٹا کہہ کر پکارتا ہوں۔ اس موقع پر تیمور کی آنکھوں سے آنسو بڑی طرح بہہ نکلے تھے۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ بلند آواز میں کہا۔

اے اجنبی! تو نے موج و گرداب، شام کے جھپٹیلوں، وقت کے سانچوں، اور طلسمات کی بساطوں کی طرح دشمن پر چھا کر اس کی حالت لاشوں کی بستی جیسی کر دی ہے۔ اجنبی! قسم مجھے اپنے خداوند کی آج سے تو میرا بیٹا ہے۔ اے اجنبی! میں تجھے اپنے لشکر کے قلب کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ اے اجنبی! نہیں نہیں! اے میرے بیٹے!

تو نے دشمن کی حالت خون کی ٹھہری دھار، اشکوں کی خشک ندی، درد کے جنگل، ہو کے دیار، خوابوں کے دیرانوں، کشتِ بے رنگ اور سنسناں زندان جیسی کر کے رکھ دی ہے۔ تو نے عزم کوزہ گراں کی طرح دشمن کے شرق و غرب اور شمال و جنوب کو بہت دبا کر کے خون میں غرق کر دیا ہے۔ کاش! میری اپنی اولاد میں سے بھی کوئی تیرے جیسا ہوتا۔

تیمور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ ایک طرف سے اس کا بیٹا شاہ رخ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ قریب آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور وہاں پڑا ہوا منصور کا کٹا سر اس نے اٹھا کر اپنے باپ کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ جنگ اب ایک طرح سے ختم ہو چکی تھی کہ منصور کے لشکر کی اکثریت جنگ میں کام آچکی تھی اور جو کچھ باقی بچے وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔

تیمور نے چند ثانیوں تک اپنے پاؤں کے پاس پڑے ہوئے منصور کے سر کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو مخاطب کر کے کہا۔ اے فرزند! افسوس میں تیری طرف دھیان نہ دے سکا کہ تو کب آیا طرف آیا۔ میں دراصل اس اجنبی سردار کو دیکھ رہا تھا جس نے منصور کو قتل کیا اور لمحوں کے اندر میدان جنگ پر چھا کر اس نے دشمن کی حالت دیکتے دوزخ، شہر بے ضمیر، دکھی رُوحوں کے نوے اور قبرستان کی دیرانیوں جیسی کر کے رکھ دی ہے۔

اے شاہ رخ! میرے بیٹے! تو نے دیکھا اس اجنبی سردار نے اس جنگ کے اند کیا سماں باندھا۔ اس نے نہ صرف منصور کو قتل کر کے میری جان بچائی بلکہ اپنے بے کل لہروں جیسے حملوں سے اس نے ایرانیوں کی حالت سلگتی جان، مڑھ گماں، تابوت کی تنہائیوں اور درد کی تاریک فصیلوں جیسی کر کے رکھ دی۔

اے اجنبی! تیری عظمت تیری شجاعت کو سلام، اے اجنبی! تیری جان نثاری تیری سرفروشی کو سلام، تو عزم سے بھرپور امنگوں کی طرح حملہ آور ہوا اور شام کے تاریخی بادلوں اور خواب و سراب کی طرح دشمن پر چھا گیا۔ کاش میرے ساتھ میرا کوئی تعلق ہوتا۔ کاش! میں یہ جان سکتا کہ تیرے جیسے ہزیمتوں کی گنتی کو کامرانوں کی گنتی میں بدل دینے والے جوان کہاں اور کن سرزمینوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

شاہ رخ نے اس بار حیرت و استغمام میں پوچھا۔ "اے پدرِ محترم! آپ کس اجنبی کی بات کر رہے ہیں؟"

تیمور نے کہا۔ "وہی اجنبی جو عین جنگ کے عروج میں یہاں وارد ہوا اور منصور کو قتل کرنے کے بعد اس نے نہ صرف میری جان بچا کر مجھے حیاتِ نودی بلکہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ مدتوں کے سکے ہوئے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو کر ایرانیوں کے لیے اس رزم گاہ میں مڑھ لحوں کی رُحوں اور احساس کے ویران کھنڈرات کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔ اس نے اس وقت میری جان بچائی۔ جب میرے چاروں طرف ابلیس ی ابلیس ناچ رہے تھے۔ تو نے دیکھا شاہ رخ! اس اجنبی نے کیسے دشمن کے سامنے رہی غار اور شرر ہی شرر پھیلا کر اس کے خلاف جرم و سزا کے دائرے تنگ سے لے کر ترکہ کے رکھ دیے تھے۔"

اے شاہ رخ! جنگ کے اند اس اجنبی کی کارگزاری جب اپنے عروج اور انتہا بھی تو میں نے اپنے خداوند کی قسم کھا کر اس سے متعلق دو فیصلے کیے تھے۔ ایک یہ کہ اسے اپنا بیٹا بناؤں گا۔ دوم یہ کہ میں اسے اپنے قلب کا سالار بنا دوں گا۔

تیمور جب خاموش ہوا تو شاہ رخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اے پدرِ محترم!

وہ جس نے آپ کی جان بچائی، وہ جو دشمن پر لہو کی تازہ حرارت، رُوح کی وحشت اور سلسلہ کرب و فراق کی طرح حملہ آور ہوا تھا دشمن پر اس نے نچمڑے تھکڑوں، سیاہیوں کے عذاب اور اسیر وحشت صحرا کی سی کیفیت طاری کر دی تھی وہ کوئی جنبی نہیں ہے۔ اے میرے باپ! وہ تو نور الدین ہے، اپنا نور الدین۔“

تمیور چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے تعجب و حیرت خیز سے انداز میں کہا۔ اے شاہ رخ! میرے بیٹے! حیرت ہے کہ میں نور الدین کو نہیں پہچان سکا۔ پر اس میں میرا بھی کوئی دوش نہیں ہے۔ اس کے حملہ آور ہونے کا انداز ہی ایسا وحشیانہ اور بے باکانہ تھا کہ میں اسے پہچان نہیں پایا۔“

اے شاہ رخ! میں نے نور الدین کے حملوں میں ایک انوکھی سنجیدگی، تہذیب، راست بازی، شرافت اور حدود کی صداقتیں دیکھی ہیں۔ وہ ایسے جارحانہ مزاج کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ رہا تھا جیسے کوئی بھوکا شاہن طائروں کی ٹولیوں میں گھس پڑا ہو۔ اے شاہ رخ! مجھے یہ جان کر اور زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ دشمن کے صبر و جبر کو توڑ کر اسے دوسو سوں کے پر توستان میں ڈالنے والا یہ اپنا نور الدین ہے۔ اے شاہ رخ! میرے بیٹے! گواہ رہنا کہ میں نور الدین کو اس کی اس کارگزاری کے باعث اپنا بیٹا اور اپنے شکر کے قلب کا سالار بنا چکا ہوں۔“

شاہ رخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! آپ ایک عمدہ قدر و جوہر شناس ہیں۔ بخدا آپ نے نور الدین کو وہ کچھ دیا ہے جس کے وہ قابل ہے۔ میں ہمیشہ اس جیسے بھائی اور اس جیسے سالار پر فخر اور اس کی قدر کرتا رہوں گا۔“

شاہ رخ کے خاموش ہونے پر تمیور پھر بولا اور پوچھا۔ اے میرے بیٹے! تو نے کیسے پہچان لیا کہ وہ اپنا نور الدین ہے جب کہ وہ اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرائے ہوئے تھا اور میں تو اندازہ تک نہیں کر سکا کہ وہ نور الدین ہے۔“

تیمور کی اس گفتگو پر اور زیادہ کھل کر مسکراتے ہوئے شاہ رخ نے کہا - ”اے میرے یاپ! پہچان تو میں بھی اُسے نہ پایا تھا۔ میں تو اسے مل کر آ رہا ہوں۔ بخدا اس جنگ میں اس نے وہ کام سرانجام دیا ہے جو ہم میں سے کوئی بھی ادا نہ کر سکتا تھا۔ جس وقت اس جنگ کے دوران میں نور الدین سے بلا ہوں اس وقت آتی ہوں بھی وہاں تھا اور نور الدین کی اس کارگزاری پر وہ بھی کھل کر داد دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ میری قلعہ سفید پر جس کارگزاری کے باعث آقا تیمور نے انعام و اکرام سے مجھے نوازا تھا۔ نور الدین نے اس سرفروشانہ معرکے کے سامنے میں اپنی اس مستعدی کو حقیقہ و کم تر خیال کرتا ہوں۔“

اس موقع پر تیمور جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ خاموش ہو رہا اس لیے کہ نور الدین اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ان دونوں کی طرف آ رہا تھا اور اس وقت وہ اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹائے ہوئے تھا۔ ذرا فاصلے پر آ کر نور الدین اپنے گھوڑے سے ایک پرجوش چھلانگ لگاتا ہوا اتر گیا تھا۔

شاہ رخ ذرا بھاگ کر آگے بڑھا اور نور الدین کے کان میں کچھ سرگوشی کرنے لگا۔ شاہ رخ نے اسے ان فیصلوں سے آگاہ کر دیا تھا جو تیمور نے اس سے متعلق کیے تھے۔ شاہ رخ سے فارغ ہونے کے بعد نور الدین جب تیمور کی طرف بڑھتا تو اس موقع پر تیمور خود بھی مسکراتے ہوئے والہانہ انداز میں آگے بڑھا اور نور الدین کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا -

”اے نور الدین! میرے بیٹے! بخدا اس جنگ میں اپنی کارگزاری کے باعث تم نے مجھے خرید لیا ہے۔ تو نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میرے ان جرنیلوں میں سرفہرست ہوجن پر میں بد سے بدترین حالات میں بھی اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔“

نور الدین نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا - ”شاہ رخ! مجھے ان فیصلوں سے متعلق آگاہ کر چکا ہے جو آپ نے میرے متعلق کیے ہیں۔ اے آقا! میں آپ کا

منون ہوں کہ آپ نے مجھے اس قدر اہمیت دی ہے۔



نور الدین کی اس گفتگو کے جواب میں تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ اس کا ایک محافظ اس کے قریب آیا اور کہا۔ ”اے آقا! بغداد کے مفتی اعظم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے گفتگو کر چکا ہوں۔ انہیں بغداد کے سلطان احمد جلایر نے قیمتی تحائف کے ساتھ آپ سے ملنے کے لیے بھیجا ہے اور یہ ملاقات اس بنا پر ہے کہ آپ آنے والے دور میں بغداد کے سلطان احمد جلایر سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھیں۔“

وہ محافظ تفصیل کہہ چکا تو تیمور نے کہا۔ ”بغداد کے مفتی اعظم کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔“ وہ محافظ واپس چلا گیا اور جب وہ بغداد کے مفتی اعظم کو اپنے ساتھ لے کر واپس آیا تو تیمور نے آگے بڑھ کر بیٹے احترام اور عزت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ پھر کہا۔ ”اے میرے بزرگ! آپ ایک میدان جنگ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ جہاں اس پتھریلی زمین کے سوا بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کاش آپ میرے پاس سمرقند میں آئے ہوتے تو میں آپ کے شایان شان انتظامات کرتا۔“

جواب میں مفتی اعظم نے کہا۔ ”میں جو کچھ کہنے آیا ہوں وہ کھڑا ہو کر ہی کہہ لوں گا۔ میں یہ گزارش کر دوں کہ مجھے بغداد کے سلطان احمد جلایر نے خیر سگالی جذبات کے تحت آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔“

ابھی یہاں تک ہی گفتگو ہوئی تھی کہ امیر الامراء سیف الدین اور چند دوسرے برنیل اور امراء بھی وہاں آ جمع ہوئے تھے۔ ان کی آمد کی وجہ سے مفتی اعظم کو اپنی گفتگو روک دینا پڑی۔ سیف الدین پہلے نور الدین کو گلے لگا کر ملا۔ پھر دوسرے سالاروں اور امراء نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ اس نے بعد تیمور نے مفتی اعظم سے سب کا تعارف کرایا اور ان کی آمد کی وجہ بتائی۔ مفتی اعظم اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہے تھے۔

”اے سمرقند کے عظیم بادشاہ! مجھے بغداد کے سلطان احمد جلایر نے اس مقصد

کے تحت آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ میں آپ سے التماس کروں کہ سمرقند اور بغداد کے تعلقات دو بھائیوں جیسے رہنے چاہئیں۔ جہاں ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے ایران کو مکمل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ہے وہاں ہم آپ سے یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ آپ بغداد سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اور عالم اسلام کے لیے ماضی کی طرح بغداد کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا احترام کریں گے۔ میں آپ کے لیے اہل بغداد کی طرف سے سمرقند کے لیے پُر خلوص رہنے کی یقین دہانی لے کر آیا ہوں اور اہل بغداد سمرقند والوں سے بھی ایسے ہی جذبات کے خواہاں ہیں۔

تیمور نے کچھ سوچا پھر بولا۔ ”جہاں تک بغداد کی اسلام کے لیے مرکزی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کے لیے میں کہوں گا کہ یہ شہر اب ان دنوں کی طرح اسلامی دنیا کا مرکز نہیں رہا۔ جب ہارون الرشید اپنے وزرائے برآمدہ کے ساتھ وہاں اپنی رنگین اور الف لیلوی محافل گرم کیا کرتا تھا۔ گو اس شہر میں تاجروں اور زائرین کا اب بھی ایک جہم رہتا ہے۔ مگر حقیقت میں بغداد شہر اب دریائے دجلہ کے کنارے ایک لاش کی طرح اکڑا پڑا ہے۔ سو میں کہوں گا کہ اب اس شہر کی کوئی مرکزی حیثیت نہیں ہے جو میں اس کا احترام کروں۔ میں بحیثیت مفتی اعظم آپ کی عزت افزائی کرتا ہوں لیکن بغداد جب بھی بھی میرے راستے میں آیا۔ میں اس کا اور اس کے سلطان کا کوئی احترام نہ کروں گا۔“

مفتی اعظم بغداد کو تیمور نے ایسا جواب اس لیے دیا تھا کہ تیمور نصیحت رعوں اور نصیحت اعمال کی طرح پھیل کر اپنے آپ کو جنگیز خاں سے بھی بلندی پر وکھینچا جاتا تھا

اس دور کے بغداد سے متعلق علامہ ابن جریر لکھتے ہیں۔ ”اب بغداد میں پرانے دنوں کے مٹے ہوئے آثار اور آباءم رفتہ کے افسانے ہی رہ گئے ہیں اور جس طرح کسی حسین عورت کو گزری ہوئی جوانی کی یادیں ستایا کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ شہر بھی اپنے بڑھاپے میں کبھی کبھی آنکھوں سے دریائے دجلہ کو تکتا رہتا ہے جو کبھی آئینے کی (باقی صفحہ ۱۲۷ پر)

اپنی سلطنت کی وسعت کی خاطر وہ اپنے اس خبط اور جبر و ظلم کی پیاس کو ہوس کے صحرا کی طرح پھیلا دینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے مفتی اعظم بغداد کو کسی قسم کی یقین دہانی نہ کرائی تھی۔ دراصل تیمور چاہتا تھا کہ بغداد پر اس کا قبضہ ہو۔ وہاں کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور وہاں اس کا سکہ جاری ہو۔

تیمور جب اپنی بات کہہ چکا اور خاموش ہوا تو مفتی اعظم بغداد نے اسے وہ تحائف پیش کیے جو وہ بغداد کے سلطان احمد جلایر کی طرف سے جذبہ خیر سگالی کے تحت اپنے ساتھ لائے تھے۔

کچھ دیر تک تیمور ان تحائف کو غور سے دیکھتا رہا اور مفتی اعظم کی طرف سے اس نے ان تحائف کو قبول کیا۔ تیمور جب تحائف قبول کر چکا تو بغداد کے مفتی اعظم نے پھر ”اے امیر تیمور! میں پھر آپ کی طرف سے بغداد کے سلطان کو کیا جواب دوں؟“ تیمور نے کچھ سوچا پھر وہ اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ زین کے ساتھ لٹکتی ہوئی خرچینوں میں سے ایک خالی کر کے اس نے اتاری۔ دوبارہ وہ اپنی جگہ پر آیا۔ زمین پر پڑا ہوا منصور کا کٹا ہوا سر اس نے اٹھا کر اس خرچین میں ڈالا جو اپنے گھوڑے کی خرچین سے اُتار کر لایا تھا۔ پھر وہ خرچین جس کے اندر منصور کا سر تھا تیمور نے بغداد کے مفتی اعظم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میری طرف سے منصور کا یہ کٹا ہوا سر بغداد کے سلطان احمد جلایر کو پیش کر دیں، وہ خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گا۔“

تیمور کی اس حرکت پر وہاں کھڑے سیف الدین، نور الدین، شاہ رخ اور دیگر امراء کو مایوسی ہوئی۔ بغداد کے مفتی اعظم کے چہرے پر بھی دیرانیاں بکھر گئی تھیں۔ تاہم انہوں نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اور تیمور کی دی ہوئی خرچین لے کر وہ وہاں سے ہٹ گئے تھے۔



منصور کی شکست کے بعد ایران کی بد قسمتی پر بھی مہر لگ گئی اور ان کا شاہی خاندان جو مدافعت کی تھوڑی بہت سکت رکھتا تھا وہ بھی تنکوں کی طرح بکھر کر رہ گیا تھا۔ میدان جنگ میں منصور اور اس کے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد باری باری شیراز اور اصفہان میں داخل ہوا۔ دونوں شہروں سے اس نے شاہی خاندان کے سرکردہ لوگوں کے علاوہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو بھی پابانِ نجیر کر دیا۔ پھر شیراز سے باہر ایک کھلے میدان میں ان پابانِ سلاسل شہزادوں اور شہزادیوں کو علیحدہ علیحدہ قطاروں میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔

شہزادوں اور شہزادیوں کی ان قطاروں کے قریب ہی سونے اور چاندی کے سکوں سے بھری ہوئی کچھ تھیلیاں، بہت سے ریشمی کپڑے، زربفت کے کچھ تھان، شیراز اور اصفہان سے حاصل ہونے والی شاہی خاندان کی دس حسین ترین کنیزیں، بارہ گھوڑے دس نچریں۔ اس کے علاوہ خورد و نوش اور دوسری ضرورت کی اُن گنت اشیاءِ قیمور نے علیحدہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے شامرخ کو مخاطب کر کے کہا: ”اے شامرخ! ذرا میرے بیٹے نور الدین کو بلواؤ میں اس کے ساتھ اپنا سارا نہیں تو کچھ حساب ضرور بلیا کرنا چاہتا ہوں۔“

شامرخ نے قریب ہی کھڑے ایک شکاری کو نور الدین کو بلالانے کے لیے کہا اور وہ شکاری وہاں سے بھاگتا ہوا ادائیں جانب اس سمت چلا گیا تھا جہاں نور الدین کے ساتھ کام کرنے والا لشکر خمیہ زن تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد نور الدین اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آیا اور تیمور کے قریب آکر اپنے گھوڑے سے اتر کر اس نے پوچھا: ”اے امیر! آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟“

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں تیمور نے کہا: ”ہاں تمہارے ساتھ ایک حساب تھا۔ میں نے سوچا اے بے باک کردوں۔ پھر تیمور نے ایران کے پابانِ نجیر کھڑے شہزادوں اور شہزادیوں کے سامنے سامان کے ڈھیر، کنیزوں، گھوڑوں اور خچروں کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔ اے نور الدین! اگر شتہ جنگ میں تمہاری سے مثل کارگزاری پر میں نے تمہیں صرف اپنا بیٹا بنانے کے علاوہ تمہیں قلب کا سالار مقرر کر کے تمہارے شجاعت اور سرفروشی کا حق ادا نہ کر دیا تھا۔ بلکہ ان حسین و جمیل دس کنیزوں سمیت یہ سالار سامان اب تمہاری ملکیت ہے۔ اسے قبول کرو کہ تمہاری یہ قبولیت میری خوشی اور میری دلجمعی کا سامان ہوگی۔ پھر تیمور آگے بڑھ کر نور الدین کا سالار سامان دکھانے لگا۔ تیمور کے ساتھ نور الدین جب سارے سامان، کنیزوں، گھوڑوں اور خچروں کو اچھی طرح دیکھ کر اور ان کا جائزہ لے چکا تب اس نے تیمور کو مخاطب کر کے پوچھا۔

اے امیر! کیا میں اس سارے سامان کا مالک ہوں اور اس پر مجھے مکمل اختیار ہے؟

تیمور نے کسی قدر تعجب سے نور الدین کی طرف دیکھا اور کہا۔ لا ریب! یہ سالار سامان تمہارا ہے نور الدین! اور تم اس کے بلا شرکتِ غیر مالک ہو۔ نور الدین نے آگے بڑھ کر سنہری سکوں کی چند تھیلیاں اٹھا کر اپنے گھوڑے کی خرچین میں ڈال لیں پھر تیمور سے اس نے کہا۔

اے امیر! یہ جس قدر سامان ہے اسے آپ میری طرف سے شاہی خزانے میں ڈال دیں۔ میں ایک سادہ اور مختصر ضروریات پر مبنی زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں۔ میں نے اس میں سے اپنے لیے اور کچھ ضرورت مند و وابستگان کے لیے سنہری سکوں کی تھیلیاں لے لی ہیں۔ اب باقی سامان سے میرا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ ہلکی ہلکی اور کسی قدر گہری مسکراہٹ میں تیمور نے ان دس حسین و جمیل کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ اور ان کنیزوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

نور الدین نے ان حسین کنیزوں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اے امیر! یہ کنیزیں میری طرف سے آزاد ہیں۔ میرا ان سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ یہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جہاں اور جس جگہ چاہیں آزادانہ زندگی بسر کر سکتی ہیں۔ وہاں کھڑا ہو کر تیمور کو دن جھکائے کچھ دیر سوچتا رہا۔ شاید نور الدین کے اس رویے اور اعلیٰ اخلاقی معیار کے ایک طرح سے تیمور کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر تیمور نے اپنے سر کو جھٹکا اور بولا۔

’اے نور الدین! میرے بیٹے! میرے ساتھ آؤ۔‘ نور الدین آگے بڑھا اور خاموشی سے تیمور کے ساتھ ہو لیا تھا۔

نور الدین کو تیمور زنجیروں میں جکڑی اور ایک قطار میں کھڑی ایرانی شہزادیوں کی طرف لے گیا۔ پھر اسے کہا۔ ’اے نور الدین! زنجیروں میں جکڑی ہوئی۔ یہ سب ایران کی شہزادیاں ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ انہیں غور سے دیکھتے چلے آؤ۔ پھر میں ان سے متعلق تم سے ایک سوال کروں گا۔‘

تیمور ان ساری زنجیروں میں جکڑی ہوئی شہزادیوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھے لگا اور اس کے کہنے پر نور الدین بھی بڑے انہماک سے انہیں دیکھتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ جب شہزادیوں کی وہ قطار ختم ہوئی تو تیمور نے پوچھا۔

’اے نور الدین! ایران کی ان شہزادیوں میں سے کون سی تمہیں بھلی لگی کس میں تم اپنے لیے جذب و شش محسوس کرتے ہو اور ان میں سے کون ہے جسے تم اپنی پسند کہہ سکتے ہو؟‘

نور الدین نے چونک کر تیمور سے پوچھا۔ ’میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تیمور نے اس بار کھل کر کہا۔‘ اے نور الدین! میں چاہتا ہوں ایران کی ان شہزادیاں میں سے تم اپنے لیے کسی کو پسند کر لو۔ پھر میں بڑی شان و شوکت اور کرد و فر کے ساتھ تمہاری اس سے شادی کروں گا۔‘

نور الدین نے گردن جھکالی اور کہا۔ ’اے امیر! میں ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ ہی میرا بھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ میں آنے والے دور میں شادی ضرور کروں گا لیکن وہ شادی میری پسند کی ہوگی۔‘

تیمور نے مسکراتے ہوئے فراخ دلی سے کہا۔ ’اے نور الدین! میرے بیٹے! ایک شادی تم ان شہزادیوں میں سے کر لو اور ایک بعد میں اپنی مرضی سے اپنی پسند کے مطابق کر لینا۔‘

نور الدین نے پھر سر کو جھکائے ہی جھکائے کہا۔ ’نہیں امیر! ایسا ممکن نہیں؟‘

میں زندگی میں شادی ایک ہی لڑکی سے کروں گا اور وہ لڑکی ان دنوں سمرقند میں ہے۔
 تیمور نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا، کیا تم مجھے بتاؤ گے ناکہ وہ لڑکی کون
 ہے۔ کس کی بیٹی ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

نور الدین نے انتہائی سنجیدگی میں کہا، ”اے امیر! ابھی اس کا نام اور
 حسب و نسب بتانے کا وقت نہیں آیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مناسب وقت پر آپ
 سے سب کچھ کہہ دوں گا۔“

تیمور نے کچھ سوچا پھر دوبارہ اس نے پوچھا، ”اے نور الدین! میں بڑی بے
 چینی کے ساتھ اس وقت کا انتظار کروں گا جب تم مجھے اس لڑکی کے نام اس کی ولایت
 اور اس کے حسب و نسب کے متعلق خبر کر دو گے تاکہ میں اس سے تمہاری شادی کرا کر اپنے
 فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔“

نور الدین نے کہا، ”اے امیر! وقت آنے پر میں سب کچھ آپ سے کھل
 کر کہہ دوں گا۔“ اس پر تیمور نے سامان کے اس ڈھیر کو شاہی خزانے میں اور گھوڑوں
 و نچروں کو لشکر میں شامل کرنے کا حکم دیا اور نور الدین کے لیے منتخب کی جانے والی دس
 کنیزوں کو اس نے اس کی خواہش کے مطابق آزاد کر دیا تھا۔

اس کے بعد تیمور نے پابہ سلاسل شہزادوں اور شاہی خاندان کے سب افراد
 کو تہ تیغ کر دیا۔ تاہم وہ شیراز اور اصفہان سے جو فن کار، مصور، شاعر اور ادیب ہاتھ
 لگے تھے۔ انہیں اپنے ساتھ لیتا گیا۔ راستے میں قلعہ سفید کے قریب تیمور نے اپنے
 پوتے محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکروں کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا اور سمرقند کی طرف
 کوچ کر گیا تھا۔

قلعہ سفید سے وہ جاتی دفعہ ایران کے سابق حکمران زین العابدین کو بھی کہ
 چمے منصور نے اندھا کر دیا تھا اپنے ساتھ سمرقند کی طرف لے گیا۔ اس طرح ایران پر
 اب اس نے اپنی طرف سے تاتاری حکمران مقرر کر دیا تھا۔

ایک فاتح کی حیثیت سے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ باب لاجورد سے سمرقند شہر میں داخل ہوا۔ اس کے اور اس کے لشکریوں کے استقبال کے لیے باب لاجورد سے لے کر سمرقند کے قلعے تک قالینوں اور بانات کا فرش بچھا دیا گیا تھا۔ راستے میں پڑنے والے چھتوں اور باغوں کی دیواروں میں لاشمی کپڑوں کے علاوہ کشیدہ کاری اور زردوزی کا کام کیے ہوئے کپڑے لٹکا دیے گئے تھے۔ بازاروں کی دکانیں خوب سجی ہوئی تھیں۔ ہر طرف چہل پہل تھی اور لوگ اپنے بہترین لباس پہنے لشکر کے استقبال کو گھروں سے نکل آئے تھے۔

تیمور جب شہر میں داخل ہوا تو اس کے وائیں ہاتھ شہزادہ شاہرخ اور تیمور کے پوتے محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل تھے جب کہ بائیں طرف نور الدین اور سیف الدین تھے۔ مقامی امراء و رؤسا، شہزادوں اور باہر سے آئے ہوئے موداگروں نے شہر سے باہر نکل کر تیمور کا استقبال کیا۔ تیمور کی بیوی سرائے خانم نے اپنے شوہر تیمور اور بیٹے شاہرخ کے قدموں پر اپنے غلاموں کے ذریعے زرد جواہرات کے ڈھیر لگا دیے تھے جب کہ تیمور کی بہو خانزادہ اپنے تینوں بیٹوں شہزادہ محمد سلطان شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ خلیل کی منتظر تھی اور جب وہ اس کے قریب آئے تو اپنے غلاموں کے ذریعے خانزادہ نے اپنے تینوں بیٹوں پر موتیوں کے علاوہ سونے کا بورا بچھا کر کیا۔

اس موقع پر تیمور نے کچھ لوگوں کو تنبیہ کرنے کے انداز میں ہدایت کی کہ وہ نور الدین پر بھی موتی اور سونے کا بورا بچھا کر کریں۔ ساتھ ہی تیمور نے خود بھی کچھ غلاموں سے موتیوں اور سونے کے بورے کی تھیلیاں لے لیں تاکہ وہ خود بھی موتی اور سونے کا بورا نور الدین پر بچھا کرے۔ پر تیمور کی اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ اپنے بائیں طرف مڑا تو اس نے دیکھا وہاں نور الدین نہ تھا اور اس سے بائیں طرف صرف اکیلا سیف الدین ہی تھا۔

پریشان سے لہجے میں تیمور نے پوچھا، اے سیف الدین! نور الدین کدھر

چلا گیا۔

سیف الدین نے مدھم مگر کسی قدر آواز میں کہا۔ "اے امیر! نور الدین تھوڑی ہی دیر قبل ہم سے کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا وہ ابھی ہم سے دوبارہ آنے لگتا ہے۔ پر میں نے جب دوبارہ مُڑ کر پیچھے دیکھا تو عقب میں نور الدین مجھے دُور و نزدیک کہیں دکھائی نہ دیا۔ میں خود اس سے متعلق فکر مند ہوں۔ وہ نہ جانے کہاں، کیوں اور کدھر چلا گیا ہے۔

تیمور نے فکر گیر سی آواز میں پوچھا۔ "اس استقبالیہ جشن سے نکل کر نور الدین کہاں جاسکتا ہے۔ کہیں اس نے اپنے آپ کو کسرِ نفسی کا شکار نہ کر لیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کچھ انجیلینا کے رویے نے بھی اُسے روندنا ہے کہ وہ تنہائی پسند ہو کر رہ گیا ہے تیمور کچھ اور بھی نور الدین سے متعلق کہنا چاہتا تھا۔ پر اس کے استقبال کو آنے والے امراء و رؤسا کا کافی تعداد میں اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ لہذا اسے ان کی طرف توجہ دینی پڑی۔ اس طرح بیشک بے مثال استقبال کا سامنا کرتا ہوا قلعے تک آیا اور پھر تیمور کے خیم پر شکری اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے منتشر ہو گئے تھے۔

سیف الدین جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو حویلی کے خادم مُرشد نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور جب سیف الدین اپنے گھوڑے سے اُتر کر حویلی کے اندر جانے لگا تو مُرشد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔ "اے آقا! امیر نور الدین آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئے، وہ کہاں چلے گئے ہیں؟" سیف الدین نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے پوچھا۔ "کیا نور الدین ابھی تک گھر نہیں آیا۔ میں تو سمجھا تھا وہ گھر پہنچ چکا ہوگا۔ بہر حال وہ ابھی تھوڑی دیر تک گھر آنے ہی والا ہوگا۔ مرشد! مرشد! میرے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر تم کھانا تیار کرو ابھی نور الدین آتا ہے تو پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

مرشد اصطبل کی طرف اور سیف الدین حویلی کے اندر وئی حصے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ حویلی میں جیسے نا اسیا داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں مچھو لوں کے ڈھیر

سارے ہارتھے۔ اسے دیکھتے ہوئے سیف الدین اور مرشد دونوں اپنی اپنی جگہ پر رک گئے تھے۔ ناسیا قریب آئی اور سیف الدین کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔

’اے عم سیف الدین! کیا امیر نور الدین گھر پر نہیں ہیں؟ میں ان کا استقبال کرنے باب لاجورد تک گئی تھی۔ میں نے انہیں امیر تیمور کے بائیں طرف دیکھا بھی لیکن جب میں بھڑ میں ہو کر ان کی طرف بڑھی اور چاہتی تھی کہ ان کے گلے میں ہار ڈال کر انہیں فتح کی مبارک باد دوں تو وہ اچانک وہاں سے نہ جانے کدھر غائب ہو گئے۔ میں نے سوچا گھر چلے گئے ہوں گے اس لیے ادھر چلی آئی۔ پر حیرت ہے وہ ابھی تک گھر بھی نہیں آئے۔ اے عم سیف الدین! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ اس وقت کہاں جا سکتے ہیں۔“

شفیقانہ سے لہجے میں سیف الدین نے کہا۔ ’آؤ بیٹی! دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ تھوڑی دیر تک نور الدین آجائے گا۔“

مرشد گھوڑے کو لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ جب سیف الدین ناسیا کو دیوان خانے میں لایا۔ ناسیا نے پھولوں کے ہار ایک طرف رکھ دیے اور ایک چرمی شست پر بیٹھ گئی تھی۔ سیف الدین نے بھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ’اے ناسیا! میری بیٹی! کیا نور الدین کا اس طرح استقبال کرنے اور اس سے ملنے پر تیرے باپ یوکرین کو اعتراض نہ ہوگا؟‘

ناسیا کے کوئپلوں کی طرح ملائم اور لالہ رُخ پر قطروں جیسے ہونٹوں پر وقت کی روحوں کو منور اور دامن کو رنگ و نور سے بھر دینے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے دھیمے لہجے، جھکی نظروں اور لذتِ شہد و شکر بکھرتی آواز میں کہا۔ اے عم سیف الدین! اس سمرقند شہر کے اندر میرے باپ نے مجھے صرف امیر نور الدین سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ میں انہیں دن یا رات کسی بھی وقت ملوں میرے باپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ نور الدین وہ ہتی ہیں جن پر وہ اندھا اعتماد اور مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔

سیف الدین نے غور سے دیکھا نور الدین سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے حسین

نائب کے لعل لب کے فشار میں ایک اچھوتی کشتش تھی۔ چہرے پر تبسم کی کرنیں،
 زہر کرتی تھیں۔ گہری آنکھوں کے گھونگھٹ میں محبتوں اور چاہتوں کی چنگاریوں
 کا ایک قصہ لافانی تھا۔ سانسوں میں ایک ہلچل تھی۔ شعروں سے ڈھلے صہم میں اک
 ارتعاش اور اس کے مخاطب کے قرینے میں حسن تصور، تزیین جمال اور خواب و تعبیر
 کے سنگم جیسی کیفیتیں قص کر رہی تھیں۔ سیف الدین کو خاموش دیکھ کر نائب نے پوچھا۔
 'اے عم! آپ نے ابھی تک بتایا نہیں کہ نور الدین ایسے موقع پر اپنی حویلی کے
 کھائے کہاں جاسکتے ہیں؟'

سیف الدین نے کچھ سوچا پھر بولا۔ 'اے بیٹی! جب تم نور الدین کو اس
 لدا اہمیت دے رہی ہو اور تمہارے باپ یوگرین نے تمہیں نور الدین سے ملنے
 کی اجازت بھی دے رکھی ہے تو پھر میں تم سے کوئی بات چھپا کر نہ رکھوں گا۔ سنو نائبا!
 ات کچھ یہ ہے کہ نور الدین کے جنگ پر جانے سے کئی روز پہلے میں نور الدین سے
 متعلق ایک تجسس اور فکر میں مبتلا ہوں۔ بات یہ ہے کہ نور الدین اکثر گھر سے باہر رہنے
 لگا تھا۔ گو وہ رات کبھی باہر نہیں رہا لیکن دن کا کافی حصہ وہ گھر سے غائب رہنے
 لگا تو مجھے فکر مندی ہوئی۔ آخر میں نے ایک روز بڑی رازداری کے ساتھ نور الدین
 کا تعاقب کیا۔'

نائبا بے چین اور بے تاب سی ہو کر نیچ میں بول پڑی۔ 'پھر کیا ہوا عم!'
 سیف الدین پھر کہہ رہا تھا۔ 'اے بیٹی! یہاں سے نکل کر نور الدین زین سازوں
 کے بازار سے گزرا۔ پھر جہاں زین سازوں کا بازار ختم ہوتا ہے اور ازمنی محلہ شروع ہوتا
 ہے تو وہاں نور الدین ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ اس مکان کی نشانی یہ ہے کہ اس کے
 سامنے املتاس کے دو درخت ہیں۔ میں جب اس مکان میں داخل ہوا تو اس مکان کے
 صحن میں نور الدین کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ جب کہ نور الدین ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا
 اور اس کے سامنے ایک بوڑھا اور لاغر و نزار شخص بستر پر پڑا ہوا تھا۔ مجھے وہاں دیکھ
 کر نور الدین چونک سا پڑا۔ پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے بستر پر

لیٹے ہوئے اس بوڑھے شخص سے یوں تعارف کرایا کہ

”اس بوڑھے کا نام اصلان ہے، وہ بیمار ہے۔ اس کا نہ کوئی وارث اور نہ اسے کوئی سنبھالنے والا ہے۔ لہذا نورالدین اس کی مالی مدد کرنے کے علاوہ ہر روز اس کے پاس اس کی دیکھ بھال کے لیے جاتا ہے

نائبیا پھر بول پڑی ”یہ تو بڑا اچھا کام ہے اور اس معاملے میں ہمیں نورالدین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے بلکہ ہمیں بھی ان کے اس کام میں شریک ہونا چاہیے۔“

نائبیا کے خاموش ہونے پر سیف الدین نے پھر کہا۔ ”اے نائبیا بیٹی! اس امر پر مطمئن نہیں ہوں کہ اس گھر میں صرف اصلان نام کا بوڑھا ہی رہتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ اصلان کے علاوہ بھی اس گھر میں کوئی رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ انجیلینا کی طرف سے دل شکنی کیے جانے کے بعد نورالدین نے وہاں اپنے سکون اور اپنی جمعی کے لیے کسی کا انتخاب کر لیا ہو۔“

تھوڑی دیر قبل جہاں نائبیا کی حالت روپلے سپینوں، نازک، حسین سوچوں اُن گنت اچھوتے کنوارے سپینوں اور دھنک رنگوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہاں اب سیف الدین کی اس گفتگو کے بعد اس کی حالت گونگی شاہراہوں، بہکی دھڑکنوں، احساس کے ویران گھنڈروں اور بے چین بھٹکتی پھرتی خواہشوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ پر جلد ہی نائبیا نے اپنے آپ کو سنبھالا اور فکر گیر آواز میں اس نے پوچھا۔ ”تو آپ کا مطلب ہے اس گھر میں کوئی لڑکی بھی رہتی ہے جس میں امیر نورالدین دل چسپی لیتے ہیں۔“

سیف الدین نے سوچوں میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تمہارا اندازہ درست ہے بیٹی! کیوں کہ میں جب اس کمرے میں گیا جس میں نورالدین اس بوڑھے کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو اس کمرے کے اس دروازے کا پردہ جو دوسری طرف کھلتا ہے اس انداز میں ہل رہا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی نکل کر اُدھر گیا ہو۔ میں نے اپنا شک دور کرنے کی خاطر جب لپک کر اس پردے کے دوسری

طرف دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اس لیے کہ پردہ ہلا ضرور تھا پر اس کے دوسری طرف مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

ناٹیا نے اپنے دل کو تسلی دینے کی خاطر کہا۔ ”اے عم! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کا دم ہو اور وہاں کوئی لڑکی نہ ہو۔ پردہ ہوا سے بھی ہل سکتا ہے۔“

سیف الدین نے تائید کی۔ ”ہاں میری بیٹی! ایسا بھی ممکن ہے لیکن پھر بھی میں کہوں گا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہے جو میرا دل مطمئن نہیں ہوتا۔“

سیف الدین چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اے ناٹیا بیٹی! تمہارے اس انکشاف پر کہ تمہارے باپ یوگرین نے سمرقند کے اندر تمہیں صرف نور الدین سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ کہ تمہارا باپ اس پر بھروسہ اور اعتبار کرتا ہے اور یہ کہ تم دن اور رات کے کسی بھی حصے میں مل سکتی ہو۔ ہاں ناٹیا! تمہارے اس انکشاف پر میرے ان ارادوں اور میرے اس عزم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جن کے تحت میں تم سے کچھ کمنا کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

ناٹیا نے سیف الدین کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! آپ ہلا دھبک پوچھیں جو آپ پوچھنا چاہتے ہیں۔“

سیف الدین نے دھک بھری آواز میں کہا۔ ”اے بیٹی! تو جانتی انجیلینا کے تکبرانہ رویے نے نہ صرف نور الدین کو کسرِ نفسی میں ڈال دیا ہے۔ بلکہ وہ بے یقینی کے سموں، زہیت کے آشوب، تنہائیوں کے نازک سپنوں اور اُداس رات کی بانوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اے میری بیٹی! تجھے نور الدین کے لیے تریاق سمجھنے سے پہلے میں تم سے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہارے خیالات اور جذبات نور الدین سے صرف ہمدردی تک ہی موقوف ہیں یا بات اس سے آگے بھی کچھ بڑھ سکتی ہے۔“

سیف الدین کے اس سوال پر حسین ناٹیا کی حالت بہکی دھڑکنوں بنہرے وصل کی چمک، قُرب کے احساس، خمارِ آلود فیضِ جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ ناٹیا نے اپنی گردن جھکالی تھی اور سیف الدین اُسے شفقت بھری نگاہوں سے دیکھے

جارہا تھا۔ کمرے کے اندر نائیا کے جسم سے عرق گلاب اور اس کے بالوں سے روغن کنبھ کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ اس کے کانوں کے آدیزے اور گلے میں زمر و کالگو بند اپنے ارتعاش کے باعث نائیا کی سانسوں کی بے ترتیبی کا پتہ دے رہے تھے۔

نائیا کی اس خاموشی پر سیف الدین نے پھر کہا۔ اے بیٹی! میں تو کھل کر تمہارے منہ سے کچھ سُنانا چاہتا ہوں۔ تاکہ تمہارے اس جواب کی روشنی میں نور الدین کے لیے خوشی یا غموں سے بھری ہوئی راہ کا تعین ہو سکے۔

نائیا نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اُپر اٹھائی۔ پھر وہ سوئے گیت، نرم آنچ اور بہاروں کی حدت کی طرح حرکت میں آئی اور بولی۔ اے عم! اگر آپ میری زبان سے ہی سُنانا چاہتے ہیں تو سُنئیے۔ مجھے امیر نور الدین سے ہمدردی ہی نہیں بلکہ وہ میرے دل کا سوز، میری محبت کا گداز ہیں۔ ان کا ہر لفظ میرے لیے شعر، ہر حرف جادو ہے۔ اے عم! نور الدین میرے لیے صحرا کے اند، ایک چشمہ اور سمندر کے اند، ایک مینار ہیں۔ اے عم! نور الدین کو میں اپنا پیار، سوغات، وفائیں اور محبت تحفہ جان کر پیش کرتی ہوں۔ وہ اب میرے لیے اجنبی اور نا آشنا نہیں ہے اور اگر وہ پسند کریں تو میں اپنی ساری زندگی ان کے ساتھ گزار دینے کا عہد کر لوں گی۔ نائیا کے نور الدین سے متعلق یہ الفاظ لفظوں کی تینوں اور دوڑتے اُڑتے تخیلات کی طرح فضاؤں میں بکھر گئے تھے۔

نائیا ذرا رُکی پھر وہ دوبارہ کہہ رہی تھی۔ اے عم! میں نے آپ کے سامنے تو اپنی اس حالت کا اقرار کر کیا ہے لیکن میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ میری اس گفتگو کا ذکر آپ ان سے نہ کریں۔ اس طرح وہ یہ خیال کریں گے کہ انہیں اپنا تے کے لیے میں نے آپ سے سفارش کرائی ہے اس طرح میں ان کی نظروں میں گر جاؤں گی اور میں ایسا پسند نہ کروں گی کہ وہ مجھے حقیر و کمتر خیال کرنے لگیں۔ اس لیے میری بہتری اور خوش بختی اسی میں ہے کہ وہ آپ سے آپ میری طرف مائل ہوں۔

سیف الدین نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اے بیٹی! تو نے

اپنے فیصلے سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں نور الدین کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہوں اور اے بیٹی تو مطمئن رہ میں اس گفتگو کا ذکر نور الدین سے نہ کروں گا۔

سیف الدین کہنے لگے خاموش ہو گیا کیوں کہ باہر گھر کے صحن میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ اس پر سیف الدین اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ 'اے نائبا بیٹی! باہر شاید نور الدین آ گیا ہے۔ آؤ اسے دیکھتے ہیں'۔

جونہی وہ دونوں دیوان خانے سے نکلے انہوں نے دیکھا نور الدین اپنا گھوڑا مُرشد کو دینے کے بعد دیوان خانے ہی کی طرف آ رہا تھا۔ سیف الدین اور نائبا دیوان خانے سے باہر ہی رُک گئے تھے کیوں کہ نور الدین ان ہی کی طرف آ رہا تھا۔ نائبا نے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے وہ ہار اٹھا رکھے تھے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ نور الدین جب قریب آیا تو نائبا بلا جھجک سی ہو کر آگے بڑھی اور وہ سارے پھول اس نے نور الدین کے گلے میں ڈال دیئے تھے۔

نور الدین چند ثانیوں تک وہاں کھڑا ہو کر پھولوں کے ان ہاروں کو غور سے دیکھتا رہا جو نائبا نے اس کے گلے میں ڈال دیئے تھے۔ پھر نائبا کی طرف موالہ سی کیفیت میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ 'یہ کیسے اور کس خوشی میں ہے؟'

نائبا نے گہری سرشاری اور تہ دستہ شوق میں کہا۔ 'سب لوگ کیا مرد' کیا عورتیں شکر کی فتح مندی پر اپنے اپنے جاننے والوں اور عزیز واقارب کا استقبال کرنے کے لیے گئے تھے اور ان پر پھول بچھا کر کیے۔ شکر میں یا میں یوں کہوں کہ سمرقند شہر میں آپ کے علاوہ میں کسی اور کو نہیں جانتی لہذا میں آپ ہی کے استقبال کو گئی تھی۔ میں نے امیر تیمور کے قریب ایک بار آپ کی جھلک دیکھی تھی میں آگے بڑھ کر آپ کے گلے میں یہ ہار ڈالنا چاہتی تھی پر اچانک آپ وہاں سے غائب ہی ہو گئے۔ میں نے آپ کو شکر کے اندر بہت تلاش کیا پر آپ نہ ملے لہذا میں ادھر آ گئی۔

نور الدین نے اپنے گلے سے ہار اتار کر دیوان خانے سے باہر ایک نشست پر رکھتے ہوئے کہا۔ 'میں شکر سے نکل کر اپنے ایک جاننے والے کے ہاں چلا گیا تھا۔

بہر حال اس تعلق اور زحمت پر میں تمہارا ممنون ہوں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا۔ کہ اس طرف آنے سے قبل تمہیں اپنے باپ سے ضرور اجازت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اس سلسلے میں تمہارے باپ یوگرین کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی تو اسے میں اپنے لیے سب سے بڑی بدبختی خیال کروں گا۔“

نائسیا نے اس موقع پر اجنبی خوشبو سے بھر پورا ایک عزم اور اُمنگ میں کہا۔ ”اے امیر! اس بات کی وضاحت اس سے پہلے میں عم سیف الدین سے بھی کر چکی ہوں۔ بہر حال میں آپ پر بھی یہ انکشاف کر دوں کہ ان اجنبی سرزمینوں کے اندر میرے باپ نے مجھے دن اور رات کے کسی بھی حصے میں صرف آپ سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس لیے کہ آپ پر ان کا مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔“

نائسیا جب اپنی بات مکمل کر چکی تو نور الدین نے کہا۔ ”تمہیں اپنے باپ کے پاس سے نکلے کافی دیر ہو چکی ہو گی۔ لہذا اب تم واپس جاؤ کہ یوگرین تمہارے متعلق فکر مند ہوں گے۔“

نائسیا جو نور الدین کے آنے پر سہاگ کی زندگی کے پہلے دن، لفظوں کی تتلیوں، دوڑتے اڑتے خیالات، رقص کرتے سایوں، چوڑیوں کی کھنک اور ان گنت اچھوتے کنوارے سپنوں جیسی ہو رہی تھی۔ نور الدین نے ان الفاظ نے اسے روشنی کو روتی شمع، بدن کے موسموں کی آگ، خواری کا تماشا، مقتل گاہ کی سفاکی، کھوئے کھوئے انداز اور دروکی دیواروں جیسا بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ نور الدین اسے بیٹھنے کو کہے گا اور وہ وہاں بیٹھ کر اپنے دل کی سرشاری اپنی رُوح کے سکون، اپنے ضمیر کے اطمینان اور اپنی چاہتوں، اپنی اُمیدوں اور خواہشوں کی تکمیل کا سامان فراہم کر سکے گی لیکن نور الدین نے اسے جانے کا کہہ کر اسے جبریت ہار کے دورا ہے اور فراق و سکون کے سنگم پر کھڑا کر دیا تھا۔

نور الدین کے اس رویے پر نائسیا بے چاری اُٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں کو سلام کہتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ حویلی کے صدر دروازے سے جب

نائباً باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ ساتھ والی حویلی جو اسقف یوحنا کی تھی اس میں سے شہزادہ خلیل نکلا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ نائباً کی طرف اس نے دیکھا نہ تھا اور اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

نائباً جب کچھ اور آگے بڑھی تو اس نے دیکھا اس حویلی کے بیرونی دروازے پر حسین ایچلینا، اس کا باپ یوحنا اور ماں مالتھس کھڑی تھی۔ شاید وہ شہزادہ خلیل کو دروازے تک رخصت کرنے آئے تھے۔ اچانک ایچلینا اپنی حویلی سے باہر نکلی اور نائباً کے سامنے آکر اس کی راہ روکتے ہوئے اس نے بڑی بشارت اور نرمی میں کہا۔ ”اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو تم امیر یوگورین کی بیٹی نائباً ہو۔“ نائباً نے ایک بار غور سے ایچلینا کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ”ہاں میں نائباً ہی ہوں۔“

اتنی دیر تک یوحنا اور مالتھس بھی ان دونوں سے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے ایچلینا پھر بولی۔ ”میرا نام ایچلینا ہے اور یہ میرے باپ اسقف یوحنا اور ماں مالتھس ہیں۔“ ایچلینا کی اس گفتگو پر نائباً نے گہری مسکراہٹ اور خوشی میں کہا۔ ”میں آپ سب کو نہ صرف اچھی طرح جانتی ہوں بلکہ آپ سے متعارف بھی ہوں۔“ اس بار ایچلینا کی ماں مالتھس نے پوچھا۔ ”تم اس وقت کہاں سے آرہی ہو بیٹی!“ نائباً نے حقیقت اور سچائی سے کام لیا۔ ”میں امیر نورالدین سے مل کر آرہی ہوں جب لشکر شہر میں داخل ہوا تو میں ان کے استقبال کو گئی تھی لیکن جب وہ مجھے نہ ملے تو میں ادھر چلی آئی اور اب میں ان سے مل کر واپس جا رہی ہوں۔“

اس موقع پر اسقف یوحنا نے گہری پُرسکون نگاہوں سے نائباً کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے بیٹی! نورالدین ایک زندہ دل جوان ہے وہ ٹھنڈے گیلے ساحلوں جیسا پُرسکون ہونے کے علاوہ منکسر مزاج اور سادہ انسان ہے۔ قسم خداوند کی میں اسے بیٹوں کی طرح چاہتا ہوں۔ اے بیٹی! اگر تو امیر نورالدین کی قربت حاصل کر چکی ہے تو پھر تو خوش قسمت ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اگر تم امیر نورالدین کی

رفاقت قبول کر لوگی تو وہ تمہیں چاندنی کے خوابوں، شام کے نارنجی بادلوں اور رونمائی کی ساعتوں جیسا خوش اور پُر سکون رکھیں گے۔

یوحنا کی گفتگو پر نائسیا شرماسی گئی تھی۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ زمین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ وہاں سے چل دی تھی انجیلینا نے اُسے پکار کر کہا۔ نائسیا! نائسیا! کیا تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے پاس بیٹھو گی نہیں۔ تمہارے ساتھ باتیں کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

نائسیا نے مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔ ”میں پھر کسی روز آؤں گی۔“ اور اس کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔



یہاں پر ایک عظیم
دارت ملام



منصور کا کٹا ہوا سر جب بغداد کے سلطان احمد بن اویس کو پیش کیا گیا تو وہ تیمور کی اس نازیبا حرکت پر فکر مند ہوا وہ جان گیا تھا کہ تیمور اب ایک نہ ایک روز بغداد پر ضرور حملہ آور ہوگا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ ماضی میں بھی بار بار مشرقی صحراؤں سے نکل کر تیمور کالی آندھی کی طرح اپنے اطراف کے شہروں پر چھا گیا تھا اور ہر شہر کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

بغداد کے سلطان احمد بن اویس کو یہ بھی خطرہ تھا کہ تیمور چونکہ ایران کو مکمل طور پر اپنے سامنے زیر کر چکا تھا لہذا اب اس نے اگر مزید پیش قدمی کی تو بغداد اس کا پہلا حدف ہوگا۔ لہذا اس نے اس کی پیش بندی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے اب احمد بن اویس کے پاس دو ہی راستے تھے۔ اول یہ کہ وہ ایک باقاعدہ جہاز اور تربیت یافتہ لشکر تیار کرے اور آنے والی جنگوں میں تیمور کو اپنے علاقوں سے مار بھگائے اور دوم یہ کہ وہ اپنے ہمسایہ مسلمان باڈشاہوں کے ساتھ اتحاد کر کے تیمور کے خلاف ایک مضبوط اور پُر قوت محاذ کھڑا کر دے۔

پہلا طریقہ احمد بن اویس کے لیے ممکن نہ تھا۔ لہذا اس نے دوسرا طریقہ اپنایا۔ اس کے ہمسائے میں دو طاقتور مسلمان سلطان تھے۔ ایک ترکی کا سلطان بایزید اور دوسرا مصر کا سلطان برقوق۔ ترکی کا سلطان ان دنوں چوں کہ یورپ میں عیسائیوں

کے خلاف بڑی طرح برسرِ پیکار تھا۔ لہذا احمد بن ابیسی نے اس بنا پر ترکی کے سلطان بايزيد سے رابطہ قائم نہ کیا کہ کہیں اس کے ایسا کرنے سے سلطان کی یورپ کے اندر پیش قدمی روک نہ جائے۔

اس بنا پر بغداد کے سلطان احمد بن ابیسی نے صرف مصر کے سلطان برقوق سے رابطہ قائم کیا اور دونوں سلطانوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ وہ دونوں مل کر تیمور کا مقابلہ کریں گے اور ایک ٹرک سردار جس کا نام قرايوسف تھا وہ بھی اس معاہدے میں شامل ہو گیا کیوں کہ ماضی میں تیمور نے اس پر یلغار کر کے اس کے ترکمانوں کو مغرب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اس اتحاد میں صرف مصر کا سلطان برقوق ہی ایسا تھا جو تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا تھا اور ضرورت کے وقت اس سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ نہ صرف مصر کا سلطان تھا بلکہ شام اور فلسطین کے وسیع علاقے بھی اس کے ماتحت تھے۔

سلطان احمد بن ابیسی ایک وہمی اور شکی مزاج انسان تھا۔ اس نے صرف اس معاہدے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے اپنی طرف سے اور بہت سی پیش بندیاں بھی کیں۔ سب سے پہلے اس نے ایک تیز رفتار شہسواروں کا رسالہ اس غرض سے تیار کیا کہ اگر تیمور کے حملوں کے باعث اسے بغداد چھوڑنا بھی پڑے تو وہ اپنے حصے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصری حدود کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو جائے۔ دوسری احتیاطی تدبیر اس نے یہ کی کہ اپنی اس سرحد پر جو تیمور سے ملتی تھی اور بغداد سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر تھی اس سرحد پر اس نے اپنے ناظر اور جاسوس مقرر کر دیئے اور ان ناظروں کو نامہ بر کو تر بھی مہیا کر دیئے گئے تھے اور ان ناظروں کو اس نے ہدایت کر دی تھی کہ تیمور کی طرف سے حملے کے آثار دیکھتے ہی وہ اسے اطلاع کر دیں۔

اس کے علاوہ بغداد کے سلطان احمد بن ابیسی نے تیمور کے حملوں اور اس کی گرفت و عذاب سے بچنے کے لیے ایک بہت بڑی کشتی بھی تیار کی۔ اس کشتی کا نام اس

نئے شمس" رکھا اور یہ ہر وقت دریائے دجلہ کے کنارے اس مقصد کے تحت کھڑی رہتی تھی کہ کسی بھی ناگہانی ضرورت کے وقت سلطان احمد اس میں بیٹھ کر دریائے دجلہ کو پار کر سکے۔ اس کے علاوہ دریائے دجلہ کے اس پار ہمہ وقت تیز رفتار گھوڑے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت سلطان اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان پر سوار ہو کر مصری حدود میں چلا جائے۔

بغداد کا سلطان احمد بن اولیس گو ایک شکی مزاج انسان تھا لیکن اس کے سوا سوا وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ تیمور ایک اچھا مسلمان اور اسلام سے محبت رکھنے والا انسان نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ نام کے مسلمان ہونے کے باوجود وہ جاہل اور وحشی تارایوں جیسا ظالم و سفاک انسان تھا۔ اسی لیے اس نے یہ ساری احتیاطی تدابیر اپنے بچاؤ کے لیے کر ڈالی تھیں۔

سلطان احمد بن اولیس کے سارے اندازے اور خدشات درست ثابت ہوئے اس لیے کہ چند ہی دن بعد تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف کوچ کیا تھا۔ بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے تیمور نے اپنے لشکر کی تعداد اپنے اس لشکر سے بھی زیادہ کھی تھی جس کے ساتھ اس نے ایران کے اندر منصور کی سرکوبی کی تھی۔

اپنے لشکر کی ترتیب تیمور نے کچھ اس طرح رکھی کہ اپنے قلب کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کا سالار نورالدین اور دوسرے حصے کا سالار تیمور کا بیٹا شاہرخ تھا۔ میرہ شہزادہ محمد سلطان اور مہینہ شہزادہ پیر محمد کی کمانداری میں تھا۔ اس کے بعد عقبی لشکر کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ان دو حصوں میں سے ایک حصے کا سالار شہزادہ خلیل اور دوسرے حصے کا سالار آق بوغا تھا۔

پس اپنے لشکر کی اس تقسیم کے ساتھ تیمور نے برق رفتاری سے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ دوسری طرف بغداد کے سلطان احمد بن اولیس نے اپنی سرحدوں پر جو ناظر اور جاسوس مقرر کیے تھے انہوں نے جب تیمور کے لشکر کی یلغار کے باعث فضاؤں کے اندر گرد و غبار کا طوفان اُڑتے دیکھا تو انہوں نے نامہ بر کو ترچھوڑ دیئے اور اُن

کے ذریعے انہوں نے سلطان احمد بن اویس کو یہ پیغام بھجوایا کہ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس طرح ان ناظروں نے بروقت اپنے سلطان کو تیمور کے حملے سے آگاہ کر دیا تھا۔

تیمور کو بھی خبر تھی کہ بغداد کے سلطان احمد نے اس کے حملوں کی روک تھام کے لیے اپنی سرحدوں پر ناظر مقرر کر رکھے ہیں۔ لہذا جب وہ سلطان احمد کی ایک سرحدی بستی کے پاس آیا تو اس نے بستی کے کچھ سرکردہ لوگوں کو پکڑ لیا اور انہیں حکم دیا کہ ان ناظروں کو میرے سامنے پیش کرو۔ پس بستی کے ان سرداروں نے جو ناظروں کو جانتے تھے بغیر کسی حیل و حجت کے ناظروں کو تیمور کے سامنے پیش کر دیا۔

جب یہ ناظر تیمور کے سامنے آئے تو اس نے ان سے پوچھا۔ ”کیا تم لوگ میرے حملے کی اطلاع اپنے سلطان کو دے چکے ہو؟“ وہ ناظر بے چارے خوف کے مارے انکار نہ کر سکے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ وہ تیمور کے حملے کی اطلاع اپنے سلطان کو کر چکے ہیں۔

تیمور ان کی طرف سے سچی بات سن کر خوش ہوا اور اس نے انہیں حکم دیا کہ اب نامہ بر کبوتروں کے ذریعے اپنے سلطان کو ایک اور پیغام بھجواؤ اور اس پیغام میں اپنے سلطان کو لکھو کہ جس لشکر کے آنے کی اطلاع ہم نے آپ کو پہلے دی تھی وہ امیر تیمور کا لشکر نہیں بلکہ وہ ترکمان ہیں جو تاتاریوں سے بچ کر اس طرف بھاگ آئے ہیں۔

ان ناظروں نے تیمور کے حکم کے مطابق یہ پیغام بھی نامہ بر کبوتروں کے ذریعے سے سلطان احمد کی طرف بھجوا دیا۔ ناظروں سے یہ پیغام بھجوانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

تیمور نے اپنی طرف سے ایک بہترین چال چلی تھی۔ اس چال سے وہ سلطان احمد کو دھوکے اور غفلت میں رکھ کر اچانک اسے جا لینا چاہتا تھا اور اس کی نیت تھی کہ سلطان احمد کو گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دے۔

لیکن سلطان احمد تیمور کے اس جھانے اور فریب میں نہ آیا۔ اپنے سرحدی ناظروں

کی طرف سے کبوتروں کے ذریعے پہلا پیغام ملتے ہی بغداد سے فرار کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس نے اپنا سارا مال و اسباب، دولت و خزانہ اور اہل و عیال دریائے دجلہ کے اس پار پہنچا دیئے۔ اپنے محافظ سواروں کو اس نے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ اتنی دیر تک نامہ بر کعبہ و دوسرا پیغام لے کر بھی پہنچ گئے لیکن سلطان احمد اس دوسرے پیغام کے دھوکے میں نہ آیا۔ وہ شہر میں تھوڑی دیر اس لیے رکھا رہا کہ تیمور کے آنے کی خبر کی تصدیق ہو جائے اور جب یہ تصدیق ہو گئی تو اس نے دریائے دجلہ پر کشتیوں کے پُل کو توڑ دیا اور اپنی شمشیر نام کی کشتی میں بیٹھ کر وہ دریائے دجلہ کے پار گیا اور وہاں سے وہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب سمیت دمشق کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

طوفانی انداز میں یلغار اور پیش قدمی کرتے ہوئے تیمور بغیر کسی مزاحمت کے شوال ۷۹۵ھ کو بغداد میں داخل ہو گیا اور شہر فتح کر کے اس نے اس پر قبضہ کر لیا۔ بغداد میں داخل ہونے کے بعد تیمور کو جب خبر ہوئی کہ اس کی مزاحمت اس بنا پر نہیں کی گئی کہ بغداد کا سلطان شہر چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔

تیمور کو جب احمد بن اولس کے اس فرار کی خبر ملی تو اسے بڑا دکھ ہوا کیوں کہ اس نے توارادہ کر لیا تھا کہ احمد بن اولس کو وہ زندہ گرفتار کر کے اس کا سر تلخ کرے گا اور پھر بغداد کے اندر وہ اپنے نام کا خطبہ اور اپنا سکہ جاری کرے گا تاہم اس نے فیصلہ کیا کہ احمد بن اولس کو بھاگ کر جانے نہ دے گا۔ اس لیے اس نے شہزادہ خلیل و راق بونگا کو ایک لشکر دے کر اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔

سلطان احمد اولس کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور نے اس کے تعاقب میں اپنے تاتاری سپاہی لگا دیئے ہیں اور سلطان احمد یہ بھی جانتا تھا کہ منگول اور تاتاری لشکاری کٹے کی طرح اس وقت تک اپنے دشمن کا تعاقب کرتے ہیں جب تک اسے پکڑ نہیں لیتے۔ یہاں پر سلطان احمد نے اپنی عمدہ عسکری فراست کا ثبوت دیا۔ سلطان کے ساتھ اس کی حفاظت کے لیے جو لشکر تھا اس کا ایک حصہ اس نے علیحدہ کیا اور اس حصے کو اس نے مزید حصوں میں بانٹ کر اپنے پیچھے چھوڑ دیا تاکہ یہ دستے تعاقب کرنے والے

تاتاریوں کو اپنے ساتھ الجھائے رکھیں اور خود اسے دمشق کی طرف بھاگ جانے کا موقع مل جائے اور ان دستوں نے ایسا ہی کیا۔ تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو انہوں نے جگہ جگہ اپنے ساتھ الجھالیا اور یوں سلطان احمد تیزی سے سفر کرتا ہوا دمشق کی طرف چلا گیا اور تعاقب کرنے والے تاتاری ناکام واپس لوٹ گئے۔ تاہم تاتاری اس کے اہل و عیال میں سے کچھ کو گرفتار کرنے میں ضرور کامیاب ہو گئے تھے۔

اہل بغداد نے تیمور کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا اور اسے خراج بھی ادا کیا۔ وہ محل جو کبھی خلفائے اسلام کے مسکن ہوا کرتے تھے وہاں تاتاری دندناتے پھرتے تھے۔ تیمور جس طرح آندھی اور طوفان کی طرح بغداد شہر میں داخل ہوا تھا اسی طرح تیزی اور عسرت کے ساتھ وہ وہاں سے واپس بھی کوچ کر گیا۔ بغداد پر اس نے اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ تاہم شہر کو خوب لوٹا گیا۔ بدستی کے عالم میں تیمور نے لشکریوں نے عمدہ قسم کی شراب دریا درجلہ میں بہائی تاہم بغداد کے صناعتوں، منجھول اور معاروں کو تیمور اپنے ساتھ لے گیا تھا۔



بغداد سے سمرقند کی طرف سفر کرتے ہوئے تیمور نے راستے میں ایک جگہ پٹاؤ کیا اور جب وہ اپنے خیمے میں سیف الدین، نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان، پیر محمد اور چند دیگر سالاروں کے ساتھ محو گفتگو تھا اس وقت اس کا ایک ہر دل عزیز ناظر خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی تیمور نے پوچھا۔ ”کیا تم ہمارے لیے کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس ناظر نے کہا۔ ”اے امیر! میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جو آپ کے اہل خانہ میں سے شہزادہ خلیل سے متعلق ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ وہ خبر آپ سے میں تخلیہ میں کہوں۔“

تیمور نے اپنے سامنے بیٹھے لوگوں کی طرف بغور دیکھا پھر اس نے نرم آواز میں اس ناظر کو مخاطب کر کے ایک طرح سے فیصلہ کن انداز میں انداز میں کہا۔ ”اس وقت جو

لوگ میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں میرے لواحقین بھی شامل ہیں اور میرے لشکر کے سرکردہ سالار بھی۔ ان لوگوں سے میرا کوئی پردہ نہیں جو کچھ کہنا ہے ان کی موجودگی ہی میں کہو۔

اس ناظر نے بغیر کسی تمہید کے جھٹ کہہ دیا۔ اے آقا! شہزادہ خلیل نے ایران سے آنے والی اور حرمِ سرا میں کام کرنے والی لونڈی شاری ملک کے ساتھ خفیہ طور پر شادی کر رکھی ہے۔

یہ خبر سن کر تیمور نے مدھم آواز میں اس ناظر سے کہا۔ اب تم جاؤ۔ تم نے مجھے ایک محتاط کر دینے والی خبر سنائی ہے۔

وہ ناظر جب باہر نکل گیا تو تیمور کی حالت غصے اور غضب میں یک بیک بدل کر رہ گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے سارے ذائقے کڑوے اور کیلے ہو گئے ہوں اس کی آنکھوں میں غصے کا ایک طوفان انگڑائیاں لینے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر نفرت نفرت و ناپسندیدگی کی آنکھوں کا نزول ہونے لگا تھا۔ اس خبر پر اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ رات کی سانسوں اور ہاتھوں کی پڑتی لکیروں کی طرح چپا در خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ تیمور نے اپنی گردن سیدھی کی۔ وہاں بیٹھے لوگوں پر ایک خوف برساتی نگاہ ڈالی۔ اس کی حالت ابھی تک اُجاڑ چٹیل اور اُداس ویرانوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہ خاموش تھا گویا اس کی زبان پتھر ہو گئی ہو اور وہ ابھی تک غصے کے خونخوار اور وحشی بہاؤ کا شکار تھا۔ پھر تیمور نے اپنے آپ کو کسی قد سنہنہالا اور سبجان خیز سی آواز میں اس نے وہاں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ تم لوگ جاؤ اور مجھے اس موضوع پر سوچنے دو۔

سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور باہر نکلنے لگے تھے۔ جب سب سے آخر میں سیف الدین، نور الدین، محمد سلطان اور پیر محمد بھی باہر جانے لگے تو ان چاروں کو تیمور نے آواز دے کر بلایا اور افسردہ لہجے میں اس نے کہا۔ تم چاروں بیٹھو۔ اس

موقع پر میں تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔“

جب وہ چاروں دوبارہ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تب تیمور نے افسر و لہجے میں انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! اس خلیل نے اپنے روئے سے مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔ یہ بالکل اپنے باپ میرا شاہ کے راستے پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن میں اسے بے راہ رو نہ ہونے دوں گا۔ میں اپنے اس خون کو خراب اور ذلالت میں ملوث نہ ہونے دوں گا۔ محمد سلطان! تم ابھی اور اسی وقت اپنا کوئی آدمی سمرقند روانہ کرو۔ اس کے ذمے تم یہ کام لگاؤ کہ وہ میرے سمرقند پہنچنے سے حالات کا پوری طرح جائزہ لے اور یہ بھی جاننے کی کوشش کرے کہ خلیل اور شاری ملک سے متعلق یہ خبر کہاں تک درست ہے۔“

میں چاہتا ہوں کہ جس وقت میں سمرقند میں داخل ہوں۔ اسی وقت مجھے اس واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ میں اصلیت جان سکوں اور اگر اس واقعہ میں کوئی سچائی ہو تو خلیل اور شاری ملک دونوں کو اپنے رو برو بلا کر دونوں کو کڑی سزا دے سکوں۔ اس لیے کہ کسی صورت میں یہ پسند نہ کروں گا کہ آل تیمور کا کوئی شہزادہ حرم کی کسی معمولی کنیز سے شادی کرے اور وہ بھی شاری ملک جیسی کنیز سے جو اس سے پہلے رقاصہ رہی اور نہ جلنے کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی سیف الدین کے ذریعے سمرقند پہنچ گئی۔ اے سیف الدین! کاش تم ایران سے صرف نور الدین کو ہی اپنے ساتھ لے کر آئے ہوتے۔“

اس موقع پر سیف الدین نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں تو آپ کے حضور آپ کی خوشنودی کے لیے ایک رقاصہ ہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا“ لیکن آپ نے اسے حرم سرا کی کنیز بنا دیا۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک کنیز کی حیثیت سے وہ اس قدر طوفان کھڑا کر دے گی؟“

تیمور نے اس بار سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! گواہ رہنا کہ میں شاری ملک کے خلاف کارروائی کرنے میں حق بجانب ہوں۔ اب

تم سب جاؤ اور مجھے اس سے متعلق سوچنے کے لیے تنہا چھوڑ دو۔ اس کے ساتھ ہی تیمور گہری سوچوں میں کھوہ گیا تھا۔ جب کہ سیف الدین، نور الدین، شہزادہ محمد سلطان اور پیر محمد وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ اس وقت تیمور کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے خشمناک فطرت میں سوگ کا عصاب جیسے دن رات کی افیت کے اندر پھیلتا ہوا نفرتوں کا زہر۔



گہری ٹھہرتا رکیوں میں لپٹی سرما کی مندی رات بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ گیہوں کے جھومتے پودے، سفیدے کے اُدچے درخت اور چوں سے بے نیاز سونے اُتجار چُپ اور خاموش تھے۔ ایسے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا شہزادہ خلیل کے خیمے میں داخل ہوا اور شہزادہ خلیل کو اس نے مخاطب کر کے کہا: "اے آقا! غضب ہو گیا۔ امیر تیمور کے ایک ناظر نے امیر کے کانوں میں یہ خبر ڈال دی ہے کہ شہزادہ خلیل نے شاری ملک کو اپنی بیوی بنا لیا ہے اور اس وقت غصے میں امیر تیمور کی حالت موت کے پیغامبر اور وحشی جلاو کی سی ہو رہی ہے۔ اس معاملہ میں شاید وہ آپ سے تو کوئی باز پُرس نہ کریں لیکن سزا کے طور پر شاری ملک کو ضرور قتل کر دیں گے۔ اور اے آقا! آپ کے دادا نے محمد سلطان کے ذریعے ایک شخص کو سمرقند کی طرف روانہ بھی کیا ہے کہ وہ ان کے سمرقند پہنچنے تک حالات کی حقیقت جان کر رکھے اور انہیں شاری ملک کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں آسانی نہ ہو۔ اگر ہم نے کوئی قدم نہ اٹھایا تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں خبر تک نہ ہوگی اور شاری ملک کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔"

خلیل نے چونک کر کہا: "نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ تم ابھی اور اسی وقت سمرقند روانہ ہو جاؤ۔ وہاں شاری ملک سے ملو اور میری طرف سے اسے یہ پیغام دو کہ وہ فوراً سرائے مکفون کے مالک سودون کے پاس پناہ لے لے اور جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے وہ اسی سرائے کے اندر ہی رہے گی اور میں اسی سرائے

میں اس سے ملتا رہوں گا۔ اب تم فوراً یہاں سے سمرقند کی طرف کوچ کر جاؤ۔ شہزادہ خلیل کے اس ذاتی ناظر نے جواب میں کچھ نہ کہا اور اپنے سر کو وہ خم کرتا ہوا نیچے سے نکل گیا تھا۔



سمرقند شہر میں جس وقت رات اپنی بساط لپیٹ رہی تھی اور صبح اپنی پوری عظمت و سر بلندی کے ساتھ نمودار ہو کر اپنی روشنی اپنے نور سے وہاں کے بھنود اور رات کے رجال غائب کو مار بھگا رہی تھی۔ اس وقت شہزادہ خلیل کا ناظر سمرقند کے شاہی حرم سرا کے پاس آیا اور پھر اس عمارت کے ایک کمرے کے دروازے پر اس نے رازدارانہ دستک دی جس عمارت کے اندر حرم کے اندر کام کرنے والی کنیزیں رہا کرتی تھیں۔ پہلی ہی دستک پر اندر سے سرگوشی کے انداز میں آواز سنائی دی کون ہے؟ اس ناظر نے بھی رازدارانہ لہجے میں کہا۔ اے شاری ملک میں شہزادہ خلیل کا ناظر ہوں۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ دروازہ کھولیں۔ میں شہزادہ خلیل کی طرف سے آپ کے لیے ایک انتہائی اہمیت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا اور شاری ملک اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ دروازے پر کھڑی تھی۔ ناظر کو اس نے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا۔ پھر اس نے اسے پہچان لینے کے بعد کہا۔ اندر آ جاؤ اور کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ وہ ناظر اندر داخل ہوا۔ سورج چونکہ ابھی تک طلوع نہ ہوا تھا لہذا فضاؤں کے اندر ابھی تک ہلکی ہلکی تاریکی تھی۔ کمرے کے اندر جلتی ننھی سی شمع کی روشنی میں وہ ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں شاری ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے شاری ملک! میں آپ پر یہ انکشاف کر رہا ہوں کہ امیر تمغور کے کسی ناظر نے اسے اطلاع دی ہے کہ شہزادہ خلیل نے خفیہ طور پر آپ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ لہذا اس انکشاف پر وہ سخت برہم ہیں۔ انہوں نے شہزادہ محمد سلطان کے ذریعے ایک شخص کو سمرقند کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ وہ ان کی آمد سے پہلے اس واقعے کی

حقیقت کا جائزہ لے اور اگر یہ تجربہ ہو تو امیر تمبور یقیناً تمہاری گردن زدنی کا حکم دے دیں گے۔ اس انگٹاف کی اطلاع میں نے شہزادہ خلیل کو دی اور انہوں نے مجھے آپ کے نام یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ فی الفور مکفون نام کی سرائے میں منتقل ہو جائیں اور وہیں شہزادہ خلیل آپ سے ملتے رہیں گے۔ میں محمد سلطان کے آدمی سے پہلے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ لہذا آپ ابھی اور اسی وقت سرائے مکفون میں منتقل ہو جائیں ورنہ امیر تمبور کسی بھی صورت آپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

اس ناظر کی گفتگو سن کر شاری ملک کے ایک طرح سے اوسان خطا ہو کر رہ گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ خشنماک فطرت اور جان کنی کے لمحات کا شکار ہو کر نزع کی صورت حکایات اور پرانے توہمات میں مبتلا ہو گئی ہو۔ وہ رات کے سنان صحرا ویران گھونسلے جیسی اداس و افسردہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ روح کی ذلت و ننگ اور خواہشوں کے فشار پر انگنگی کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکا کر اس نماز میں سوچوں کے اندر کھوئی رہی گویا اس کی نبض حیات رکنے کو ہو اور ساز بہتی کر رہ اُٹھے ہوں۔

چند ثانیوں تک اس پر حیرت کدہ کا لرزاں عالم طاری رہا۔ پھر وہ سنبھلی اور بولی: "میں ابھی اور اسی وقت سرائے مکفون کی طرف چلوں گی۔" اس کے ساتھ ہی شاری ملک اپنی ضروریات کی اشیاء اور کپڑے ایک بڑی چرمی خرچہ میں ڈالے پھر وہ اپنے اس کمرے سے نکل کر شہزادہ خلیل کے ناظر کے ساتھ ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کہ سورج طلوع ہونے کے قریب ہی تھا۔ وہ ناظر اور شاری ملک دونوں سمرقند شہر کے جنوبی حصے میں مکفون نام کی سرائے میں داخل ہوئے شاری ملک کو اپنی سرائے کے احاطے میں دیکھتے ہی سرائے کا مالک مودودن اپنے کمرے سے بھاگتا ہوا نکلا۔ آگے بڑھ کر اس نے گرم جوشی سے شاری ملک کا استقبال کیا اور بڑی تکریم اور سازداری میں اس نے پوچھا: "اے مستقبل کی ملکہ! یہ کیا معاملہ ہے جو آپ صبح ہی صبح میری سرائے میں دکھائی دے رہی ہیں؟"

شاری ملک سودوں کی طرف سے مستقبل کی ملکہ کے الفاظ سن کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ تحسین آمیز اور توصیفی انداز میں اس نے سودوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طرح کی اپنائیت اور نرمی میں کہا۔ "اے سودوں! پہلے اپنے کمرے میں چلو۔ پھر میں تمہیں پیش آنے والے حالات سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کرتی ہوں۔" اس پر سودوں خاموش رہا اور ان دونوں کو لے کر وہ اپنے ذاتی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ جب وہ ناظر اور شاری ملک دونوں سودوں کے ذاتی کمرے میں اس کے سامنے بیٹھ گئے تب سودوں نے شاری ملک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اب آپ بتائیں کہ کن حالات میں آپ کا اس طرف آنا ہوا؟"

جواب میں شاری ملک نے جب سرائے میں آنے کی وجہ بیان کی تو سودوں نے اس کی ہمت افزائی اور حوصلہ مندی کے لیے اپنی آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "حالات خواہ کیسے ہی دیگر گوں کیوں نہ ہوں۔ اب جب کہ آپ سودوں کی سرائے میں ہیں تو آپ کو کسی بھی طرح کی فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سرائے اب آپ کے لیے ایک محفوظ ترین قلعہ ثابت ہوگی۔"

تھوڑی دیر رک کر سودوں شاری ملک کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ "اے مستقبل کی ملکہ! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جس میں آپ نے رہنا ہوگا۔"

شاری ملک اور ناظر دونوں اٹھ کر سودوں کے ساتھ ہو لیے تھے۔ سودوں ان دونوں کو ایک خوب صورت اور آراستہ کمرے میں لایا اور شاری ملک سے کہا۔ "آج سے یہ کمرہ آپ کی رہائش گاہ ہوگا اور اس میں آپ کو ضرورت کی ہر شے میسر ہوگی۔"

شاری ملک سودوں کے ساتھ اس کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ اس موقع پر ناظر نے اجازت طلب کرنے کے انداز میں کہا۔ "اے خادم! اگر اجازت دیں تو میں اب جاؤں اور شہزادہ خلیل کو اطلاع کر دوں کہ آپ بخیریت حرم سے سرائے مکفون میں منتقل ہو گئی ہیں۔"

قاری ملک نے پرسکون انداز میں کہا : ہاں ! اب تم جاؤ اور اس کے ساتھ ہی وہ ناظر وہاں سے چلا گیا تھا ۔

سودون شاری ملک کو اس کمرے کی شرقی دیوار کے پاس لے گیا جو خوبصورت لکڑی کی بنی ہوئی تھی جس پر نقش و نگار کا کام کیا ہوا تھا ۔ لکڑی کی اس دیوار کے اندر ایک الماری بنی ہوئی تھی ۔ جس کے اندر مٹی ، چاندی اور شیشے کے گھریلو استعمال کے برتن رکھے ہوئے تھے ۔ اس الماری کو سودون نے جب بائیں طرف دھکیلا تو الماری اپنی جگہ سے سرک گئی اور وہاں اس کے پیچھے سیڑھیاں نمودار ہوئی تھیں ۔ ان سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سودون نے کہا : ” اے خانم ! یہ سیڑھیاں نیچے تہ خانے کی طرف جاتی ہیں اور تہ خانہ بالکل دلیسا ہی ہے جیسا آپ یہ کمرہ دیکھ رہی ہیں ۔

خطرے کی صورت میں اس الماری کو بائیں طرف دھکیل کر اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے اور جب یہ سیڑھیاں نمودار ہوں تو الماری کو پشت کی طرف پھر بائیں طرف دھکیل کر اپنی اصل جگہ پر کر کے نیچے تہ خانے میں اتر جانا چاہیے ۔ سودون نے الماری کو دھکیل کر دوبارہ اپنی جگہ پر کر دیا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس نے پھر کہا ۔

” اے خانم ! آپ چاہے اس کمرے میں رہیں چاہے تہ خانے کے اندر میرے ملازم ہر جگہ آپ کو ضرورت کی ہر شے مہیا کرتے رہیں گے ۔ میں اب جاتا ہوں اور آپ کے لیے کھانا بھجواتا ہوں ۔ اس کے بعد آپ مطمئن اور پرسکون ہو کر آرام کریں ۔ اس لیے کہ یہ سمرقند کا شاہی حرم نہیں سودون کی سرانے ہے ۔“ اس کے ساتھ سودون وہاں سے نکل آیا اور شاری ملک مسہری پنیم دلازسی ہو کر سرائے کے اس مزین اور آراستہ کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی ۔



تیمور جب اپنے شکر کے ساتھ سمرقند میں داخل ہوا اور شہزادہ محمد سلطان کے آدمی نے یہ خبر دی کہ شاری ملک اچانک ہی ایک رات حرم سرائے سے غائب ہو گئی

ہے، تو اسے ایک طرح سے اطمینان سا ہو گیا۔ شاری ملک کے یوں بھاگ جانے پر تیمور کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ شہزادہ خلیل کے ساتھ ضرور ملوث رہی ہے۔ تاہم وہ اس انکشاف پر بھی مطمئن تھا کہ شاری ملک بھاگ کر کہیں چلی گئی ہے۔

ان حالات میں تیمور نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس نے شاری ملک سے متعلق کوئی حکم جاری نہ کیا اور نہ ہی اس نے شہزادہ خلیل سے کسی طرح کی باز پرس کی۔ تاہم سمرقند کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اس واقعے کی خبر ضرور ہو گئی تھی۔



استقف یوحنا اور اس کی بیوی مالتھس اپنے دیوان خانے میں بیٹھے گھر بیرون پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان کی بیٹی انجیلینا وہاں داخل ہوئی۔ وہ قبروں پر ٹمٹماتے دیوں جیسی ویران، کڑوی یادوں جیسی مایوس اور دلدل کی جھاؤ جیسی آواز ہو رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اپنا سر اس نے سکون کی خاطر نشست کی پشت پر ٹکا دیا تھا اور انتہائی بے بسی کے انداز میں وہ کمرے کی چھت کو گھورنے لگی تھی۔

یوحنا اور مالتھس دونوں نے دیکھا اس موقع پر انجیلینا کے چہرے پر ایک عیسانی سی کیفیت طاری تھی جب کہ اس کی آنکھوں میں حقارت و برہمی کے طوفان اُڑ رہے تھے اس موقع پر انجیلینا کی حالت ایسی ہو رہی تھی گویا وہ گہری گھمبیر سیامیوں، سرد ٹھٹھری رات اور اجاڑ اجاڑ ویرانوں کے اندر ایک طویل اور اذیت دہ سفر طے کر کے آئی ہو۔

کچھ دیر تک انجیلینا بوہتی چھت کی طرف دیکھتی رہی اور کمرے کے اندر ظلمت کی گہرائیوں اور سوزش و اضطراب سے بھرپور کیفیت پچائی رہی۔ پھر یوحنا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے شفقت اور محبت سے بھرپور آواز میں پوچھا۔ اے بیٹی کیا بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں، تو آواز پریشان اور ویران و بکھری سی ہے۔ کیا کسی نے تجھے کچھ کہا ہے۔ کیا کسی نے اپنے ناروا سلوک سے تیرا دل توڑا ہے۔

یوحنا کی اس ہمدردانہ مشفقانہ گفتگو پر انجیلینا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی منگنی اور نسبت کی انکسری اتاری اور نفرت

بھرے انداز میں اس نے اس انگشتی کو یوحنا اور ماتھس کے سامنے بھرپور نفرت میں پھینک دیا اور زہر بھرے انداز میں وہ بولی -

”اے میرے باپ! میری نسبت کی یہ انگشتی واپس کر دیجئے - میں خلیل جیسے آوارہ مزاج، بدکار اور بدی کی حیوانی طلب رکھنے والے انسان سے شادی نہیں کر سکتی میں گناہوں کے گماشتے کو اپنی زندگی کا ساتھی، ایک بدکردار انسان کو اپنی تقدیر کا مالک اور ایک سیاہ سیرت جوان کو اپنا رفیق اور دروشتا نہیں بنا سکتی۔“

یوحنا نے اس بار چونک کر نہ کے انداز میں پوچھا - ”یہ تجھے کیا ہو گیا بیٹی! تو اس وقت کہاں سے آرہی ہے اور کیسی تاریک مستقبل والی گفتگو کر رہی ہے۔“

یوحنا کے اس استفسار پر انجیلینا نے پھر زہر بھرے انداز میں کہا - ”اے میرے باپ! آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھ سے چھپائے رہے ہیں - میں پہلے ایک مسلمان لڑکی کی شادی میں شامل ہوئی تھی - وہاں لڑکیوں نے مجھ پر انکشاف کیا کہ خلیل حرم کی کنیز شاری ملک کو اپنی بیوی بنا چکا ہے - اس کے علاوہ وہ کئی دیگر لڑکیوں کے ساتھ ملوث رہا ہے -

اس شادی میں شرکت کے بعد میں کلیسا گئی وہاں میری ملاقات نائیا سے ہو گئی - اس نے بھی ان خبروں کی تائید کی بلکہ یہ انکشاف بھی کیا کہ خلیل اس پر بھی بُری نگاہ رکھتا ہے - اسے کئی بار شادی کی پیش کش کر چکا ہے لیکن وہ نائیا کے ساتھ زبردستی اور خفیہ شادی بھی نہیں کر سکتا - اس لیے کہ نائیا امیر نور الدین کو پسند کرتی ہے - اس کا امیر نور الدین کے پاس آنا جانا ہے اور بزدل و بے غیرت خلیل امیر نور الدین جیسے بختہ کردار اور ستم کی رات جیسی جسمانی طاقت و قوت رکھنے والے انسان سے ڈرتا ہے اے میرے باپ! خلیل گناہوں کی ہولناک ابتلا اور بدی کی سیاہ تقدیر ہے جسے میں کسی بھی صورت اپنا نہیں سکتی -

اے میرے باپ! خلیل جنہی ناگوں کی وہ چھنکا رہے جس کے اندر کوئی بھی شریف لڑکی گزارہ نہیں کر سکتی - اب یہ انگشتی امیر تیمود کو واپس کر دیں اور انہیں صاف اور

واضع طور پر بتادیں کہ آج کے بعد خلیل کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسقف یوحنا چند ثانیوں تک گردن مٹھکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے افسردہ نگاہوں سے انجیلینا کی طرف دیکھا اور بولا۔ اے میری بیٹی! میں جانتا تھا کہ خلیل کس خلاق و کردار اور سیرت کا انسان ہے لیکن تو چونکہ اس سے شادی پر رضا مند ہو گئی تھی لہذا اس کے عیب ظاہر کر کے میں تمہارا دل توڑنا نہ چاہتا تھا۔ اسی بنا پر میں نے خاموشی کے ساتھ تمہاری نگہیں خلیل سے ملے کر دی۔

اے میری بیٹی! میں تو دل سے چاہتا تھا کہ تمہاری شادی نور الدین کے ساتھ ہو جس روز وہ ایک غلام کی حیثیت سے امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ میں نے اس روز ہی اس کی آنکھوں میں کیتائی کی تلاش و جستجو کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔ اس روز ہی اس کی خاموشی اور نیچی نگاہوں کی حیا کے اندر میں نے گہلوں کا خروش اور مصر کا جوش دیکھا تھا۔

اے میری بیٹی! جس روز نور الدین کو امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور بھرے دربار میں مقابلے کے دوران اس نے آق بوزا کو لمحوں کے اندر اپنے زیر کر دیا تھا میں نے اس روز ہی اندازہ لگایا تھا کہ نور الدین آتشیں سرف کی داستان درویشان اور جرات و عزیمت کا افسانہ درافسانہ ہے۔ اسی بنا پر اے میری بیٹی! میری خواہش تھی کہ تمہاری شادی نور الدین کے ساتھ ہو جائے لیکن تم نے نہ صرف نور الدین کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اے غلام ابن غلام کہہ کر اس کی بے عزتی اور اہانت کی لیکن وہ ایسا نیک نفس انسان ہے کہ قدرت حاصل کرنے کے باوجود اس نے اپنی اس اہانت کا انتقام نہیں لیا۔

اے میری عزیز بیٹی! تو دیکھتی ہے کہ غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں داخل ہونے والا نور الدین آج نہ صرف شیخ بلکہ امیر نور الدین کہہ کر پکارا جانے لگا ہے۔ اب ہر کوئی جانتا ہے کہ امیر نور الدین کی انگلیوں میں مناعی، بازوؤں میں قوت اور دلوں میں بے باکی ہے۔ جنگ کے دوران میں نے اس کی رگوں میں بجلیاں، دل میں ٹرپ

آنکھوں میں حوصلوں کے انگارے اور چہرے پر مبندی و پستی پر حاوی ہو جانے والے
موجوں کے تھپیڑے دیکھے ہیں۔

اے میری بیٹی ! امیر نور الدین اجل کا ایسا راز دان ہے۔ سرکشوں کی سرکشی،
غلاموں کے ظلم اور باغیوں کی بغاوتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دینے والا نوجوان ہے۔
کاش تم نے اس سے شادی کر لی ہوتی تو آج میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین
انسان سمجھ رہا ہوتا۔

اے بنتِ نہربان ! تو دیکھتی ہے کہ وہی غلام ابن غلام نور الدین امیر تیمور کا
سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور نڈر جرنیل ہے۔ اب وہ ایک ایسا جوان ہے۔ جو
صدیوں کے روگ سے نجات دینے والا، اُجڑا ویرانوں کو رونق اور سنسان جنگلوں کو
عظمت دینے والا جوان ہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات میں منفرد بلکہ دشمن کی رگ رگ
میں چنگاریاں، نفس پیاس اور رُوح میں اضطراب بھر دینے والا جوان ہے۔ کاش !
اے میری بیٹی ! کاش تو نے بدکار خلیل کے بجائے امیر نور الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی
چنا ہوتا۔

اسقف یوحنا کچھ دیر تک گردن جھکائے گہرے غم گین انداز میں فکر مند سوچوں
میں کھویا رہا۔ پھر اس نے گردن سیدھی کی۔ غور سے اپنی بیٹی انجیلینا کی طرف دیکھا، اور
پریشانیاں بکھیرتی ہوئی آواز میں اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ 'اے میری بیٹی ! کاش تو
نے نور الدین کے محلے میں بے حسی اور لا پرواہی سے کام نہ لیا ہوتا۔ کاش تو نے
نور الدین کو پہلے روز ہی نفرت کے زہر، دن رات کی اذیت، کٹرین و تنگ نظری سے
نہ نوازا ہوتا۔

یوحنا ذرا خاموش رہ کر پھر بولا۔ 'اے بیٹی ! کیا تو نے کبھی پڑھتی ندی کا طوفان
بجتی گت کا جڑھاؤ، قامت کا تصناد اور نغموں کے الاپ کا عروج دیکھا ہے۔ اگر نہیں
دیکھا تو نور الدین کا بغور جائزہ لے۔ وہ ان سب پر پورا اُترتا ہے کہ وہ ایک غلام
کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوا اور آج وہ ایک جوان ہے جس پر امیر تیمور

سب سے زیادہ اعتماد بھروسہ کرتا ہے۔

بوڑھا نصرانی خاموش ہو گیا اور فکر مندی میں اس کی گردن پھر جھک گئی تھی۔ اینجلینا اپنے باپ کی اس گفتگو سے بے حد متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے اندر ماضی کے تمام نقوش، بے انت بھنوسوں کے قص کی طرح ناچ اٹھے تھے۔ اس کے چہرے پریشانی کی کوندے پکاتی گھٹائیں اٹھانے لگی تھیں۔ اس کے تن میں اڑتی راکھ کے ذروں کی مانند تڑپتی تمناؤں کا ہجوم تھا اور اس کے دل کی کوری مٹی میں ویران خوابوں کے اندر تنہائیوں کی گہری پیاس سر اُجھارنے لگی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی کا ایسا ہی سماں طاری رہا۔ پھر اینجلینا نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، مترنم خوابوں کی سی نقری آواز، لہجے کی گہری کھنک اور اس کھنک اور نقری آوازیں ملی ہوئی دکھتے دل کی جلیں میں اس نے اسقف یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے میرے باپ! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں امیر نور الدین کے پاس جاؤں اور ان سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگ لوں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے اور اگر وہ فی الفور مجھے سے راضی نہ ہوئے تو اے میرے باپ! مجھے اُمید ہے کہ میرے بار بار ملنے سے ایک روز میں ضرور انہیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی اور میں پُر اُمید ہوں کہ خلیل کے باعث ہمیں جو دکھ اور صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ وہ امیر نور الدین کی قربت کے باعث جاتا رہے گا۔“

اینجلینا جب خاموش ہوئی تو یوحنا نے کہا۔ ”اے میری بیٹی! میں سمجھتا ہوں کہ امیر نور الدین کی طرف رجوع کرنے کے لیے اب بہت دیر ہو چکی ہے اور پولینڈ بحر نیل یوگرین کی بیٹی ناسیا اب امیر نور الدین کے اس قدر قریب جا چکی ہے، کہ شاید اب تم امیر نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکو۔“

یوحنا کے اس انکشاف پر تھوڑی دیر کے لیے اینجلینا کے چہرے پر نگاہوں کی اُداسی کافسوں، بنجر کھیت اور ویران بستیوں جیسا سماں بکھر گیا تھا۔ پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے چہرے پر فوراً اس نے اک طلسم رنگ و بو پھیلایا۔

ہوئے کہا۔ 'اے میرے باپ! آپ مطمئن رہیں، میں جانتی ہوں امیر نور الدین ناسیہ کو پانا سیا امیر نور الدین کو پسند کرتی ہے۔ میں ان دونوں کی راہ میں دیوار بننے کی کبھی بھی کوشش نہ کروں گی۔ میری سعی تو یہ ہوگی کہ میں امیر نور الدین کو اس پر آمادہ کر لوں کہ وہ ناسیا کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنائیں اور اگر امیر نور الدین ایسا کرنے پر رضامند ہو گئے تو میں سمجھوں گی کہ مجھے دنیا کی سب سے اہم اور قیمتی متاع مل گئی ہے اور اس مقصد کے لیے اے میرے باپ! میں ابھی اور اسی وقت امیر نور الدین کی طرف جا رہی ہوں اور اس موضوع پر ان سے گفتگو کرونگی اور ان سے میں اپنے ماضی کے رویے کی معافی بھی مانگ لوں گی۔

انجیلینا کی ماں ماتھس جو اب تک خاموشی کے ساتھ اپنے شوہر یوحنا اور بیٹی انجیلینا کی گفتگو سنتی رہی تھی وہ اب پہلے بار اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ 'اے میری بیٹی! تو ضرور امیر نور الدین کی طرف جا لیکن وہاں تو احتیاط برتنا۔ اس کے ساتھ بحث و تکرار اور تلخ کلامی سے بچنا۔ اگر نور الدین تیرے نقطہ نظر سے اتفاق نہ کرے، تجھ سے وہ راضی نہ ہو اور تیری بات ماننے سے انکار کر دے تو پھر تو فکر مند اور مایوس نہ ہونا۔ کیونکہ برسوں کے یہ روگ ایک ہی ملاقات میں دُور نہیں کیے جا سکتے۔ تو امیر نور الدین کے ساتھ ملتے رہنے اور ملاقات کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا مجھے امید ہے تیری یہ ملاقاتیں رنگ لائیں گی اور ایک روز تو ضرور نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور اس طرح مبر و محمل سے کام لے کر تو اپنی ہار کو اپنی جیت اور فتح مندی میں بدل سکتی ہے۔ اے میری بیٹی —

ماتھس کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ کیوں کہ اچانک شہزادہ خلیل اس کمرے میں داخل ہوا تھا جس میں یوحنا، انجیلینا اور ماتھس بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیل کو دیکھتے ہی انجیلینا کی حالت آتش فشاں اور ہیجان انگیز سی ہو گئی تھی۔ اس نے فوراً جھلس دینے والی آگ اور بجلیوں کی لپکتی زبان کی مانند بولتے ہوئے خلیل سے کہا۔ 'اس معمولی رفاہ اور کنیز شاری ملک کے ساتھ شادی کر لینے کے بعد اب تم یہاں کیا کرنے آئے ہو میں

تمہارے ساتھ نسبت کی انگوٹھی واپس کر چکی ہوں اور — خلیل درمیان میں بولا اور کسی قدر نرمی اور چاہت میں اس نے پوچھا۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیا کہہ رہی ہو اینجلینا!

اینجلینا آہنی عزم و استقلال میں شور مچاتی آشار کی طرح ہول انگیز میں بھڑک اٹھی تھی اور اپنی چمکتی نمونی آنکھیں اس نے خلیل کے چہرے پر گارتے ہوئے قوت قاہرہ اور طوفانی تاخت کی مانند کہا۔ "اے ملعون و مضموم انسان! تمہارے ساتھ منگنی کا یہ تعلق ستم کی رات اور تلخ و تاریک خواب ثابت ہوا۔"

اینجلینا ذرا رُک کی پھر وہ ظالم کی ستم ظریفی کی طرح بھڑک اٹھی۔ "تم ایک بد کردار، بے اخلاق اور گندی بھرت کے انسان ہو، یہاں سے دفع ہو جاؤ، میں تمہارے ساتھ اپنی نسبت توڑ چکی ہوں۔ آج سے تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔" خلیل شاید اپنی اس امانت کو برداشت نہ کر سکا اور غصے میں وہاں سے چلا گیا جب کہ اینجلینا بھی اس کمرے سے نکل کر نور الدین کی طرف چل دی تھی۔





اینگلینا جس وقت نور الدین کی حویلی میں داخل ہوئی اس وقت سیف الدین اور حویلی کا معمر ملازم مرشد اصطبل کے قریب آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اینگلینا نے دور ہی سے سیف الدین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اے عم! کیا امیر نور الدین اندر ہیں۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

سیف الدین نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ ”اے بیٹی! نور الدین اس وقت اپنے کمرے میں ہی ہے۔ تم فوراً جا کر اس سے مل لو۔ شاید وہ تھوڑی دیر تک باہر چلا جائے۔“

اینگلینا جواب میں کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔

اینگلینا جب نور الدین کے کمرے کے سامنے آئی تو اس نے دروازے میں سے دیکھا نور الدین اپنے کمرے میں کہیں باہر جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ اینگلینا دروازہ پر آئی اور موجود کے گیت اور بارش کے سنگیت جیسی اپنی آواز میں اس نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے امیر! میں ایک اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر آ کر آپ کے سامنے بیٹھوں۔“

نور الدین اس موقع پر منہ سے تو کچھ نہ بولا۔ تاہم اس نے خاموشی سے اپنے سامنے ایک نشست کی طرف اشارہ کر دیا۔ اینگلینا نے نور الدین کے اس اشارے کو بھی اپنے لیے سعادت و غنیمت جانا اور وہ کمرے میں داخل ہو کر نور الدین کے سامنے بیٹھ

گئی تھی - پھر وہ نور الدین کو مخاطب کر کے بولی -

’اے امیر! جس روز آپ پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں امیر تیمور کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور آق بونگ سے مقابلہ جیتنے کے بعد امیر تیمور اور میرے باپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ اور میری نسبت طے کر دی جائے ہم میں نے آپ کو غلام ابن غلام کہتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا - میری طرف سے یہ آپ کے لیے انتہا درجے کی بد تمیزی تھی اور آج میں اس بد تمیزی کی معافی طلب کرنے حاضر ہوئی ہوں۔“

نور الدین نے لا پرواہی کے سے انداز میں کہا - ’اے بنتِ یوحنا! میرے معاف کرنے یا نہ کرنے سے تمہاری ذات پر کیا فرق پڑتا ہے اور پھر تمہیں مجھ سے معافی طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ میرا تو کوئی باہمی تعلق اور لین دین ہی نہیں ہے - اینجیلینا نے انتہائی لاچارگی اور بے بسی میں اپنی آواز میں نغموں کا سن اور سعادت کے زمزے بھرتے ہوئے کہا -

’اے امیر! جو نئی بات میں آپ سے کہنے آئی ہوں - اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میری اس بد تمیزی کو معاف کر دیں۔“

نور الدین نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا - ’اے بنتِ یوحنا! میں نے تمہیں معاف کیا - اب کہو تم کیا کرنا چاہتی ہو؟‘

نور الدین کے اس طرح معاف کر دینے پر اینجیلینا خوش دل پرندوں کی چہکارا کر لوں کے ہجوم اور گھاؤں میں کھڑے مسکراتے تختیوں کی طرح خوش اور پرسکون ہو گئی تھی اس خوشی میں اس کا چہرہ متناہ، تن آگینہ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھول برسے لگی تھیں - اسی سکون اور سرخوشی میں اینجیلینا نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا -

’اے امیر! اصل بات کہنے سے قبل میں آپ کے طرزِ خطاب کے خلاف احتجاج کرتی ہوں - آپ دو بار مجھے بنتِ یوحنا کہہ کر مخاطب کر چکے ہیں - جب کہ آپ میرے نام سے واقف ہیں اور بنتِ یوحنا کے بجائے آپ مجھے میرے نام سے اور مجھے اینجیلینا پکار کر بھی مخاطب کر سکتے ہیں۔“

اس پر نور الدین نے بے ساختہ کہا: "اے بہت یوحنا! تم میرے لیے اجنبی ہو پھر میں کیسے اور کیونکر تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر سکتا ہوں؟"

اینجلینا تھوڑی دیر کے لیے ظلمات کے سفر اور محکومیت کی اسیری جیسی افسردہ سی ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس افسردگی پر قابو پا لیا اور اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہوئے وہ بولی۔

"اے امیر نور الدین! آپ جانتے ہیں کہ میری منگنی اور نسبت شہزادہ خلیل کے ساتھ طے ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ خلیل ایک اوباش اور بکرا انسان ہے۔ اس نے نہ صرف حرم کی کنیز شاری ملک کے ساتھ خفیہ شادی چما رکھی ہے بلکہ وہ اس طرح کے اور مخرب الاخلاق اعمال میں بھی ملوث رہا ہے۔ لہذا میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنے اس تعلق کو ختم کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی منگنی اور نسبت کو توڑ دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی گزشتہ بدتمیزیوں اور ناروا سلوک کی معافی مانگتے ہوئے میں آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں۔"

اے امیر! میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش میں نے آپ کے ساتھ تعلق کو استوار کر لیا ہوتا اور آج مجھے یوں ذلالت و گمراہی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

اے امیر! میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ آئندہ آپ کے ساتھ میرا بدیہ ایسا ہی ہوگا جیسا ایک آقا کے ساتھ اس کی کنیز کا ہوتا ہے۔"

اینجلینا خاموش ہو گئی اور منیم کے اس قطرے کی سی حالت میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگی جو لپ گل پر رکا ہوا ہوا اور کسی بھی لمحہ زمین پر گر کر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہو۔ جب کہ نور الدین اس کے سامنے بے حسی کی سرد لاش کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اینجلینا غور سے نور الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت اس بے چاری کی حالت درد کے نیلے رخساروں پر خونِ ناحق کی بونداد نطق سے محروم لبوں جیسی ہو

گئی تھی۔ پھر وہ نور الدین کو مخاطب کر کے بولی۔

”اے امیر! جس روز آپ پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں امیر تیمور کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور آق بونغا سے مقابلہ جیتنے کے بعد امیر تیمور اور میر باپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ اور میری نسبت طے کر دی جائے بہ میں نے آپ کو غلام ابن غلام کہتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ میری طرف سے یہ آپ کے لیے انتہا درجے کی بد تمیزی تھی اور آج میں اس بد تمیزی کی معافی طلب کرنے حاضر ہوئی ہوں۔“

نور الدین نے لا پرواہی کے سے انداز میں کہا۔ ”اے بنتِ یوحنا! میرے معاف کرنے یا نہ کرنے سے تمہاری ذات پر کیا فرق پڑتا ہے اور پھر تمہیں مجھ سے معافی طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ میرا اور تمہارا تو کوئی باہمی تعلق اور لین دین ہی نہیں ہے۔ اینجلیانا نے انتہائی لاجوارگی اور بے بسی میں اپنی آواز میں نغموں کا سن اور سعادت کے زمزے بھرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! جو نئی بات میں آپ سے کہنے آئی ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میری اس بد تمیزی کو معاف کر دیں۔“

نور الدین نے فراغ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے بنتِ یوحنا! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

نور الدین کے اس طرح معاف کر دینے پر اینجلیانا خوش دل پرندوں کی چہکارا کروں کے ہجوم اور ہواؤں میں کھڑے مسکراتے تختل کی طرح خوش اور پرسکون ہو گئی تھی اس خوشی میں اس کا چہرہ منتاب، تن آگینہ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھول برسانے لگی تھیں۔ اسی سکون اور سرخوشی میں اینجلیانا نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے امیر! اصل بات کہنے سے قبل میں آپ کے طرزِ مخاطب کے علاوہ احتجاج کرتی ہوں۔ آپ دوبار مجھے بنتِ یوحنا کہہ کر مخاطب کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ میرے نام سے واقف ہیں اور بنتِ یوحنا کے بجائے آپ مجھے میرے نام سے اور مجھے اینجلیانا پکار کر بھی مخاطب کر سکتے ہیں۔“

اس پر نور الدین نے بے ساختہ کہا: "اے بہت یوحنا! تم میرے لیے اجنبی ہو پھر میں کیسے اور کیونکر تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر سکتا ہوں؟"

اینجیلینا تھوڑی دیر کے لیے ظلمات کے سفر اور محکومیت کی اسیری جیسی افسردہ سی ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس افسردگی پر قابو پا لیا اور اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہوئے وہ بولی۔

"اے امیر نور الدین! آپ جانتے ہیں کہ میری منگنی اور نسبت شہزادہ خلیل کے ساتھ طے ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ خلیل ایک اوباش اور بکرا انسان ہے۔ اس نے نہ صرف حرم کی کنیز شاری ملک کے ساتھ خفیہ شادی چا رکھی ہے بلکہ وہ اس طرح کے اور مخرب الاخلاق اعمال میں بھی ملوث رہا ہے۔ لہذا میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنے اس تعلق کو ختم کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی منگنی اور نسبت کو توڑ دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی گزشتہ بدتمیزیوں اور ناروا سلوک کی معافی مانگتے ہوئے میں آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں۔"

اے امیر! میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش میں نے آپ کے ساتھ تعلق کو استوار کر لیا ہوتا اور آج مجھے یوں ذلالت و گمراہی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

اے امیر! میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ آئندہ آپ کے ساتھ میرا بدیر ایسا ہی ہوگا جیسا ایک آقا کے ساتھ اس کی کنیز کا ہوتا ہے۔"

اینجیلینا خاموش ہو گئی اور شبنم کے اس قطرے کی سی حالت میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگی جو لپ گل پر رکا ہوا ہوا در کسی بھی لمحہ زمین پر گر کر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہو۔ جب کہ نور الدین اس کے سامنے بے حسی کی سرد لاش کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اینجیلینا غور سے نور الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت اس بے چاری کی حالت درد کے نیلے رخساروں پر خونِ ناحق کی بوند اور نطق سے محروم لبوں جیسی ہو

رہی تھی۔ پھر نور الدین کو اپنی طرف مائل اور متوجہ کرنے کی خاطر وہ پھر بولی۔

اے امیر! اگر آپ مجھے اپنی رفاقت میں رکھنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کی سؤنی سؤنی تنہائیوں اور زندگی کی ویلانیوں کو اپنالوں گی۔ آپ کے دروں کو چھین لوں گی، آپ کے زخموں کو چھپالوں گی۔ اے امیر! میں انجیلینا آپ کے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ میں اپنے ہونٹ بھیج کر، اپنے آنسو روک کر آپ کے ہر دُکھ کو آپ سے دُور کر دوں گی۔ اے امیر! میں گھٹی گھٹی مجبوری کی طرح آپ کے ساتھ ایک کنیز بن کر رہوں گی۔

اے امیر! میں عہد کرتی ہوں کہ میں نو خیز حیات اور حُسن کے اس ذائقے کی طرح جسے کسی زبان نے کبھی چکھا تک نہ ہو، آپ کی زندگی کو قابلِ رشک اور خوش گوار بنا کر رکھ دوں گی۔ اے امیر! اگر آپ مجھے اپنانے کا وعدہ دیں تو قسم خدا کے ہر دو جہاں کی میری زندگی کے بے وقعت شکریرے قیبتی اور نایاب یا قوت بن کر رہ جائیں گے۔

بھٹک کر تکی خاموشی، تاروں بھری ڈھلتی رات اور ٹپ ٹپ برتنے آنسوؤں کی طرح خاموش اور آداس بیٹھا نور الدین حرکت میں آیا اور انجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے اس تلخ آواز اور نشتر چلاتے لہجے میں پوچھا۔ اے حبیبہ عجم! کیا تم جیتے برسوں کی گپھا، مُردہ یادوں، ماضی میں الجھی سسکیوں، بھٹکی باتوں اور گزری ہوئی روایتوں اور حکایتوں کو دوبارہ زندہ کر کے حیاتِ انسانی میں جاری کر سکتی ہو۔

اے بنتِ یوحنا! تم سوئی ہوئی یادوں کو سہلانے اور ندامت کے تلخ ذائقوں کو خوشگوار بنانے کی ناکام کوشش اور بے حاصل سعی کر رہی ہو جب تم نے شہزادہ خلیل کے ساتھ تعلقات استوار کیے تھے اس وقت بھی مجھے ان تعلقات سے کوئی علاقہ نہ تھا اور اب جب کہ تم نے خلیل کے ساتھ بے تعلقی اختیار کر لی ہے تب بھی میرا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ خلیل ایک شہزادہ ہے اور میں جلا رقبیلے کا ایک مجھولا بھٹکا اور گنہام غلام۔ میرا ان شہزادوں کی ذاتیات سے کیا رشتہ؟

اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے نور الدین نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔
 'اے رنیت یوحنا! ایک غلام کی حیثیت سے اس بانار بے مہربانے وفامیں میرا
 وجود بے وقعت تنکوں سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ اگر تم نے شہزادہ خلیل سے
 علیحدگی اختیار کر لی ہے تو پھر تم خرد والوں، جنوں والوں، صاحب حیثیت اور صاحب
 رتبہ و عالی مرتبت لوگوں کی طرف رجوع کرو۔ مجھ غلام ابن غلام کے ساتھ رفاقت کا عہد
 کر کے تمہیں کیا حاصل ہوگا۔

اے رنیت یوحنا! مجھے وصال و ہجر کے قصوں، شوخی گفتار کے رنگوں، رات
 کی گلزار ساعتوں اور حرض مال و منال سے کوئی دل چسپی اور رغبت نہیں ہے۔ تمہارے
 ساتھ تعلق کی توقع کا وہ قصہ اب پُرانا ہو چکا ہے اور میں اب کھل کر تم سے یہ کہتا
 ہوں کہ میں تمہاری ضرورت محسوس نہیں کرتا اور میں یہ بھی پسند نہ کروں گا کہ تم اس
 موضوع پر مجھ سے گفتگو کرو۔

نور الدین کے اس جواب پر انجیلینا کی حالت یکسر بالوں کی برہمی، بجھی
 ہوئی قندیل اور دھواں دھواں شام جیسی ہو گئی تھی۔ پھر شاید وہ آخری امیدوں
 کا دامن تھکتے ہوئے بولی تھی۔ 'اے امیر! میں جانتی ہوں آپ پولینڈ کے یوگرین کی
 بیٹی نائسیا کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے میری ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ پر اے امیر!
 میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نائسیا کو اس بات پر رضامند کر لوں گی کہ ہم دونوں
 اتفاق و اتحاد کے ساتھ آپ کی رفاقت میں خوش گوار زندگی بسر کر سکیں۔ اگر نائسیا
 بات پر رضامند ہو جائے تو پھر آپ کو میرا ساتھ اور میری رفاقت قبول کرنے پر کیا
 اعتراض ہو سکتا ہے۔

اے امیر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کو چپ کے گہرے بھید
 جیسا پرسکون، علموں کے حلیم جیسا خوشگوار اور سرشاری و اطمینان کی ٹھنڈی پرسکون
 سانوں جیسا خوش رکھوں گی۔ اگر اب بھی آپ نے انکار کر دیا تو اے امیر! میری
 زندگی کا ہر لمحہ قدم قدم جہنم اور ظلم و افلاس کے مارے ضمیر جیسا ہو کر رہ جائے گا۔

اینجیلینا کہتے کہتے رُک گئی۔ پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا سائی کر اس نے اچانک جھک کر نور الدین کے پاؤں پکڑ لیے اور سسکتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔
 ”اے امیر! مجھے یوں ٹھکرا کر میری زندگی کو زنداں کی شام جیسا کر بنا کر نہ بنادیں۔“
 نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے بنتِ یوحنا! اپنے آپ کو ایک غلام کے سامنے اس قدر نہ گرا دو کہ دوبارہ اٹھ نہ سکو۔“

اینجیلینا فوراً اس کی بات کا ٹٹی ہوئی بولی۔ ”اے امیر! آپ میرے لیے غلام نہیں ایک ایسا مہتاب ہیں جس کی روشنی میں اپنے مستقبل کی راہوں کو میں سنوار سکتی ہوں۔“
 نور الدین نے اس بار فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”میں کون ہوں، میں کیا ہوں اپنے متعلق ان سوالات کے جواب میں خوب جانتا ہوں۔ پر ایک بات ضرور اپنے دل پر رکھو کہ میں نہ تمہیں پسند کرتا ہوں اور نہ یوگورین کی بیٹی نائیا کو۔ میں اس قابل ہی نہیں کہ تم اور نائیا میں سے کسی کو بھی اپنی زندگی کا رفیق اور اپنی رُوح کا دمساز بناؤں میری رُوح کے لیے تم دونوں ہی اجنبی ہو۔ لہذا تم دونوں سے میرا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

نور الدین کی اس گفتگو کے جواب میں اینجیلینا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ رنگوں کی ادا جیسی حسین اور آوازوں کی خوشبو جیسی پرکشش نائیا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں نور الدین کے پاس اینجیلینا کو دیکھ کر چند ثانیوں کے لیے اس نے اچنبھے پن کا اظہار کیا۔ پھر اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور رس سا گرمیوں میں ڈوبی اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں اور اس جھکاؤ میں سانسائی کی جان لیوا ادائیگی تھیں۔

اس موقع پر اینجیلینا نے بھی مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور نائیا کو دروازے پر کھڑے دیکھ کر اینجیلینا چونک کر رہ گئی تھی۔ وہ فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور نائیا کی طرف بڑھی۔ شاید وہ نائیا کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس مقصد کے تحت

نور الدین کی طرف آئی ہے۔ پر اینجیلنا ابھی ناسیہا کے قریب ہی گئی تھی کہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ کیونکہ نور الدین کے اس کمرے میں ایک معمر خاتون بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور پاؤں سے ننگی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس بوڑھی عورت نے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے اور منت کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر نور الدین ! اللہ ! شہزادہ خلیل کے خلاف میری مدد کیجیے۔ وہ اپنے تین آوارہ صفت ساتھیوں کے ساتھ میرے گھر میں گھس کر شراب پی رہے ہیں اور اس کے بعد وہ نہ جانے وہاں کیسا گھناؤنا کھیل شروع کریں گے۔“

نور الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس عورت کو مخاطب کر کے اس نے نرمی اور عاجزی میں کہا۔ ”اے خاتون ! اگر تو اور تیرے اہل خانہ شہزادہ خلیل کی بد اعمالیوں کا شکار ہوئے ہیں تو میں تجھے مشورہ دوں گا کہ تو اپنی یہ نازس لے کر امیر تیمور کے پاس جا وہ ایک حکمران اور خلیل کے دادا کی حیثیت سے اس معاملے کا بہتر طور پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ اے خاتون میں تو ایک ملازم ہوں اور جان رکھو کہ ملازم بے چارہ تو ملازم ہی ہوتا ہے۔“ اس عورت نے جواب میں بین کر تی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے امیر ! آپ کی یہ حویلی ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔ اسی لیے میں بھاگی بھاگی آپ کی طرف آئی ہوں۔ گو میں نے اپنے لڑکے کو امیر تیمور کی طرف بھی دوڑایا ہے لیکن نہ جانے کب حاجب میرے بیٹے کو امیر تیمور کے پاس جانے دے اور کب وہ میری مدد کو پہنچے۔ اسی لیے میں خود بھاگی بھاگی آپ کی طرف آئی ہوں۔“

اے امیر ! ہم لوگ آپ کے اخلاق و کردار اور آپ کی عمدہ سیرت کی بنا پر آپ کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ اے امیر ! میں آپ کے پاس ایک بھیڑیے اور ایک زہریلے سانپ کے خلاف مدد حاصل کرنے آئی ہوں۔ کیا اس موقع پر آپ مجھے مایوس نہ کریں گے۔“

اس عورت کی گفتگو پر نور الدین کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر ضرور چلا گیا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہا تھا۔

اس عورت نے پھر روتی ہوئی آواز میں کہا - ”اے امیر! دیر نہ کیجیے۔ میرے ساتھ چلیے اور ان درندوں سے مجھے نجات دیجیے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ ایک نو عمر بیٹے اور چار جوان بیٹیوں کی ماں ہوں۔ کیا اس وقت آپ ہماری مدد کریں گے جس وقت بھیڑیے اپنا غلیظ رقص اور درندے چیر بھاڑ شروع کر چکے ہوں گے کیا آپ اس وقت حرکت میں آئیں گے جب بچیاں بے آبرو اور داغدار ہو جائیں گی۔ جب ہنتا ہنتا گھر برباد ہو جائے گا اور اس کی مقدس چار دیواری کے اندر زندگی کے اسرار کی بارکیوں میں تاریکیوں کے جلوس نکل کھڑے ہوں۔ کیا آپ اس وقت ایک بیوہ کی پکار پر لبیک کہیں گے۔ جب روح کی آخری چمک اور سانس کی آخری رتق بھی ٹوٹ جائے گی۔“ وہ بڑھیا ذرا رکی پھر وہ غیظ و غضب میں طوفان کی طرح کہتی چلی گئی۔

”اے امیر! جب گدھوں کی چونچیں خون آلود ہو جائیں گی۔ جب مفلس و لاجوار کا غم سنگی بچی شائخوں کی طرح عریاں ہو جائے گا۔ جب کفر و الحاد کے گماشتے میری بچیوں کی رگ رگ سے خون چھوڑ چکے ہوں گے۔ اے امیر! اس وقت آپ حرکت میں آئے بھی کیا حاصل جب وقت کی گردش ہماری سانوں کا شعلہ بن جائے گی۔“

اس عورت کی دل ہلا دینے والی گفتگو پر نالسیا اور انجلیٹا ہچکیوں اور سکیوں میں کھل کر رونے لگی تھیں۔ دوسری طرف نور الدین کی حالت بھی آندھیوں کے بے انت طوفان، ریت کے بے کنار گبولوں، عشر ظلمات اور آسیب زدہ بحر فنا جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے ایک سخت جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار کھینچ لی اور صحرا کے شرر بار گبولوں اور فطرت کے ناقابل تسخیر کارکنوں کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔

”اے خاتون! خداوند کے نواہے اسامہ کی قسم! تم نے میرے دل، میری روح اور میرے ضمیر پر ضرب لگائی ہے۔ اے خاتون! میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس موقع پر اگر شہزادہ خلیل کی جگہ خود امیر تیمور بھی ہوتا تو قسم مجھے میرے لانڈال رب کی میں اس کے خلاف بھی تیری پکار پر لبیک کہتا۔ اے خاتون! تو میرے ساتھ آ اور اپنے گھر تک

میری رہنمائی کہ پھر دیکھ میں تیری پنجیوں پر بھونکنے والے کتوں کو کیسے مار بھگاتا ہوں۔“
 نور الدین تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ خاتون اس کی رہنمائی
 ۱ نے لگی تھی۔ ناٹیا اور اینجلینا بھی بھاگتی ہوئی نور الدین کے ساتھ ہوئی تھیں۔
 ہوئی کے صحن میں اب سیف الدین اور مرشد نہ تھے۔ شاید وہ دونوں کہیں باہر جا چکے
 تھے۔ وہ خاتون بھاگتی ہوئی اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے نور الدین
 اینجلینا اور ناٹیا بھی بھاگ رہے تھے۔

پھر وہ بوڑھی ان تینوں کے ساتھ ایک ایسے گھر میں داخل ہوئی جس کے اندر
 نور اور غل غپاٹہ بند ہو رہا تھا۔ پھر وہ بڑھیا نور الدین کو ایک ایسے کمرے میں لائی جس
 کے اندر شہزادہ خلیل اور اس کے بہن ساتھی شراب پینے کے ساتھ ساتھ بُری طرح شور
 بھی مچا رہے تھے۔ جب کہ اس بڑھیا کی چاروں نوجوان لڑکیاں ڈری ڈری، سہمی سہمی
 ہنسی ہنسی اس کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

نور الدین اپنی تلوار لہراتا ہوا رُکے ہوئے یا جوج ماجوج، بہتے پانی کے شور اور
 اندھیوں کے غضب ناک جھکڑوں کی طرح اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس موقع پر
 اس حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے اس کی رگ رگ میں چگاریاں بھڑک اُٹھی ہوں یا —
 ادھر کی حقیقتوں اور وقت کے سمندر میں اور خاموشی کی جھیلوں کے اندر آن گزرتا پھر
 گرنے سے لگن اور تڑپ کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

پھر ان چاروں کو مخاطب کرتے ہوئے نور الدین دھاڑا۔ ذلیل کتو! منحوس
 نڈیلانو! کیا تم یہ سمجھ کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے کہ اس بیوہ اور اس کی نوجوان
 بیویوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اپنے اپنے جام پھینک کر اپنی تلواریں سنبھالو
 تاکہ میں دیکھوں تمہاری بدی کا پھیلاؤ کہاں تک ہے۔ اپنے ہتھیار سنبھالو کہ میں دیکھوں
 اس گھر کی چار دیواری کے اندر تم گناہ بن کر کس قدر گھناؤنی صورت اختیار کر سکتے ہو۔
 خلیل نے غصے میں جام ایک طرف پھینک دیا اور زہر و نفرت بھرے انداز
 میں اس نے کہا۔ اے نور الدین! اپنی حدود کو پھلانگ کر نہ نکلو۔ تو نے آج تک میری

طبیعت کا عملی پہلو نہیں دیکھا۔ قبل اس کے کہ میں قہر الہی کا عکس بن کر تیری ذات کو ریزہ ریزہ اور تیرے جسم کو برباد کر کے لکھ دوں تو یہاں سے دفع ہو جا۔ ورنہ تیری ساری ملکہ پسندی تیری ساری قیامت خیزی دھو کر رکھ دوں گا۔

نور الدین نے خیل کی اس دھمکی آمیز گفتگو کو کوئی اہمیت نہ دی وہ کسی وحشی سوار جنگلی باشندے بے دھڑک لکار اور مہیب گرج کی طرح آگے بڑھا اور خیل کے ساتھیوں پر اس نے طوفانی شور کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ نور الدین کے حملہ آور ہونے کا انداز ایسا سرعیت پذیر اور آندھیوں و زلزلوں جیسا تھا کہ محلوں کے اندر اس نے خیل کے تینوں ساتھیوں کے جسموں پر ایسے زخم لگائے کہ وہ اس کا سامنا کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اب نور الدین ایک تباہ کن سیلاب اور موت کی نگاہ بن کر خیل کی طرف بڑھا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی حالت پر خیل پہلے ہی بدحواس ہو رہا تھا۔ وہ اس اُمید پر تماشا بنی بنا کھڑا ہوا تھا کہ شاید اس کے ساتھی نور الدین کو اپنے سامنے بے بس کر کے رکھ دیں گے لیکن اپنے ساتھیوں کے اس طرح زخم کھا کر بیکار ہو جانے پر اس کی بے بسی اور لاچارگی قابل دید تھی۔

نور الدین نے جب آگے بڑھ کر اس پر وار کیا تو اپنے دفاع میں خیل حرکت میں آیا اور نور الدین کے وار کو اس نے اپنی تلوار پر روک لیا تھا۔ اسی لمحہ نور الدین نے اپنے بائیں ہاتھ کا ایک گھونٹہ خیل کے منہ پر دے مارا اور خیل جکڑ کر زمین پر گر گیا تھا۔ پھر نور الدین پک کر آگے بڑھا اور خیل کے دائیں بازو پر اپنی تلوار سے زخم لگاتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے ساتھیوں کی طرح میں نے تمہیں بھی زخمی کر دیا ہے کہ تم تلوار اٹھا کر سامنا نہ کر سکو۔ گو یہ زخم معمولی ہے لیکن تمہاری انا پر ضرب لگانے کے لیے کافی ہے ورنہ میں چاہتا تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بُری طرح زخمی کر کے بیکار بھی بنا سکتا تھا۔

خیل اپنے ساتھیوں کے قریب بے بسی کی حالت میں کمرے کے فرش پر پڑا تھا کہ نور الدین نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تمہاری بہتری آند

سلامتی اس میں ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اسی لمحہ وہ بڑھیا نور الدین کے پاس آئی اور اس کا بازو کپڑے ہوئے اس نے انتہائی ممنونیت میں کہا۔ "اے امیر نور الدین! خدا کرے تیری آقائی حدود میں توسیع ہو اور خداوند تجھے تخریبی عناصر کے خلاف یونہی ابریت کے رازوں کی طرح حملہ آور ہونے کی توفیق دے۔ تو میرے لیے میرے گھر کی تقدیر بن کر داخل ہوا ہے۔ میں بیوہ تجھے اس کی کوئی جزا کوئی صلہ بجز ممنونیت اور دعاؤں کے کچھ نہیں دے سکتی۔ کاش تو اس شہر کا محاسب ہوتا تو شہزادہ خلیل ہیا کوئی بھی بے ہمار اور بدسرشت انسان درندہ اور بھیڑیا بن کر بے بسوں اور مفلسوں کی عصمت اور خون کا پیاسا نہ ہو سکتا کاش

وہ بڑھیا کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیونکہ اس کمرے کے دروازے پر امیر تیمور نمودار ہوا اس کے ساتھ کھڑا تھا ہے ہوئے اس کا جلا اور چند محافظ بھی تھے۔ شہزادہ خلیل جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکلنے والا تھا وہ اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔ امیر تیمور نے کمال نرمی اور شفقت میں اس بڑھیا کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے خاتون! تو جو گفتگو نور الدین کے ساتھ کر رہی تھی۔ اسے مکمل کرو میں تیری پوری گفتگو سن چکا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ میں ساری عمر ایک بت ایک متون کی طرح خاموش کھڑا تیری گفتگو کو دھیان اور رغبت سے سنتا رہوں۔ کاش مجھے پہلے خبر ہوتی تو میں خلیل اور اس کے ساتھیوں کے مقاصد کی حیوانیت اور ان کی منحوس خواہشات کو سر ہی نہ اُبھارنے دیتا۔"

تیمور کے خاموش ہونے پر اس بڑھیا نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا۔ "اے امیر تیمور! میں نے جو کچھ امیر نور الدین سے کہنا تھا کہہ چکی

اس پر امیر تیمور نے کھولتے ہجے اور زہر برساتی آواز میں کہا۔ "اے لاتون! اگر تو نور الدین کے ساتھ اپنی گفتگو تمام کر چکی ہے تو پھر دیکھو میں اپنے عمل کی ابتدا کیسے کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی امیر تیمور نے آنکھوں ہی

آنکھوں میں اپنے جلاؤ کو اشارہ کیا۔ جواب میں وہ جلاؤ اپنا چرمی کوڑا لہراتا ہوا آگے بڑھا اور مشینی انداز میں اس نے خلیل اور اس کے ساتھیوں پر کوڑے برسائے شروع کر دیئے تھے۔ کمرے کے اندر خلیل اور اس کے ساتھیوں کی آہ و پکار اور دواویلا و کرناک چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اس لیے کہ جلاؤ کا وہ چرمی کوڑا تو ان کی جلدیں اُدھیڑ کر رکھ رہا تھا۔ جب مار کھا کھا کر خلیل اور اس کے ساتھیوں کی حالت قابلِ رحم اور عبرت خیز ہو گئی تو امیر تیمور نے ہاتھ کے اشارے سے جلاؤ کو کوڑے برسانے سے روک دیا۔ پھر اس کی غضب ناک آواز بلند ہوئی۔

”اے خلیل اور اس کے گناہگار ساتھیو! تم نے کیا سمجھ کر اس بیوہ کے گھر میں بدی کا کھیل کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تمہارا پہلا موقع ہے لہذا تمہارے لیے اِن قدم سزا ہی کافی ہے اور سن رکھو کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی یہ کھیل پھر دہرانے کی کوشش کی تو پھر اس کا ٹھکانہ قبرستان کے علاوہ اور کہیں نہ ہوگا۔ اب تم چاروں یہاں سے دُفع ہو جاؤ۔“

خلیل اور اس کے ساتھی سمے سمے سے وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد تیمور نے نقدی کی ایک پھیلی اس بڑھیا کو تھمتے ہوئے کہا۔ ”اے خاتون! یہ تمہارے لیے تالیفِ قلب کی خاطر ہے۔“

پھر اس نے مُڑ کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین! تم میرے ساتھ آؤ۔“ نور الدین اپنی تلوار کو بے نیام کر کے چُپ چاپ تیمور کے پیچھے پیچھے ہو گیا تھا۔ اپنے ذاتی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے امیر تیمور نے سب کو باہر ہی روک دیا تھا اور صرف نور الدین کو اس نے اندر آنے کو کہا تھا۔ جب امیر تیمور انچی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے دیکھا نور الدین انتہائی عاجزانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ باندھے امیر تیمور کے سامنے کھڑا تھا۔ تیمور نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا پھر ایک نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے گہری شفقت اور استفہامیہ انداز میں کہا۔

”اے نور الدین! تم یوں میرے سامنے ہاتھ باندھے کیوں کھڑے ہو یہاں

میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے نور الدین نے کہا۔ ”اے آقا! اگر آپ نے مجھے اس لیے طلب کیا ہے کہ میں نے خلیل اور اس کے ساتھیوں کے خلاف حرکت میں آکر اور انہیں زخمی کر کے جرم کیا ہے تو ایک مجرم کی حیثیت سے میں جواب طلبی کی خاطر کھڑا ہی رہنا پسند کروں گا۔

نور الدین کی اس گفتگو پر امیر تیمور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ چند ثانیوں تک وہ اک تصور خانہ حسرت بن کر نور الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ اس موقع پر تیمور کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے تھے۔ چاہتوں، شفقتوں اور ہمدردیوں کے وہ آنسو جن کی کوئی قیمت جن کا کوئی مول نہیں لگایا جاسکتا۔

پھر تیمور اپنی آنکھیں صاف کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور نور الدین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”اے فرزند عزیز! تو اگر خلیل اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تب بھی اے نور الدین! میں کسی بھی عدالت میں تجھے مجرم کی حیثیت سے کھڑا نہ ہونے دیتا۔ میں جانتا ہوں وہ بوڑھی عورت میرے پاس خلیل اور اس کے ساتھیوں کے خلاف مدد طلب کرنے گئی تھی سو تو نے خوب کیا کہ اس لاچار کی پکار پر لبیک کہا۔ اے نور الدین! تو نے میرا دل خوش اور میرا ضمیر مطمئن کر دیا ہے۔“

امیر تیمور چند ساعتوں کے لیے رکا پھراپنا سلسلہ کلام اس نے جاری رکھا۔ ”اے نور الدین! میں سمجھتا ہوں خلیل اور اس کے ساتھیوں کو ان کے جرم سے کم سزا ملی ہے۔ میں خلیل کو زندان میں ڈال دیتا ہوں اس کی ماں خانزادہ ایک داویلا اور طوفان کھڑا کر دیتی اور میرے خاندان، میرے سرم کا سکون برباد ہو کر رہ جاتا۔ اے نور الدین! تم میرے پاس بیٹھو میں تو اہم امور پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

امیر تیمور نے نور الدین کو اپنے پاس بٹھایا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اے نور الدین! پہلی بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج بلکہ ابھی سے میں تمہیں ایک نیا عہدہ سونپتا ہوں اور یہ کہ جنگ میں تو تم حسب معمول میرے ساتھ

ہوا کرو گے لیکن امن کی حالت میں تم سلطنت کے محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے کام کیا کرو گے۔ سلطنت کے سارے محتسب اور کو تو ال اپنے مسائل براہِ راست تمہارے سامنے پیش کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ قاضی عدالتوں کے فیصلوں پر مناسب طوع و کرہ عمل کرانا بھی تمہاری ذمہ داری ہوا کرے گی۔

اے نور الدین! مجھے اُمید ہے جیہ تم محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے کام شروع کرو گے تو کوئی روجوں کی تاروں پر مضارب کی ضرب لگانے والا نہ رہے گا۔ کوئی سیم و زر کی قیمت لگا کر اور لعل و گہر کی عصمتوں کو خرید کر اپنے ذوقِ گنہگاری کی تکمیل کرنے والا نہ رہے گا۔ اے نور الدین! اب جب کہ میں تمہیں محتسب مقرر کر چکا ہوں تو مجھے اُمید ہے کہ تم مجرموں کے لیے آہن و فولاد اور شرفاء کے لیے قطرہٴ شبنم کی طرح دل نشین ثابت ہو گے۔ وہموں کے پروردوں کی بے جہی پر خوب سُر زنی کرنا، مشرقِ خونخواری کرنے والوں کے دامان و گریبان کو زخمیوں کے جنگل جیسا عبرت عیز اور ہولناک بنا دینا۔

اے نور الدین! رات کے نرم سناٹوں اور ویران لمحات کے اندر گناہوں کو جہنم دینے والوں کو کچل کر رکھ دینا۔ انسانی تفریق کو فروغ دینے والوں اور انسانی تخلیق کو داغدار کرنے والوں کو جانوں کو لوہو اور ان کی رُوحوں کو بخ بستر کے رکھ دینا۔ جرم کرنے والوں میں اگر خلیل، محمد سلطان، پیر محمد اور خود تیمور ہی شامل کیوں نہ ہوں انہیں ہرگز معاف نہ کرتا۔

یہاں تک کہہ کر تیمور خاموش ہو گیا۔ اس پر نور الدین نے کہا۔ ”اے آقا! اگر آپ محتسب کی حیثیت سے میرا انتخاب اور تقرر کر ہی چکے ہیں تو آپ دیکھیں گے میں مظلوم سے اس کی بے بسی اور ظالم سے اس کا ظلم چھین لوں گا۔“

تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور گہرے اطمینان میں پھر کہا۔ ”اے نور الدین! میری ایک بات تو ختم ہوئی۔ اب میں دوسری بات کی ابتدا کرتا ہوں اور وہ یہ کہ خلیل کا بچہ گھناؤنا حادثہ پیش آنے سے قبل اسقف یوحنا میرے پاس آیا تھا۔ اس کی بیٹی

اینجیلینے خلیل کی بدکرداریوں کی بنا پر اس سے اپنی نسبت توڑ دی ہے اور یوحنا مجھے مٹنی کی انگوٹھی واپس کرنے کے علاوہ معذرت بھی کر گیا تھا کہ اینجیلینا خلیل کے ساتھ رشتہ استوار کرنے پر رضا مند نہیں ہے اور یوحنا مجھے یہ بھی بتا گیا ہے کہ اینجیلینا تم سے اپنی زیادتی کی معافی مانگ کر تمہاری طرف رجوع کرنا چاہتی ہے اور مجھے یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ یوگرین کی بیٹی نائسیا بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔ اے نورالدین! میں چاہتا ہوں کہ تم نائسیا اور اینجیلینا میں سے کسی ایک کے ساتھ شادی کر لو۔

تیمور نے ذرا رُک کر نورالدین کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینا چاہا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔ ”اے نورالدین! اگر تم نائسیا اور اینجیلینا دونوں کو چاہو تو میں ان دونوں کو تمہاری زندگی کا ساتھی بنا دوں گا۔ بس میں چاہتا ہوں تم شادی کر کے اپنا گھر آباد کر لو۔ اس طرح میرے دل کو اطمینان اور میرے ضمیر کو ہلکا پن محسوس ہوگا۔ اب بولو تمہارا کیا ارادہ ہے اور تم کب تک شادی کرنے پر رضا مند ہو۔ نورالدین چند ثانیوں تک گردن جھکائے گہری سوچوں میں کھویا رہا۔ پھر تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

”اے آقا! میں نائسیا اور اینجیلینا دونوں میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ ان دونوں سے کسی کے ساتھ شادی کا خواہش مند ہوں۔ اے آقا! میں نے اپنی رفاقت کے لیے ایک اور ہی لڑکی پسند کر لی ہے۔ ظاہری اور باطنی حسن دونوں میں نائک یا اور اینجیلینا اس سے کمتر ہیں۔“

نورالدین کی اس گفتگو پر تیمور کے چہرے پر تبسم کی بے باک روشن کرنیں چاندی جیسی اڑتی جھاگ کا سکون اور نیلے گلابی پتھروں کی سی دل کشی رقص کرنے لگی تھی۔ پھر اس نے چونک جانے کے انداز میں کہا۔ ”اے نورالدین! اللہ کا شکر ہے کہ تم نے اپنی رفاقت کے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے اور یہ انکشاف میرے لیے اور زادہ خوشی کا باعث ہے کہ وہ لڑکی اینجیلینا اور نائسیا دونوں سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہے۔“

نور الدین ! بخدا یہ انکشاف کر کے تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے ۔ پر یہ تو کہو وہ لڑکی کون سی ہے ۔ اس کا اور اس کے باپ کا کیا نام ہے ۔ اس کا تعلق کس خاندان سے ہے ۔ تاکہ میں اس کے باپ سے مل کر اس لڑکی کو تمہارے لیے مانگ لوں اور اسے نور الدین ! کیا وہ لڑکی ایسی ہی خوب صورت ہے کہ تم اسے ناپا اور انجیلینا پر ترجیح دے رہے ہو ۔

تیمور کی اس بے تابی اور دل چسپی پر نور الدین کے لبوں پہ بے صوت و بے صداغموں جیسی مسکراہٹ اور دل کشی بکھر گئی تھی ۔ پھر اس نے کہا ۔ اے آقا ! اس لڑکی کو حسن و خوبصورتی اور وجاہت و وقار میں سمرقند کا ثمر اور سمرقند کی قند کہہ کر پکار سکتے ہیں ۔ پر اے آقا ! فی الوقت میں اس لڑکی کا نام ، اس کے باپ کا نام اور اس کا خاندانی تعلق ظاہر نہ کروں گا ۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے اس انکشاف کو ابھی تک صیغہ راز میں ہی رہنے دیں ۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مناسب وقت آنے پر میں اس لڑکی ، اس کے نام اور اس کے خاندان سے متعلق تفصیل سے کہہ دوں گا ۔ اے آقا ! آپ کو یہ زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے گی کہ آپ اس لڑکی کے باپ سے اسے میرے لیے مانگیں ۔ اس لیے کہ میرے اور اس لڑکی کے درمیان ایک ایسا حادثہ رونما ہوا تھا ۔ جس کی بنا پر وہ میرے قریب آئی اور پھر مجھے پسند کرنے لگی ۔

اے آقا ! اس لڑکی کے باپ کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اس لیے اس نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسوب کر دیا ہے اے آقا ! اس لڑکی کی نسبت سے میں اپنے آپ کو ایک خوش قسمت ترین انسان تصور کرنے لگا ہوں ۔ اے آقا ! یہ انجیلینا اور نائیا دونوں مل کر اس کی ایک بلکی سی مسکراہٹ کے برابر بھی نہیں ہیں ۔

تیمور نے سکون اور اطمینان بکھیرتی ہوئی آواز میں کہا ۔ اے نور الدین ! میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا ۔ تمہارے اس انکشاف کو اس وقت تک صیغہ راز میں رکھوں گا جب تک تم خود اسے ظاہر کرنا پسند نہ کرو ۔

نور الدین اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا - ”اے آقا! میں اب جاتا ہوں۔“
 تیمور نے اُٹھ کر اس سے پُر جوش مصافحہ کیا پھر نور الدین تیمور کے اس ذاتی کمرے
 سے نکل گیا تھا۔



شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کو سزا دینے کے بعد جس وقت تیمور نور الدین
 کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اس وقت انجلینا نے اپنے قریب کھڑی نائیا کو مخاطب کرتے
 ہوئے کہا - ”اے نائیا! میری بہن! کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ میری حویلی میں
 دیر چلوگی۔ میں تمہارے ساتھ اپنی ذات کا مقدس ترین عہد اور اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ
 کرنا چاہتی ہوں۔“

نائیا نے ایک بار غور سے انجلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے مدغم اور نرم آواز
 میں کوئل کی آواز کوک کے انداز میں کہا - ”اے انجلینا! تمہارے ساتھ تمہاری حویلی تک
 جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جو کچھ مجھ سے کہنا چاہتی ہو، یہاں کھڑی کھڑی بھی کہہ
 سکتی ہو۔“

انجلینا نے خواہشوں کے بکھرتے زنگین طلسم کے انداز میں کہا - ”اے نائیا! وہ
 عہدہ فیصلہ ایسا ہے جس سے متعلق یہاں گفتگو نہیں کی جاسکتی۔“

نائیا نے خوش دلی میں کہا - ”تو پھر چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ نائیا
 کے اس فیصلے پر انجلینا خوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ نائیا کو لے کر اپنی حویلی کی طرف چل
 دی تھی۔

انجلینا، نائیا کو لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوئی پھر اسے اپنی خواب گاہ میں
 لے جا کر اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا - ”اے نائیا! اصل گفتگو کرنے سے پہلے میں
 تم پر یہ انکشاف کرتی ہوں کہ میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی نسبت توڑ کر اس کے
 ساتھ قطع تعلقی کر لی ہے۔“

نائیا نے لا پرواہی میں کہا - ”میرے لیے یہ انکشاف نہیں ہے اس لیے کہ میں

جانتی ہوں کہ تمہاری اور غلیل کی قطع تعلقی ہو گئی ہے اور اسقف یوحنا تمہاری ننگنی کی انگوٹھی
امیر تیمور کو واپس کر چکے ہیں۔

انجیلینا نے پچھلی رات میں بجتی ستار، خون کے آنسو بہاتی رات کی پُر درد صدا اور
بے کیفیت وغیرہ منفعیت سے انداز میں پوچھا۔ اے نائیا! تمہیں اس حادثے کا کیسے علم
ہوا۔ کیا تم امیر تیمور سے مل کر آرہی ہو، یا امیر نور الدین کی حویلی کی طرف جانے سے قبل
تم یہاں ہماری حویلی میں میری ماں سے مل کر گئی ہو۔

نائیا نے کسی سحرانہ رسم کی ادائیگی کے انداز میں کہا۔ اے انجیلینا! جس وقت
میں شاہی مہمان خانے سے نکل کر امیر نور الدین کی حویلی کی طرف جانے کے لیے نکلی تھی۔ اس
وقت راستے میں میری ملاقات تمہارے باپ سے ہو گئی تھی۔ وہ امیر تیمور سے مل کر اور
تمہاری ننگنی کی انگوٹھی لوٹا کر آرہے تھے۔ راستے میں انہوں نے مجھے تمہاری اور غلیل کی
نسبت ٹوٹنے کی تفصیلات بتادی تھیں۔

انجیلینا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اگر تم سارے حالات جانتی ہو نائیا! تو پھر
سنو! میں امیر نور الدین کی طرف مراجعت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تمہیں اس سلسلے میں کوئی
اعتراض ہے؟

نائیا چند ساعتوں تک کھوئی کھوئی باتوں اور سینوں میں چنجیتی ہوئی یادوں کی طرح
الجھی سی رہی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ چہرے پر جنبیلی جیسی دودھیا مسکراہٹ بکھری
اور خمار آلود انداز اور چوڑیوں کی کھنک جیسی صدا میں وہ بولی۔ اے انجیلینا! جب
میں امیر نور الدین پر کوئی حق نہیں رکھتی پھر ان کی طرف تمہاری مراجعت پر مجھے کیوں
اعتراض ہوگا۔

انجیلینا نے تعجب سے کہا۔ حیرت ہے تم امیر نور الدین کو پسند بھی کرتی ہو اور
یہ بھی کہتی ہو کہ تم ان پر کوئی حق نہیں رکھتی۔

انجیلینا کے اس استفسار پر نائیا بے چاری چاک غریباں و دریدہ پیراں جیسی
لول، چراغ درد جیسی مغموم اور اشکوں کے موتیوں جیسی قابلِ رحم ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر

وہ ہر طرف بکھرے، ریگ صحرا اور ہر سو پھیلے غار زاروں میں اُداس کُن بچ میں بولی -
'میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے - ایچیلینا! بات تو جب ہے کہ وہ بھی مجھے پسند
کریں - اے ایچیلینا! میرے خیال میں امیر نور الدین کسی امد کی طرف مائل ہیں۔'

ایچیلینا نے اس خیال کو جھٹکتے ہوئے کہا - نہیں، ایسا نہیں ہے نائسیا! امیر
نور الدین اگر کسی اور کی طرف مائل ہوتے تو اب تک یہ بات جنگل کی آگ کی طرح سمرقند اور
اور اس کے فواح میں پھیل چکی ہوتی - اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ صرف تم امیر
نور الدین کو پسند کرتی ہو اور اسان کی طرف سے کوئی تدبیر عمل نہیں ہے - کچھ مروایے بھی
ہوتے ہیں جو اپنی چاہتوں کا اظہار نہیں کرتے پر چاروں طرف بکھرے سناٹوں، رات کی
کمر میں چھپی ہوئی خواہش اور مبہم عبارت کی طرح اپنے آپ کو پیچیدہ اور نہاں رکھتے
ہیں اور میں سمجھتی ہوں امیر نور الدین بھی ان مردوں میں سے ایک ہیں۔'

ایچیلینا کی اس گفتگو پر نائسیا بیا بانوں میں دریاؤں کی صورت خوش کن وادیوں
میں بکھری ہوئی اجنبی و نا آشنا خوشبو اور صبح کی آنکھ سے نمودار ہونے والی کرنوں جیسی
بیدار ہو کر گر گئی تھی - اس کے گل جیسے عارضوں پر چاہتوں کی تجلیاں رقص کناں ہو گئیں
پھر وہ بولی -

'اے ایچیلینا! خداوند تیری زبان مبارک کرے - اگر ایسا ہوتا تو میں اپنے آپ
کو دنیا کی سعادتوں کی مالک سمجھ رہی ہوں گی - اگر ایسا ہو گیا تو میں رو پہلے پسندوں اور تیرے
وفا رضاءوں سے نکل کر ہواؤں کی پسندیدہ اور ٹھنڈی سانسوں جیسی ہو کر رہ جاؤں گی
اے ایچیلینا! امیر نور الدین میری منزل ہیں اور انہیں حاصل کرنے کے لیے میں تمام ادوار
کی خاک چھانٹنے کو تیار ہو سکتی ہوں - میرے لیے دنیا کی ہر شے سستی پر امیر نور الدین ہنگے
ہیں - ان کا حصول میرا غم دیروز اور فکرِ فردا ہے -

اے ایچیلینا! اب تک امیر نور الدین میرے لیے بندھن بنے ہوئے ہیں - کاش
میں جان سکتی میرے لیے ان کے دل میں کیسا ہے - کاش میں ان کی ذات سے منسوب
اپنے پرانے وقتوں کے برگد جیسے پرسکون خوابوں اور وصال و ملن کے حسین و رنگین پسندوں

کو عملی صورت میں دیکھ سکتی۔

اینجیلینا! میری بہن! سچی بات تو یہ ہے کہ اب تک میں امیر نور الدین کے لیے نیم مردہ پلکوں جیسی منتظر اور اجل کی آغوش جیسی مایوس ہوں۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں اب شرمندگی نہیں کہ امیر نور الدین میری زندگی کا نصف آخر ہیں لیکن اس کا کیا حل کہ امیر نور الدین نہ برتہ بادلوں جیسے ہیں اور اُن کا سمجھنا دشوار ہے۔

اینجیلینا اصل بات کی طرف آتی ہوئی بولی۔ "نائیبا! کیا تم میرے ساتھ ایک معاہدہ اور عہد کرو گی۔"

نائیبا نے غور اور دل چسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم مجھ سے کیسا اور کس قسم کا عہد چاہتی ہو؟"

نائیبا بغیر کسی توقف کے بولی۔ "اے نائیبا! اگر تمہارے ساتھ شادی کے بعد امیر نور الدین مجھے بھی اپنی رفاقت میں لینا چاہیں تو تم کوئی اعتراض تو نہ کرو گی اور اگر پہلے میری شادی امیر نور الدین کے ساتھ ہو گئی تو میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہیں بھی امیر نور الدین کی زندگی کا ساتھی بنا کر رہوں گی۔ اب بولو، اس معاملے میں تم کیا کہتی ہو؟"

اینجیلینا کی اس گفتگو پر نائیبا کی حالت ایسی پُر از اطمینان ہو گئی تھی، جیسے دھواں دھواں شام کا آسمان اچانک زمریہ فضاؤں سے بغل گیر ہو کر مطمئن اور آسودہ ہو گیا ہو۔ پھر وہ اک سرخوشی میں بولی۔ "اے اینجیلینا! میں تمہارے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ اگر میری شادی امیر نور الدین سے ہو گئی تو میں تمہیں بھی ان کا ساتھی بنا دوں گی اور اگر امیر نور الدین نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں سمرقند کے کلیسا میں ایک راہبہ کی حیثیت سے اپنی ساری زندگی گزار دوں گی۔"

اینجیلینا کھلے روپ کی کلیوں اور آس کے پھیلے آنچل جیسی پُر مسرت ہو گئی تھی اور آگے بڑھ کر اس نے نائیبا کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کا منہ چوم لیا تھا۔ پھر نائیبا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اینجیلینا سے کہا "میں اب جاتی ہوں۔"

ایغلینا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلے تم میرے ساتھ
 کھانا کھاؤ گی پھر جاؤ گی۔ آؤ دونوں بہنیں مل کر کھانا تیار کریں۔“
 ماسیہا نے جب اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو ایغلینا اس کا ہاتھ پکڑ کر خوشی خوشی
 مطبخ کی طرف لے جا رہی تھی۔



پاکستانی ادبیات کا
 دارِ قلم



امیر تیمور اپنا دربار لگائے ہوئے تھا کہ اس کے حاجب نے اسے اپنے ایک ایسے ناظر کے آنے کی اطلاع دی جو ہندوستان کے حالات پر نظر رکھنے پر مقرر تھا۔ اس حاجب کو تیمور نے حکم دیا کہ ناظر کو فوراً اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

جب وہ ناظر تیمور کے سامنے آیا تو تیمور نے ہندوستان سے آنے والے اس ناظر کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”تم ہندوستان سے متعلق ہمیں کیا بتانے آئے ہو؟“

اس ناظر نے دست بستہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں آپ کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے حاضر ہوا ہوں۔ ہندوستان کے حالات اس وقت نہایت ابتر ہیں۔ حکومت کے لحاظ سے ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ دونوں حصے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہیں اور اس موقع پر اگر ہم ہندوستان پر حملہ آور ہو جائیں تو ہم اس سرزمین کو فتح کرنے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیں گے۔“

تیمور نے گردن جھکا کر کچھ سوچا پھر کہا۔ ”پہلے ہندوستان کے حالات مجھے تفصیل سے کہو، اس کے بعد میں کوئی فیصلہ کروں گا۔“

اس ناظر نے کہنا شروع کیا۔ ”اے آقا! ہندوستان کے صاحبِ علم و بصیرت سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے بعد فیروز شاہ تغلق سلطان بنا۔ اس کے بعد ایک شخص

کہ نام جس کا تعلق شاہ تھا ہندوستان کا سلطان ہوا۔ اس کے بعد سکندر شاہ اور بعدہ موجودہ سلطان ناصر الدین محمود ہندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس ناصر الدین محمود نے اپنے امراء میں سے خواجہ جہاں کو وزارت کے عہدہ پر مقرر کیا۔ مقرب خاں کو مقرب الملک کا خطاب دے کر سالار اعلیٰ بنایا۔

اس کے علاوہ یہ مقرب خاں وکیل سلطنت اور امیر الامراء بھی مقرر ہوا۔ دولت خان کو دبیر عارض مملکت مقرر کیا۔ سعادت خان بارہکی کے عہدے پر فائز ہوا۔ سارنگ خان کو دیپالپور، خضر خان کو ملتان کا، سا کا عالی خان اور پانی پت کا تاتار خان کو حاکم مقرر کیا۔

اے آقا! ایک مہم کے دوران سعادت خان بارہکی نے ناصر الدین محمود کے دوسرے داروں مبارک خان اور علاؤ الدین کو قتل کر دیا۔ جس پر معاملہ بڑھا اور سعادت خان کے اپنے ہم نواؤں کو ساتھ بلا کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور سلطان ناصر محمود کے خلاف بغاوت و سرکشی کر دی اور ایک بار اس سعادت خان نے شاہی افواج کو شکست بھی دی۔ اپنی بغاوت و سرکشی کو فروغ دینے کی خاطر اس سعادت خان نے ایک اور طریقہ اپنایا اور وہ یہ کہ اس نے اپنی عسکری قوت کے بل بوتے پر سلطنت کے کئی حصوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ان حصوں میں ہندوستان کا مشہور شہر فیروز آباد بھی شامل تھا۔ یہ شہر دریائے جمنہ کے کنارے سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۱۵۵۷ء میں آباد کیا تھا۔

اے امیر! اس سعادت خان نے مزید کام یہ کیا کہ اس نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے پوتے نصرت خان کو بیوات سے فیروز آباد بلایا اور اسے سلطنت کا جائز وارث قرار دے کر فیروز آباد میں اسے تخت نشین کر دیا۔ پس اے امیر! اس وقت ہندوستان کے دو سلطان ہیں۔ ایک سلطان ناصر الدین محمود اور دوسرا نصرت خان۔ دونوں کے عساکر ہمہ وقت ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی نصرت خان کا لشکر دہلی کے دروازوں پر دستک دیتا ہے اور کبھی ناصر الدین محمود کی سپاہ فیروز آباد کی تفصیل کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ پس اے امیر! ہندوستان کے اندر افراط و تفریط کا یہ دور بہار

یہ انتہائی مناسب ہے کہ ہم حملہ آور ہو کہ ہندوستان پر قبضہ کر لیں۔
 ناظر جو کچھ کہنا چاہتا تھا جب وہ کہہ چکا تو تھوڑی دیر کے لیے تفکرات کے
 انداز میں تیمور کی گہرے دل تھکی رہی۔ پھر اس کے چہرے پر تمازتِ آفتاب جیسی جدت
 اور آنکھوں میں شعلہ نشان بجلیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ ایسا لگتا تھا اس نے کوئی آخری
 فیصلہ کر لیا ہو۔

پھر اس نے اپنے سُہری اور روپہلی کام کے جُتے کو سمیٹتے ہوئے حاضریں کی
 طرف دیکھا اور عزم و استقلال سے بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”یہ اس ناظر کی
 رائے سے مکمل طوع پر اتفاق کرتا ہوں۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک ہفتہ
 تک یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔“ اس کے ساتھ ہی میں دربارِ برخاست کرتا ہوں۔“
 سب لوگ وہاں سے اُٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تھے۔



شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ قطرہ قطرہ ٹپکتی راتِ آہستہ آہستہ شبِ بنم میں ڈوبنے
 لگی تھی۔ سیاہ کاروں کا زور اور ہوس کاروں کا جوش اُبال کھانے لگا تھا۔ ارادوں کی
 مقاصد کی خباثتیں اور نیتوں کی خرابیاں، رات کی تاریکی میں کائنات کے عناصر کے ساتھ
 تانک جھانک کرنے لگی تھیں۔

عشاء کے قریب شہزادہ خلیل سمرقند کے جنوبی حصے میں مکھون نام کی سرائے
 میں داخل ہوا۔ سرائے کے مالک سودون کی نگاہ جب خلیل پر پڑی تو اس نے اپنی
 جگہ سے اُٹھ کر خلیل کا پُر جوش استقبال کیا۔ اس کے قریب آکر خلیل نے سرگوشی اور
 رازداری میں پوچھا۔ ”اے سودون! شاری ملک کہاں ہے؟“
 سودون نے مسکراتی آنکھوں اور رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ”اے آقا! شاری ملک
 اپنے کمرے میں ہے۔“

خلیل نے پھر پوچھا۔ ”کیا وہ کھانا کھا چکی ہے؟“
 ”نہیں آقا! اس نے ابھی تک کھانا نہیں کھانا۔“ سودون نے اپنے سر کو خوب

ختم کرتے ہوئے کہا تھا۔

خیل آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”میں شاری ملک کے کمرے میں جا رہا ہوں تم ہم دونوں کا کھانا دیں بھجوادو۔“ سودون نے ایک بار پھر اپنے سر کو خم کیا اور مطبخ کی طرف چلا گیا تھا۔

خیل جب شاری ملک کے کمرے میں داخل ہوا تو مسہری پر نیم دراز شاری ملک اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگ کر وہ آگے بڑھی اور خیل کے دونوں ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ اپنے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے خیل نے کہا۔ ”شاری ملک! میں تیرے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔“

شاری ملک نے بھی گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”پہلے بیٹھیں پھر بتائیں آپ میرے لیے کیا خوشخبری لے کر آئے ہیں۔“

خیل شاری ملک کے ساتھ مسہری پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اے میری ہم سفر! میں نے اپنے اور تیرے خفیہ رشتے سے متعلق اپنی ماں خانزادہ سے بات کی ہے۔ میری ماں کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ تمہیں میری بیوی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے بلکہ میری ماں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے دادا امیر تمپور کو اس فیصلے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ مجھے اپنا ولی عہد مقرر کرے اور اگر ایسا ہو گیا تو جانتی ہو کیا ہوگا۔ دادا کی وفات کے بعد میں سمرقند اور اس سے منسلک وسیع علاقوں کا سلطان ہوں گا اور تمہاری حیثیت ایک ایسی ملکہ اور سلطانہ کی سی ہوگی جس کی کوئی خواہش جس کا کوئی حکم ٹالنا نہ جاسکے گا۔“

شاری ملک کے ہونٹوں پر اس انکشاف سے گہری دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی جب کہ شہزادہ خیل اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے شاری ملک! ایک ہفتہ تک میرے دادا امیر تمپور ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے یہاں سے کوچ کریں گے۔ میں اپنی ماں سے بات کر چکا ہوں۔ جب لشکر سمرقند سے ہلا جائے تو تم اس سرائے سے نکل کر حرم میں میری ماں کے پاس چلی جانا۔ وہ تمہاری

حفاظت اور دیکھ بھال کرے گی۔ کیوں کہ میں بھی شکر کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔“
 شاری ملک نے اپنے دلفریب انداز میں کہا۔ اے خلیل! میں زندگی بھر آپ کی
 ممنون رہوں گی کہ آپ نے مجھے نشیب سے اٹھا کر رفعتوں پر بٹھا دیا ہے۔ میں
 ایک باز نامراد مال و فعال کی حرص اور خرمنِ ظلم و ستم تھی۔ آپ نے مجھ پر عنایات کر کے مجھے
 شعلہ رنگ بہار جیسا دلفریب، دستِ حبیب جیسا خوش گوار اور قرطاسِ وقت پر لکھے
 عمدہ تقدیر کے الفاظ جیسا پرکشش بنا کر رکھ دیا ہے۔“

خلیل نے کہا۔ اے شاری ملک! تمہیں میرا ممنون ہونے کی ضرورت نہیں
 ہے۔ تم ان ساری خوشیوں کی حقدار ہو اس لیے کہ تم میری بیوی ہو۔
 شاری ملک جواب میں پھر کچھ کہنا چاہتی تھی پر خاموش ہی رہی کیوں کہ سرائے
 کے ملازم ان کا کھانا لے کرے میں داخل ہوئے تھے۔ پھر وہ دونوں میاں بیوی سرائے
 کے اس کمرے میں خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔



تیمور اپنے فاقی کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے محافظ نے اسے یوگرین
 اور اس کی بیٹی ناسیا کے آنے کی اطلاع کی۔ تیمور نے ان دونوں کو فوراً اندر بلا
 لیا اور ان دونوں باپ بیٹی کو اس نے عزت و توقیر دیتے ہوئے اپنے پاس بیٹھنے کے
 جگہ دی۔

تیمور اس موقع پر یوگرین سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ یوگرین نے خود ہی
 بولنے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں آپ سے ملنے حاضر ہوا ہوں کہ میں
 آج سمرقند سے لتھو انیا کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔“

تیمور نے چونک جلنے کے انداز میں پوچھا۔ ”کیا تم یہاں اپنے لیے کوئی دشواری
 اور اذیت محسوس کرتے ہو جو تم نے یہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔“
 یوگرین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے امیر! ایسی کوئی بات نہیں ہے
 آپ جانتے ہیں لتھو انیا کا حکمران میرا اور میری بیٹی کا سب سے بڑا دشمن دیولڈ مرچکا ہے

اس کی جگہ ابھی تک کوئی نیا حکمران نہیں بنا۔ میرا جانا بہت ضروری ہے اس لیے کہ اب لتھوانیا میں حالات میرے حق میں ہیں اور لتھوانیا کے حکمران طبقے میں شامل ہونے کے لیے اس وقت میرے لیے بہترین مواقع ہیں۔ اے امیر! میں یہاں سے بہت پہلے کا کوچ کر چکا ہوتا ہوں مجھے اپنی بیٹی نائسیا کی وجہ سے یہاں زیادہ عرصہ رکنا پڑا۔

اے امیر! آپ جانتے ہیں کہ میری بیٹی نائسیا امیر نور الدین میں دل چسپی لینے لگی تھی۔ وہ اس وجہ سے کہ نور الدین نے ہم دونوں باپ بیٹی کی جان و ناموس کی حفاظت کی تھی۔ اس موقع پر یوگربین کے پہلو میں بیٹھی ہوئی بچاری نائسیا کی حالت نہایت اس وافر وہ اور ملول و غمگین ہو گئی تھی۔ اس بچاری کی گردن جھک گئی تھی اور وہ رو دینے والی تھی۔ جب کہ یوگربین تیمور سے کہہ رہا تھا۔

”اے امیر! میں نے نائسیا کو اس شرط پر امیر نور الدین کے قریب ہونے اور اس میں دل چسپی لینے کی اجازت دے دی تھی کہ از خود نور الدین پر اپنی محبت و چاہت کا اظہار نہ کرے گی بلکہ اس کا اظہار اگر نور الدین کی طرف سے ہوا تو میں تمہیں ضرور امیر نور الدین سے بیاہ کر اکیلا ہی لتھوانیا کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“

مجھے فخر ہے کہ میری بیٹی نے میری اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے نور الدین پر اپنی محبت کا اظہار کرنے میں پہل نہیں کی لیکن دوسری طرف یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ نور الدین بھی نائسیا میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتا۔ گو دو ایک مواقع پر اس سلسلے میں سیف الدین سے میری گفتگو ہوئی ہے کہ وقت آنے پر میں نور الدین سے نائسیا کو بیاہ دوں گا لیکن میں زبردستی کی شادی کا قائل نہیں ہوں۔ اس لیے اے امیر! میں اپنی بیٹی نائسیا کے ساتھ آج ہی یہاں سے لتھوانیا کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔ میں امیر نور الدین سے بھی مل کر آ رہا ہوں۔ میں اُن کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کچھ مسلح جوان بھی مقرر کر دیئے ہیں جو سرحد تک ہمیں بحفاظت چھوڑ کر آئیں گے۔“

یوگربین کی اس گفتگو پر تیمور نے تھوڑی دیر تک کے لیے اپنی گردن کو جھکائے

رکھا پھر ایک بو جھل، ہمدردانہ اور شفقت آمیز نگاہ اس نے نائسیا پر ڈالی۔ اس کے بعد اس نے یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے یوگرین! جس وقت نورالدین پہلی بار میرے سامنے آیا تھا۔ میں نے اس کی شجاعت اور طاقت و قوت سے مرعوب ہو کر اسقف یوحنا کی بیٹی اینجلینا کو اس کے ساتھ بیاہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نورالدین چونکہ ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند میں داخل ہوا تھا اور اس کا باپ بھی غلام تھا۔ اسی بنا پر اینجلینا نے غلام ابن غلام کہہ کر اسے ٹھکرا دیا تھا۔ میرے خیال میں اینجلینا کے انہی الفاظ نے نورالدین کو انتقامی بنا دیا اور ان ہی الفاظ نے شاید نورالدین کی زندگی کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔

اے یوگرین! جب نائسیا سمرقند میں داخل ہوئی تھی اور اس کی نگاہوں میں نورالدین کے لیے میں نے ایک منفرد مقام دیکھا تھا، تو اے یوگرین! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں نائسیا کو ضرور نورالدین سے بیاہ دوں گا۔ اسی بنا پر میں نے اینجلینا کی نسبت خفیل سے طے کر دی تھی۔ کیوں کہ میرے ذہن میں نورالدین کے اب نائسیا ہی تھی۔ پر اے یوگرین! بُرا ہو حالات کا کہ خفیل کی بدتمیزیوں کے باعث اینجلینا نے اس سے اپنی نسبت منقطع کر لی اور اینجلینا بھی نورالدین کی طرف مائل ہو گئی۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں نائسیا اور اینجلینا دونوں ہی کو نورالدین سے بیاہ دوں گا۔ پر اے یوگرین! جب میں نے اس سلسلے میں نورالدین سے گفتگو کی تو جانتے ہو نورالدین کے جواب پر مجھ پر کیا انکشاف ہوا؟

یوگرین نے تکلیف دہ احساس میں کہا۔ ”اے امیر! سیف الدین کو بھی ان حالات کی خبر ہے اور وہ مجھے تفصیل سے بتا چکا ہے۔ اے امیر! میں جانتا ہوں، کہ نورالدین اینجلینا اور نائسیا دونوں میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور یہ کہ اس نے کسی اور ہی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے جسے وہ ایک خاص وقت تک راز میں ہی رکھنا چاہتا ہے اور وہ اس لڑکی کا نام، اس کا پتہ اور اس کے باپ تک کا نام نہیں بتاتا۔ اے امیر! وہ گناہ لڑکی جس کا انتخاب نورالدین نے کیا ہے۔ میں نہیں

جانتا کہ وہ کون اور کیسی ہے۔ بہر حال وہ خوش بخت ہے کہ نور الدین نے اس کا انتخاب کیلئے۔

کاش میں یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے اس لڑکی کو دیکھ سکتا جو اینجیلینا اور نالیا پر فوقیت لے گئی ہے۔ کاش میں اس لڑکی سے مل سکتا اور اس سے اس کی خوش بختی پر گفتگو کر سکتا۔

اے امیر! میرا دل کہتا ہے کہ وہ لڑکی کوئی عام سی لڑکی نہ ہوگی جیسے نور الدین جیسے عظیم انسان اور بے مثل مجاہد نے اینجیلینا اور نالیا پر ترجیح دے دی ہے۔ اس سلسلے میں میری اور نالیا کی گفتگو اینجیلینا اور اس کے ماں باپ سے بھی ہوئی۔ اینجیلینا کو اب بھی یقین نہیں ہے کہ نور الدین کسی اور لڑکی کی طرف دل چسپی رکھتا ہے۔ وہ اب بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ نور الدین نے سب کو تجسس میں ڈالنے کے لیے کسی گنہگار لڑکی کا تاثر دے رکھا ہے۔ اور وقت آنے پر یقیناً نور الدین یہ کہہ دے گا کہ وہ گنہگار لڑکی اینجیلینا ہی ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ پر مجھے یقین ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ نور الدین کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکا ہے اور اب وہ لڑکی اس کی زلیبت کا محور اور اس کی خوشیوں کا مرکز ہے۔

یوگرین کی اس گفتگو پر امیر تیمور کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھر گئی تھی پھر اس نے تیز نگاہوں سے یوگرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اے یوگرین! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اینجیلینا بھولی اور سیدھی سادی لڑکی ہے جو ایسا خیال کر رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے شروع میں تو نور الدین کو غلام ابن غلام سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ نور الدین اپنی ذہانت اور خدا واد شجاعت و قوت کی بنا پر ترقی و عزت کے سارے مدارج طے کر گیا ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوئی اور جب خلیل کی بدتمیزیوں کے باعث اس کی نسبت خلیل سے ٹوٹ گئی تو وہ کھل کر نور الدین میں دلچسپی لینے لگی۔ اے یوگرین! اب اگر اینجیلینا یہ خیال کرتی ہے کہ وہ نور الدین کو اب بھی اپنی طرف مائل کر سکتی ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول ہے۔ نور الدین ان جوانوں

میں سے نہیں جو بدی کے بھورے ساحلوں اور گناہوں کی بے پناہ لذت میں کھو جاتے ہیں۔ نور الدین ایسا جوان نہیں کہ کسی کا عکس بدن اور آئینہ جبین اسے اپنے ارادے بدلنے پر مجبور کر دے۔

وہ ایک ایسا جوان ہے جس پر چاند جیسے پھلکتے جام، تیز تیز آہنگِ نشاطِ حُسْن کی قیامت خیزیاں، فسوں کا رراتوں کا جنون اور دھکتے لبوں کی آرزو مندیاں اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

اے یوگرین ! نور الدین کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔ وہ ان جوانوں میں سے ہے جو آندھیوں اور زلزلوں کو یک جہتی و تنظیم میں اور دوسروں کی طاقتِ جبروت کو اپنے دل کی عدالت پر پرکھ کر پراگندگی و انتشار بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ میں ہر روز یہ خواہش کرتا ہوں کہ کاش میرے بیٹوں اور میرے پوتوں میں سے بھی کوئی نور الدین جیسا طوفانوں سے زیادہ شدید، ریت کے بگولوں سے زیادہ ہولناک، تقدیر کی ٹوحوں کو خوفناک آندھیوں کی قوت اور وحشت طاری کر دینے والے جنگی نعروں کو دھنکی ہوئی اون میں بدل دینے والا ہوتا۔

کاش کوئی میری صلب سے بھی نور الدین جیسا جنگلوں میں عناصر کا نالہ و ماتم، مخفی قوتوں کا طوفان، ہمتی و عدم کو وحشی جلاؤ کی رسیوں میں جکڑنے والا، دشمن کے اعتماد کو پارہ پارہ کرنے والا اور کسی ماہر شکاری بلکہ ہولناک سمجھتنوں کی طرح کوسلوں کی پُر ہول رات بن کر میرے مخالفوں کو لپیٹ لینے والا ہوتا۔

اے یوگرین ! ہر لشکری، ہر سالار نور الدین کی اسی پنا پر قدر دانی کرتا ہے کہ وہ میرے دشمنوں کے لیے مرگ کا اڑدہا اور منحوس جبرٹے کھولے موت ثابت ہوتا ہے۔

اتنا کہہ کر تیمور خاموش ہو گیا اور اس کی گردن جھک گئی۔ یوگرین اور نالسیا اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر یوگرین نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
 'اے امیر! میں اب رخصت ہوتا ہوں۔'

تیمور نے یوگرین سے پُر جوش مصافحہ کیا۔ ناسیا کے سر پر شفقت آمیز
 ہاتھ رکھا۔ پھر یوگرین اور ناسیا لتھوانیا کی طرف کوچ کرنے کے لیے امیر تیمور
 کے کمرے سے نکل گئے تھے۔



پاکستانی وقار و عظمت
 ڈاکٹر یونس مامون
 علامہ



ہندوستان پر حملہ آؤد ہونے کے لیے امیر تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ جاگتے لمحوں کی انگڑائیوں اور سحر کے سہیل کی طرح سمرقند سے کوچ کیا۔ اس بار تیمور نے اپنے لشکر میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔

مقررۃ الجیش کا سالار شہزادہ پیر محمد کو بنایا گیا۔ قلب کے دو حصے کیے گئے ایک حصہ تیمور نے اپنے پاس اور دوسرا اپنے بیٹے شاہ رخ کی کمانداری میں رکھا۔ میمنہ کا کماندار نور الدین تھا اور میرہ شہزادہ محمد سلطان کے پاس تھا۔

قلب کی طرح عقب لشکر کے بھی دو حصے کیے گئے تھے اور ان دو حصوں میں سے ایک کا کماندار آق بوقا اور دوسرے کا کماندار شہزادہ خلیل تھا۔ اس کے علاوہ اس لشکر میں سمرقند کے علماء و قاضی اور پادری و بشارپ بھی شامل تھے۔ چونکہ یہ حملہ ہندوستان جیسی دور دراز سرزمین پر ہو رہا تھا لہذا اکثر سالاروں اور لشکریوں نے اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

استغف یوحنا بھی اس لشکر میں شامل تھا اور اس کی بیٹی اینجلینا اور بیوی القیس بھی لشکر میں اس کے ساتھ شامل تھیں۔

بہر حال امیر تیمور اندھی بنجر زمینوں، سنان ٹیلوں، اُجڑے ویرانوں، خاموش کوہستانوں، جاڑے کی موت جیسی ٹھنڈی اور افسردہ پیلاہٹوں سے گزرتا ہوا ہندستان

کی طرف بڑھا۔ اس کے لشکر سی گھوڑوں کی سموں سے برہم تازیانوں کی طرح زمین کا سینہ ادھیڑتے چلے جا رہے تھے۔

یوں اپنے لشکر کے ساتھ امیر تیمور وقت کے بدترین سیلاب کی طرح آہوں کی لذت سے بھرپور آغوشِ اجل پھیلاتے، مرگ و حیات اور کرب مسلسل جیسے کھیل کو اپنے سینوں پر سجا ئے، تقدیر کے عذاب، حدتِ شوریدہ، گھنی دھند اور لہو کی جواہر کی طرح یلغار کرتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے چولِ جلالی کے مقام پر پڑا و کیا۔

دریائے سندھ کے کنارے ان سارے علاقوں کا حکمران ایک شخص شہاب الدین نام کا تھا۔ جس کا مرکزِ شہر مولیاں تھا۔ امیر تیمور نے شہاب الدین کو اپنے پاس طلب کیا اور جواب میں شہاب الدین نے اس کے پاس آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تیمور نے اپنے پوتے پیر محمد کو شہاب الدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ پیر محمد اور شہاب الدین دونوں کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے لیکن جنگ شروع ہونے سے قبل دونوں میں گفتگو کے ذریعے صلح ہو گئی اور اس طرح بظاہر یہی دکھائی دینے لگا تھا کہ جنگ کا خطرہ اب ٹل گیا ہے لیکن جونہی پیر محمد صلح کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ واپس جانے کے لیے پلٹا شہاب الدین نے دھوکا دہی سے کام لیا اور آندھیوں میں سگتے انگاروں اور منہ زور آندھی کی طرح اس نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔

پیر محمد کو پشت کی طرف سے ایسے اچانک حملے کی قطعاً اُمید نہ تھی اور نہ ہی اس نے اس سلسلے میں کوئی احتیاط برتی تھی۔ اس لیے شہاب الدین جب کالی رات کے برہم سمندر، خوفناکیوں سے بھرے مجرم دل اور سفاحیوں کے بھنور کی طرح پیر محمد کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو پیر محمد کو اپنا دفاع تک مشکل دکھائی دینے لگا اور شہاب الدین اس کے لشکر کی صفوں کی صفوں کو موت کی تاریکی، جہنمی شراروں اور بد نصیبی کے سایوں

۱۔ یہ جگہ جلال الدین منگ برنی کے نام پر چولِ جلالی مشہور ہوئی تھی اور ایک وادی کی صورت میں یہ کوہستانوں میں گھری ہوئی تھی۔

کی طرح اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

پیر محمد اس نازک موقع پر اپنی صفوں کو درست کر کے اپنا دفاع اور پھر جارحیت کرنے میں مکمل طوع پر ناکام رہا۔ اسی لیے شہاب الدین نے پیر محمد کے لشکر کو ناقابلِ تلافی حد تک نقصان پہنچایا۔ اسی لیے پیر محمد نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا۔ اس پر شہاب الدین کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ اس نے شوق سے لبریز موت کی بھیانک منہسی اور مرگ کی کھٹی آغوش بن کر پیر محمد کا تعاقب کیا اور تاتاری لشکر کی حالت اس نے زنج و غم کے کھلیان جیسی کر دی تھی۔

پیر محمد کی اس ہزیمت و شکست اور پسپائی و فرار سے تیمور سخت برہم اور سخی ہوا اور اس نے شہاب الدین کو اس کی سخت ترین سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جب پیر محمد کا لشکر تیمور کے پاس واپس آ گیا۔ تب تیمور نے نور الدین کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ اس دوران سیف الدین، اسقف یوحنا، شاہ رخ، محمد سلطان، آق بوغا، شہزادہ خلیل اور لشکر میں شامل دیگر علماء و فضلاء اور پادری بھی تیمور کے خیمے میں حاضر ہوئے اور تیمور سے پیر محمد کی شکست و ہزیمت پر افسوس و مہمردی کرنے لگے تھے۔ اسی وقت نور الدین بھی تیمور کے خیمے میں داخل ہوا اور تیمور سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے وہاں بیٹھے سب لوگوں سے بھی ہاتھ ملایا۔ پھر تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور نور الدین نے پہلے پیر محمد کی پسپائی پر افسوس کا اظہار کیا پھر اس نے پوچھا: اے آقا! آپ نے مجھے کس لیے طلب کیا ہے؟

تیمور موجوں کے شور اور بجلی کی کڑک جیسی غصیلی آواز میں بولا: اے نور الدین! شہاب الدین نے عیاری اور دھوکا دہی سے کام لے کر پیر محمد کو شکست دی ہے اور میں شہاب الدین کو اس کی اس عیاری اور دھوکا دہی کی سخت ترین سزا دینا چاہتا ہوں اور شہاب الدین کو سزا دینے کے لیے اور اس کے خلاف درد کے الفاظ اور زنجموں کے حرف جیسا انتقام لینے کے لیے اے نور الدین! میں نے تیرا انتخاب کیا ہے۔

۱۔ مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ بھی تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے کہ شہاب الدین (باقی صفحہ ۱۹۷ پر)

اے نور الدین! عداوت و شرانگیزی، ازل کے اسرارِ ابد کے ملذذ اور گرسنہ نگاہوں کے نہر کی طرح نمودار ہو کر شہاب الدین کے خلاف حرکت میں آؤ۔ پھرے سمندر، کبر کے دبیز پردوں اور سحرائے بے اماں کی تیرگی کی طرح اس پر چھا جاؤ۔

اے نور الدین! شہاب الدین کے عشرتوں کو اس کی سختوں میں، اس کے مقہوروں کے چراغوں کو تارکیوں کے زمزموں میں اور اس کی لوحِ ذہن کے سارے نقوش کو اس کے عصیان میں ڈبو کر رکھ دو۔ شہاب الدین کو سر سے لے کر پاؤں تک آگ ہی آگ میں ڈال دو اور اسے اس کی ہی ذات اور رحم نا آشنا تنہائیوں کا اسیر بنا کر رکھ دو۔ اے نور الدین! اپنے مہینہ کے ساتھ حرکت میں آؤ۔ اس جنگ

اس جنگ میں شہزادہ خلیل اور آق بوغا بھی اپنے عقب کو لے کر تمہارے ساتھ ہوں گے اور وہ دونوں تمہارے ساتھ تمہارے نائب کی حیثیت میں کام کریں گے۔ اب تم کہو کب تک تم شہاب الدین کے خلاف یہاں سے کوچ کر سکتے ہو؟

نور الدین نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں آج ہی مہینہ اور عقب کے ساتھ شہاب الدین کے خلاف حرکت میں آ سکتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ہمارے حملے سے یقیناً شہاب الدین ایسا محسوس کرے گا گویا وہ قدرت کے احتساب اور اپنے ضمیر کے پیچ و تاب کا شکار ہو کر رہ گیا ہو۔“

تیمور جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی استقف یو حنا بول پڑا اور اس نے تیمور کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے آقا! امیر نور الدین کی کمانداری میں جو شکر شہاب الدین کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگا۔ کیا اس شکر کے سپاہی اور سالار جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہیں وہ اس جنگ میں اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لے جا سکیں گے؟“

تیمور نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”ہاں، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کے ساتھ

(رفیقہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) نے پیر محمد کے ساتھ دغا اور دھوکا کیا اور اس کی سرکوبی کے لیے تیمور نے نور الدین کا انتخاب کیا۔

ہر شکر اڈ میں لشکری اپنے اہل خانہ کو ساتھ رکھیں گے۔ پر اے اسقف یوحنا! تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو۔ تم تو میرے قلب لشکر میں شامل ہو اور تمہاری بیوی مالتھس اور تمہاری بیٹی اینجیلینا بھی تمہارے ساتھ ہیں۔“

اس پر یوحنا نے غور سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے آقا! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی بیوی مالتھس اور بیٹی اینجیلینا کے ساتھ امیر نور الدین کے لشکر میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ جب تک ہم ہندوستان کے اندر برسرِ پیکار ہیں۔ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ امیر نور الدین کے مہمنہ میں شامل رہوں۔“

یوحنا کے خاموش ہوتے پر تیمور نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا پھر اسقف یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بولا۔ اے یوحنا! اگر نور الدین اس پر رضامند ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تم مہمنہ میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہو اور مہمنہ کا سرور نور الدین ہے۔ لہذا اس سلسلے میں نور الدین کی رضامندی ضروری ہے۔“

اس پر اسقف یوحنا منہ سے تو کچھ نہ بولا تاہم وہ ایسے انداز میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگا تھا جس میں حلاوت اندوزی، راحتِ قرب اور مندی میں بہتے تنکے کی سی عاجزی اور انکساری کے پس منظر میں التجاؤں و تمناؤں سے بھرپور ایک جواب طلبی بھی تھی۔ نور الدین بھی اسقف یوحنا کی اس ظاہری و باطنی کیفیت کو بھانپ گیا تھا۔ لہذا اس نے روح کے سرور اور دلوں کو مرہم و حوصلہ عطا کرنے کے انداز میں کہا۔

اے مہتمم یوحنا! اگر آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ قلب سے نکل کر میرے مہمنہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیمور سے اس نے اجازت طلب انداز میں کہا۔ اے آقا! میں اب جاتا ہوں کہ اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کی تیاریاں مکمل کر سکوں۔“ تیمور بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور نور الدین کے ساتھ اس نے مصافحہ کرتے

ہوئے کہا۔ "اے نور الدین! اب تم جا کر اپنی تیاری کرو اور ہاں میں تمہیں بتا دوں کچھ ناظر جو شہاب الدین پر نگاہ رکھنے پر مقرر ہیں وہ تمہارے آنے سے تھوڑی دیر قبل یہ خبر دے چکے ہیں کہ پیر محمد کو پاپا کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے مرکزی شہر مولیان کی طرف چلا گیا اور وہاں اس نے زور شور سے ہمارے خلاف اپنی جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور اے نور الدین! یہ ناظر تمہارے مہیمہ میں شامل ہو کر شہاب الدین کے مرکزی شہر تک نہ صرف تمہاری راہنمائی کریں گے بلکہ وہاں تمہارے لیے کام بھی کریں گے۔"

تیمور ذرا مرکا پھر اس نے رازداری کے انداز میں کہا۔ "اے نور الدین! میں یوحنا، انجیلینا اور ماتھس کے معاملے میں تم سے بہتر سلوک اور توقعات کی امید رکھتا ہوں۔ انجیلینا کے ماضی کے رویے کی وجہ سے ان کے ساتھ انتقامی یا امتیازی سلوک روا نہ رکھنا۔ اپنے خیمے کے ساتھ ان کے لیے عمدہ خیمے کا انتظام و انصرام کرنا۔ ان کی ہر مانگ ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ اور اے نور الدین! ان کے ساتھ تمہارا نرم اور خوش کن رویہ میری خوشی اور میرے اطمینان کا باعث ہوگا۔"

اے نور الدین! میری سب سے بڑی خواہش آج کل یہی ہے کہ میں تمہاری شادی کر کے تمہارا گھر آباد کر دوں۔ اگرچہ تم نے کسی گناہ لڑکی کا مجھ سے ذکر کر کے مجھے انجیلینا اور نائسیا کے معاملے میں ٹلنے کی کوشش کی تھی تو میں سمجھتا ہوں اب اس سلسلے کو تم طول نہ دو گے۔ اے نور الدین! اگر اس گناہ لڑکی کا کوئی وجود ہے تو میں انجیلینا کے معاملے میں فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔

اور اگر اس گناہ لڑکی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جس سے متعلق تمہارا کہنا ہے کہ تم اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر اے نور الدین! مجھے دھند اور اندھیرے میں رکھ کر اپنے اور انجیلینا کے درمیان فرقوں کا سیاہ اندھیرا، تشنگی کا آہتا سمندر، ظلمت کی لمحہ کا سکوت اور دہکتے انگاروں کی تپس حائل نہ ہونے دینا تم جانتے ہو نائسیا پہلے ہی تم سے مایوس ہو کر سمرقند سے لٹھوٹا لٹھوٹا چکی ہے۔ اب تمہارے معاملے میں میرے سامنے صرف انجیلینا ہی ہے جسے میں تمہارے قابل سمجھتا ہوں

اس لیے کہ ماضی میں وہ جس قدر تم سے نالاں اور بیزار رہی ہے، اپنے حال میں وہ تمہارے ساتھ اس سے کہیں زیادہ چاہت و محبت کرنے والی ہے۔

اے نور الدین! میرے عزیز! میرے بیٹے! اگر اس گمنام لڑکی کا کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر میں تم سے خواہش کروں گا کہ اینجیلینا کے ساتھ اسے اپنا ساتھی بنانے اور اسے اپنانے کا رویہ اختیار کرنا۔

تیمور ذرا لڑکا پھر نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا اے نور الدین! جہاں خیل نے ہمیں مایوس کیا ہے۔ وہاں تیری صودت میں اہم اپنی امیدوں کے ثمرات، اپنی خواہشوں کو بار آور، اپنے تخیل کی دکانیڑی اور اپنے سرو خوابوں کی حسب خواہش تعبیر دیکھنا چاہتے ہیں۔

جواب میں نور الدین نے کچھ بھی نہ کہا۔ چند لمحوں کے لیے اس کا چہرہ تفکرات سے بھرپور ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی پھر وہ اپنے پیچھے ماحول پر ایک لطیف غنودگی اور بال گسل تنہائی چھوڑتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اسقف یوحنا بھی اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔



شہاب الدین کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور نے اس کی ہر کوئی کے لیے اور اس سے پیر محمد کی پساٹی کا انتقام لینے کے لیے اپنے بہترین جرنیل نور الدین کو اس کے لیے مقرر کر دیا ہے تو شہاب الدین کچھ فکر مند تو ہوا لیکن اس نے اس معاملے کو کوئی چنداں اہمیت نہ دی۔ اس لیے کہ اول تو اس کی اپنی عسکری حیثیت بڑی مضبوط و مستحکم تھی اور دوم یہ کہ اسے اپنے مرکزی شہر مولیان کی فسیلوں اور قلعے کی مضبوطی اور استحکام پر بڑا ناز تھا۔ لہذا وہ پُر سکون سا ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر مولیان میں محصور ہو گیا اور مزید اطمینان و پیش بندی کے طور پر اس نے اپنے مرکزی شہر مولیان کے اطراف میں ایک گہری اور ناقابل قبول خندق کھدوائی اور اس خندق کے اندر اس نے دریائے سندھ کا پانی بھر دیا۔ اس طرح اپنے دفاع اور اپنی جارحیت کے سارے نظامات

مکمل کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے مرکزی شہر میں نور الدین کا انتظار کرنے لگا تھا۔

نور الدین جب اپنے لشکر کے ساتھ مولیان پہنچا تو پہلے اس نے شہر کا بغور جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا شہر دریائے سندھ کے کنارے تھا۔ اس طرح اس کی ایک سمت دریائے سندھ کے گہرے اور طوفانی پانی نے محفوظ کر رکھی تھی جب کہ شہر کے باقی تین اطراف خوب گہری اور ناقابل عبور خندق تھی جو پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ دریائے سندھ چونکہ شہر کے غربی حصے سے ٹکرا کر گزرتا تھا۔ لہذا شہر کی تفصیل کے مغربی حصے کو بڑے پتھروں کو استعمال کر کے خوب مضبوط بنا دیا گیا تھا تاکہ دریائے سندھ کی نقصان نہ پہنچا سکے اور ساتھ ہی نور الدین نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ یہ تفصیل کافی چوڑی ہے اور اس میں نقب لگا کر یا سوراخ کر کے شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔

مولیان شہر اور اس کے اطراف کا خوب ابھی طرح جائزہ لینے کے بعد نور الدین نے آق بوغا اور شہزادہ خلیل کے لشکر کو شہر کے مشرق میں اور اپنے میمنہ کو اس نے شہر کے شمال میں خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ لشکر کے یہ خیمے شہر سے اس قدر فاصلے پر نصب کرائے جا رہے تھے کہ شہر کی تفصیل سے اگر دشمن تیر اندازی کرے تو اس کے تیر خیموں تک نہ پہنچ سکیں۔

دوسری طرف شہاب الدین بھی

اپنے سلاخوں کے ساتھ تفصیل کے ایک بُرج میں کھڑا ہو کر نور الدین کے لشکر کو خیمہ زن ہوتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس انکشاف پر بھی مطمئن تھا کہ نور الدین کی سرکردگی میں جو لشکر کی سرکوبی کے لیے آیا تھا اس کی تعداد اس کے اپنے اس لشکر سے کم تھی۔ جو اس کے پاس اس کے مرکزی شہر میں تھا۔

تفصیل کے ایک بُرج کے اندر کھڑے شہاب الدین نے یہ بھی دیکھا کہ نور الدین کے حکم پر کچھ جوان شہر کے شرقی اور شمالی دروازوں کے دائیں جانب بڑے بڑے گڑھے

کھود کر ان کے سامنے دم دے بندے لگے تھے۔ شہاب الدین کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ نور الدین ان گہرے گڑھوں اور دمدموں سے کیا کام لے گا۔ تاہم اس نے اس کام کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور اب وہ نصب ہوتے خیموں سے لگا ہوا ہٹا کر ان جوانوں کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا جو اپنے خیموں کے عقب میں اپنے لشکر کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

نور الدین ایک جگہ کھڑا اپنے لشکر کے نصب ہوتے خیموں کا جائزہ لے رہا تھا اور کبھی کبھی وہ نگاہ اٹھا کر شہر پناہ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ اتنے میں استغفیرؒ شہزادہ خلیل اور آق بونا تیز تیز چلتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ قریب آ کر ان تینوں نے نور الدین سے مصافحہ کیا پھر شہزادہ خلیل نے پوچھا۔ ”اے امیر! کیا آپ ہمیں یہ نہ بتائیں گے کہ شہر کے شرقی اور شمالی اطراف دروازہ کے اطراف میں جو گڑھے کھود کر دیے بنائے جا رہے ہیں۔ اس جنگ میں ان کی کیا افادیت ہوگی؟“

اس سوال پر نور الدین کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! تم لوگ ان گڑھوں اور دمدموں کی افادیت اس وقت محسوس کر دو گے جب کبھی دشمن نے شہر سے نکل کر ہم پر شب خون مارنے کی کوشش کی۔“

اس بار یوحنا نے چونک کر پوچھا۔ ”تو کیا دشمن ہم پر شب خون بھی مار سکتا ہے؟“ نور الدین نے پھر کہا۔ ”دشمن کی طرف سے ایسے کسی بھی امکان کو رو نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہماری قوت کو توڑنے اور ہمارے لشکر میں انتشار و بددلی پھیلانے کی خاطر ضرور ہم پر شبخون مار سکتا ہے۔ یہ جو شہر کے شرقی اور شمالی دروازوں کے پاس دمدمے کھودے جا رہے ہیں۔ رات کے وقت ان دمدموں کی اوٹ میں لشکر کا ایک حصہ بٹھا دیا جائے گا اور یہ لشکر جاگ کر دشمن پر نگاہ رکھیں گے۔ جب کہ باقی لشکر اس سرما کی تیز اور جان لیوا سردی میں اپنے خیموں کے اندر آرام کر سکے گا۔“

اگر دشمن ہم پر شب خون مارتا ہے تو دمدموں کے پیچھے ہمارے لشکر

قرب خون مارنے والوں پر نہ صرف تیز اور جان لیوا تیر اندازی کر کے انہیں رگ جانے
 پر مجبور کر دیں گے بلکہ زور زور سے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کر کے وہ اپنے شکر کو بھی اس شبنون
 سے مطلع کر دیں گے بلکہ ان کی اس پیشگی اطلاع پر ہمارا شکر تیار ہو جائے گا اور ہم بڑی
 آسانی کے ساتھ دشمن کے شرب خون کو ناکام بناتے ہوئے اس پر جوابی حملہ کر سکیں گے۔
 نور الدین کے خاموش ہونے پر آق بوغانے نور الدین کی طرف تو صیفی انداز میں کہا۔
 ’اے امیر! قسم خداوند کی۔ جہاں آپ جیسا مخلص اور فہیم انسان کسی شکر
 لاسالار اعلیٰ ہو وہاں شکریوں کی رگ رگ میں آتش بے نفس کے جذبات بجھنے لگتے
 ہیں اور ایک سپاہی کے خون کا شوریدہ رقص اسے موت جیسے مہیا تک دشمن سے بے پرواہ
 کر کے رکھ دیتا ہے۔“

نور الدین نے آق بوغان کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اور اس نے بات کا رخ
 بدلتے ہوئے شہزادہ خلیل اور آق بوغان دونوں ہی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اب تم دونوں
 اپنے شکر میں جاؤ اور وہاں اپنے شکریوں کے کھانے کا انتظام کرو۔“ خلیل اور آق بوغان
 دونوں کچھ کہے بغیر دناں سے چلے گئے تھے۔ اب خیمے نصب ہو چکے تھے۔ لہذا اسقف
 دعا اپنے خیمے میں اور نور الدین اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔



نور الدین جب اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا۔ خیمے کے دروازے
 کے ایک طرف اس کا بستر لگا دیا گیا تھا۔ جب کہ خیمے کے وسط میں ایک چھوٹے سے
 کپڑے کی صورت میں آتش دان بنا دیا گیا تھا۔ اس آتش دان میں آگ روشن تھی اور قریب
 لاکھ لکڑیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ آتش دان کے قریب ہی ایک خاصی بڑی چٹائی
 لی بچھا دی گئی تھی۔ نور الدین آگے بڑھ کر اس چٹائی پر بیٹھ گیا اور آتش دان میں
 مٹنے والے کچھ اور لکڑیاں ڈال دی تھیں۔ پھر اس کی گردن جھک گئی اور وہ انجانی
 موموں میں کھو گیا تھا۔ باہر وحشتوں کا رقص کسکتی ہوئی سرنا کی تیز ہوائیں گونجتے
 لہروں کے آبشاروں جیسا شور مچ رہی تھیں اور دریائے سندھ کی سرکش لہریں تھپو

سے ٹکرا کر ایسا سماں پیدا کر رہی تھیں جیسے دُکھ کے پاتال کے منہ کھل گئے ہوں۔
 آتش دان کے پاس بیٹھا نور الدین اپنی انہی انجانی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ اسے
 اپنے خیمے کے دروازے پر سرسری سرسراہٹ اور ہلکی اور لطیف آہٹ محسوس ہوئی۔
 اس نے جب چونک کر دیکھا تو حسین ایچلینا خیمے میں داخل ہو رہی تھی۔ کائنات کے
 اندر ڈوبتے سورج کی پھیلتی سرخی کے اندر اس سے ایچلینا کے رنگین رخسار دیکھ
 اُٹھے تھے۔ اس کی محمود چشمے نوار میں احساسات کے رنگ اور زندگی کے حسین رنگ
 قص کنایاں تھے اور اس کے جسم میں آتشی حرارتوں اور چہرے پر رنگ و جوانی کے
 اُن گنت سراب تانک جھانک کرنے لگے تھے۔

اس وقت ایچلینا اپنے ہاتھوں میں کھانے کا ایک بڑا طشت اٹھائے ہوئے
 تھی۔ قریب آکر کھانے کا وہ طشت ایچلینا نے جب نور الدین کے سامنے رکھ دیا تو
 نور الدین نے حیرت و پریشانی کے عالم میں ایچلینا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے
 استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ ”اے خانم! یہ سب کما سے۔ یہ کھانا کیسا اور کن
 لوگوں کے لیے ہے؟“

ایچلینا نے کھلے روپ کی کلیوں جیسی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے امیر! پہلے میں
 یہ احتجاج کرتی ہوں کہ میرا نام خانم نہیں ایچلینا ہے اور آپ میرے اس نام سے خوب
 واقف ہیں۔ لہذا آپ مجھے خانم کے بجائے ایچلینا کہہ کر بھی پکار سکتے ہیں اور آپ
 کے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کھانا آپ ہی کے لیے ہے۔“

نور الدین نے عزم سے بھرپور آواز میں کہا۔ ”اے خانم! تو میری فطرت
 کو نہیں بدل سکتی۔ میری فطرت، میری سرشت اور میرا نفس دیرِ شعور اس بات کا
 متقاضی ہے کہ میں تمہیں ایچلینا کہنے بجائے خانم کہہ کر پکاروں۔ چونکہ تم میرے لیے
 ایک غیر اور نامِ محرم لڑکی ہو لہذا میں تمہیں نام سے نہیں خانم کہہ کر ہی پکار سکتا ہوں۔ لہذا
 اے خانم! اپنے نفس کی پکار اور اپنے ضمیر کے اطمینان کے مطابق میں تمہیں خانم کہہ کر
 ہی پکاروں گا۔“

سنو خانم! تم میرے لیے اجنبی اور نا آشنا ہو۔ سو میں تمہارا لایا ہوا کھانا کیوں کر کھا سکتا ہوں۔ لہذا تم یہ کھانے کا طشت اٹھا کر واپس لے جاؤ۔ میں اپنے رب کے علاوہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہ کھانا اٹھا کر لے جاؤ۔ میرے شکری میرے لیے خود ہی کھانا پہنچا دیں گے۔“

اینگلیٹن کے دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے کہا: اے امیر! جب یہ کھانا ہے ہی آپ کے لیے تو اسے میں واپس لے کر کیوں جاؤں۔ آج یہ کھانا تو آپ کو کھانا ہی ہوگا۔“ اینگلیٹن کی مسکراہٹوں اور دھیرے دھیرے اس کے گاتے تن من سے نور الدین کو یوں لگا جیسے وہ فق کی بے خواب دادیوں جیسی حسین اور پرکشش لڑکی اسے اعصاب کی دھم کھٹک، سردی لمحات، نیرنگ احساسات، سحر سوز و ساز، مست انگڑائی کے والوں، زمزمہ انگیزی اور اپنے حسن کے طلسم دل نشین میں مبتلا کر دینا چاہتی ہو۔ نور الدین یوں محسوس کر رہا تھا گویا اینگلیٹن نے اس کے عزم کے ساغروں کو پاش پاش اور اس کی بے تعلقی کی دیواروں کو شکستہ کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا ہو۔

اینگلیٹن ایک طرح سے آتش دان کے قریب اور نور الدین کے سامنے چٹائی پر دھرنادے کہ بیٹھتی ہوئی بولی۔“ آپ بھلے مجھے خانم و خاتون کے اجنبی اور نا آشنا اموں سے پکارتے رہیں۔ پر میں آج سے آپ کو آپ کا نام لے کر مخاطب کیا کروں گی۔ میں جانتی ہوں آپ مجھے ان الفاظ کی سزا دے رہے ہیں جو سمرقند میں آپ کے اودھ کے پہلے روز آپ کو غلام ابن غلام کہہ دیا تھا۔ گو میں ان الفاظ کی کئی بار آپ سے معافی بھی مانگ چکی ہوں۔ پھر بھی آپ میرے ساتھ غیرت اور اجنبیت ہی برت رہے ہیں۔ تاہم میں نے بھی عہد کر لیا ہے کہ میں آپ کے دل سے اپنے ان الفاظ کا اثر نکال کر رہوں گی اور آپ سے میں معافی حاصل کر کے رہوں گی۔ اب جب کہ میں آپ کے سوا آپ کے اس خیمے میں کوئی اور نہیں ہے تو میں آج آپ سے مل کر کہہ دینا چاہتی ہوں کہ میرے سینے کی غلبش میں، میری جبین کی تازگی اور میری رُوح الٰہی صرف آپ ہی کا نام معلق ہے۔“

اینگلیٹنڈ فرار کی پھر وہ سنجیدگی، غم کی طغیانی اور مرد آہوں کے بخار جیسی کیفیت میں کہہ رہی تھی: "اے امیر! اس دُنیا کے اندر اگر میں کسی کو عزیز اور اپنی زینت کا محو و مرکز خیال کرتی ہوں تو وہ آپ ہیں۔ آپ میرے حسن و قبح کا آئینہ۔ میرے ساگر ہستی کا دھارا۔ میری روح کے ترجمان اور میرے قلب کی معصوم دھڑکن ہیں۔ گو شروع میں آپ کے سلسلے میں مجھ سے کچھ بداحتیاطی ہوئی لیکن ایک امیر! اس وقت میں آپ کو تو سمجھ ہی نہ پاتی تھی۔ اب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس دُنیا میں مجھ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ کوئی پُر غلو ص اور آپ کو کوئی چاہنے والا نہ ہوگا۔

پھر اینگلیٹنڈ فوراً آگے بڑھی اور نور الدین کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے رُود کے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے امیر! خدا مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھ سے اجتناب اور بے رُنی بہت کم میری زندگی کو فطرت کا بدترین گم داب، میری روح کو بھر کا طوفان، میرے دل کو حوادث کا رقص، میرے ضمیر کو ظلمت کی لحد اور میری ذات کو کسی بے جان اور ساکت ٹیما جیسا نہ بنا دیجئے۔ اے امیر! خدا کے لیے مجھے آکاس بیل کے سے بے انت چکریں نہ ڈالیے۔

نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں کھینچ لیے اور بڑی عاجزی اور انکساری میں اس نے کہا: "اے خانم! میں تو خود ایک گنہگار انسان ہوں۔ تمہیں کیا معاف کر لے گا۔ یقین جانو! میں ایک ایسا بے مایہ انسان ہوں جس کے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" نور الدین کے خاموش ہونے پر اینگلیٹنڈ پھر بولی۔

"اے امیر! اگر آپ ایسے ہی بے مایہ ہیں کہ آپ کے پاس مجھے دینے کے لیے کوئی محبت، کوئی چاہت نہیں ہے تو آپ صرف چند جملوں پر مشتمل یہ بھی آ کہہ سکتے ہیں۔ اینگلیٹنڈ! میں نے تمہیں معاف کر لیا۔" آپ کا صرف یہ ایک جملہ ہی مجھے دھکے کے پاتال اور بے خواب وادیوں سے نکال کر میرے قلب کی دھڑکنوں کو پکڑا اور میری روح کی روانی کو سردی لمحات بخشنے کے لیے کافی ہے۔"

اینگلینا کی اس خواہش پر نور الدین کی گردن جھک گئی تھی۔ پھر اس نے گردن جھکائے ہی جھکائے نرم اور دھیمی آواز میں کہہ دیا۔ ”اے اینگلینا! میں نے تمہیں معا کیا۔ نور الدین کے صرف ایک جھکے نے حسین اینگلینا کی حالت ایسی کر دی تھی جیسے ضبط کی دشتوں، بھٹکتے شعور، تحس کے نمایاں اضطراب، دل کی ہیجان خیزی اور وقت کے بدترین سانچوں سے نکل کر آندوؤں کے ضو کو دوں، تماشاہائے نشاط، محبتوں کے ہیجان، طلسموں کی دل نشینی، متابی روشنی، پھولوں کی مہک، ندیوں کے ترنم اور بہاروں کی شوق انگیزیوں میں کھو کر رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے، اس کے ہونٹوں پر صد رنگ جلوے اور رُوح کے سرورِ قص کرنے لگے تھے۔“

اس موقع پر اینگلینا نور الدین سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ استغفر یوحنا اور اس کی بیوی مانٹھس خیمے میں داخل ہوئے اور نور الدین کے سامنے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے یوحنا نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے ”اے امیر! تھوڑی دیر قبل کچھ لشکری ہمارا ادا آپ کا کھانا لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں اپنے خیمے کے پاس ہی روک لیا تھا اور اور ان سے آپ کا کھانا بھی لے لیا تھا۔ دراصل میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ اینگلینا طشت میں رکھ کر جو کھانا لے کر آئی ہے یہ وہی ہے جو کہ لشکری ہمارے ادا آپ کے لیے دے گئے ہیں۔“ امید ہے آپ برا نہ مانیں گے۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے نرمی اور فراخ دلی میں کہا۔ ”اے محترم یوحنا! ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں خوش ہوں کہ میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔“ اور پھر وہ چاروں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اپنی زندگی میں پہلی بار نور الدین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے حسین اینگلینا ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے تھکاتے فوراً بدل گئے ہوں احساس کی زلیلت جن مصر آمدنی روم جیسی جاذب و پرکشش ہو کر رہ گئی ہو۔





گہری دگھمبیر رات سمندر کے نیلے گونگے لمبوں کی طرح خاموشی اور اُچار و دیران خانقاہ کی سی وحشتیں پھیلاتی ہوئی بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ آسمان پر گہرے دبیز پردوں جیسے بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش کا بھی امکان تھا۔ گہری تاریکیوں نے سمندر کی گہرائیوں اور آسمان کی رفعتوں کو آپس میں ملا دیا تھا۔

آدھی رات کے قریب جس وقت فضاؤں کے اندر ہلکی ہلکی بوند باندی ہو رہی تھی اس وقت اچانک نور الدین کے لشکر میں ایک شور مٹھ کھڑا ہوا اور ہر طرف سے یکوازی سنائی دینے لگیں کہ ”دشمن نے شبِ خون مار دیا ہے۔“

اس انکشاف پر نور الدین کے لشکر کا ہر فرد جاگ اٹھا تھا اور ہر کوئی ادھر ادھر بھاگتے ہوئے حالات کا جائزہ لینے لگا تھا اور نور الدین کے لشکر میں صلح ہو کر رونما ہونے والے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

اس شور و داویلا پر انجیلینا، استقف یوحنا اور ماتھس بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اپنے خیمے سے نکل کر معلومات حاصل کرنے کے وہ نور الدین کے خیمے کی طرف بھاگے لیکن جب وہ نور الدین کے خیمے میں داخل ہوئے تو تینوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ کیوں کہ نور الدین کا خیمہ خالی تھا اور وہ وہاں نہ تھا۔

نور الدین کو وہاں نہ پا کر خصوصیت کے ساتھ انجیلینا کی حالت ایسی ہو گئی تھی

جیسے ذلت و پستی کا کفن، جیسے پاب زنجیر قیدی، جیسے اُجاڑویرانے، جیسے خزاں کے اُداس نغمے۔ اس کے شہد میں دُوبے گلگوں ہونٹ خزاں کے پیلے پتوں کی طرح ہو کر رہ گئے تھے اور اس کی خالی ویران آنکھوں کے اندر رونڈے ہوئے پھولوں اور غریب الوطن اجنبی کی سی کیفیت چھا گئی تھی۔

اس موقع پر ایجنینا اپنے باپ یوحنا سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ ایک طرف سے آق بوغا بھاگتا ہوا آیا۔ ایجنینا، یوحنا اور ماتھس سے کچھ کہے بغیر وہ بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا لیکن نورالدین کو وہاں نہ پا کر وہ مایوسی کی حالت میں پلٹا اور یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے محترم یوحنا! کیا آپ بتا سکیں گے کہ امیر نورالدین اس وقت کہاں ہیں؟“

یوحنا نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ ”اے آق بوغا! میں تو خدا میر کے لیے پریشان ہوں۔ جس وقت شب خون کا شور و غوغا بلند ہوا تو ہم تینوں بدحواس ہو کر اُٹھ بیٹھے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے جب ہم اس طرف آئے تو ہم نے دیکھا امیر نورالدین اپنے خیمے میں نہ تھے۔ اے آق بوغا! کیا تم بتا سکو گے کہ امیر نورالدین ضرورت کے اس وقت کہاں ہو سکتے ہیں؟“

اس سوال پر آق بوغا کی گردن جھک گئی۔ اس نے کچھ سوچا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ پھر یوحنا کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا۔ ”اے محترم یوحنا! امیر نورالدین اپنے شکر کی اتا۔ اپنے عسکریوں کے دلوں کا مرہم حوصلہ اور اپنے ساتھیوں کے لیے محبت جیسا شیر گرم ہیں۔ اے استغف یوحنا! امیر نورالدین آنے والے طوفانوں کا محرم اور جنم لینے والی آندھیلوں کا شناسا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔“

آق بوغا کی اس گفتگو پر یوحنا نے اکین تجو کے عالم میں بیتاب و بے چین ہو کر پوچھا۔ ”اے آق بوغا! اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ امیر نورالدین اس وقت کہاں ہوں گے؟“

آق بوغانے مسکراتے ہوئے کہا - ”وہ یقیناً اس وقت لشکر کے اس حصے میں شامل ہوں گے جسے شب خون روکنے کے لیے ددموں کی اوٹ میں مقرر کیا گیا تھا۔ میں امیر سے وہیں جا کر ملتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی آق بوغا کچھ کہے بغیر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب کہ انجیلینا۔ یوحنا اور ماتھس بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

آق بوغا، انجیلینا، یوحنا اور ماتھس بھاگتے ہوئے جب ان ددموں کے پاس گئے تو انہوں نے دیکھا ہلکی ہلکی بوندا باندی میں نور الدین وہاں ایک ددمے کے پاس کھڑا اپنے سپاہیوں کو ہدایات دے رہا تھا اور ان ددموں کے پاس جلتی ہوئی چھوٹی چھوٹی مشعلیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں اور ان مشعلوں کی روشنی کے باعث ددموں کے اطراف کا علاقہ روشن ہو رہا تھا۔

نور الدین کو وہاں کھڑا دیکھ کر انجیلینا کی ساری اداسیاں، ساری افسردگیاں جاتی رہی تھیں۔ وہ روحوں کے لمس جیسی لطیف، کیف شراب و شعر جیسی پر لطف اور زندگی کے قص پہیم جیسی جاذب ہو کر رہ گئی تھی۔ چاروں تیزی کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں نور الدین کھڑا ہوا تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں نور الدین بھی انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ اپنے لشکریوں کے پاس سے ہٹ کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

جب نور الدین قریب آیا تو آق بوغانے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے امیر! یہ شب خون کا شور و واویلا کیسے اور کیوں کر ہمارے لشکر میں پھیلا۔ جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ دشمن کے ہم پر شب خون مارنے کے دورِ وحدت کوئی آثار نہیں ہیں۔ میں شب خون کے اس شور پر اٹھ کھڑا ہوا۔ غیب سے میں نے کہا کہ وہ لشکر کی گمراہی کرے جب کہ میں امیر کے خیمے کی طرف جا کر معلومات حاصل کرتا ہوں لیکن جب میں آپ کے خیمے میں آیا تو وہ خالی تھا۔ اور انجیلینا، یوحنا اور ماتھس وہاں اداس اور افسردہ کھڑے ہوئے تھے۔ پس وہاں کھڑے

ہو کر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آدھی رات کے اس وقت اس لشکر کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتے جو دمدموں کی ادٹ میں مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا ہم چاروں بھاگتے ہوئے اس طرف آگئے۔ اے امیر! اب بتائیے کہ یہ شب خون کی افواہیں اپنے لشکر میں کیسے پھیلیں۔“

آق بوغا کے اس استفسار پر نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے آق بوغا! شب خون سے متعلق یہ افواہ نہ تھی بلکہ تھوڑی دیر پہلے دشمن نے حقیقتاً شب خون مارا تھا لیکن میں نے ان دمدموں کی ادٹ سے اپنے ان لشکریوں سے ان پر ایسی تیر اندازی کرائی کہ شب خون مارنے والا لشکر پیش قدمی کرنے کے بجائے واپس بھاگ گیا اور ساتھ ہی میرے ان لشکریوں نے زور زور سے شب خون کا شور بلند کر دیا تھا اور ان کی پکار پر سارے لشکر کے اندر شب خون کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ بہر حال ہم نے دشمن کے شب خون مارنے کے ارادوں کو مکمل طور پر ناکام بنا کر رکھ دیا ہے۔“

آق بوغا نے حیرت سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اے امیر! اور آپ اپنے خیمے سے نکل کر لشکر کے اس حصے میں آ شامل ہوئے تھے۔“ آق بوغا کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نور الدین نے نرمی سے کہا۔ ”جس وقت لوگ اپنے اپنے خیموں میں سو گئے تھے، میں اپنے خیمے سے نکل کر ادھر آ گیا تھا۔ جس وقت میں نے ان دمدموں کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ میں نے اس وقت ہی عہد کر لیا تھا کہ رات کے وقت شب خون کی روک تھام کرنے والے اس لشکر کی قیادت میں خود کروں گا اور تم دیکھتے ہو کہ میں نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر دشمن کے شب خون کو ناکام بنا کر رکھ دیا ہے اور یہ جو تم یہاں جلتی ہوئی شعلیں دیکھ رہے ہو انہیں تو ہم نے شب خون کے بعد روشن کیا ہے تاکہ دشمن پر واضح ہو کہ ہم سوئے نہیں بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے جاگ رہے ہیں۔“

قبل اس کے کہ آق بوغا جواب میں کچھ کہتا کہ نور الدین نے پھر اسے مخاطب

ساتھ وہاں سے چلے گئے تھے۔ جب کہ نور الدین پھر واپس اس دمدمے کی طرف جا رہا تھا جس دمدمے کی طرف سے وہ آق بوغا، یوحنا، اینجلینا اور مالتھس کی طرف آیا تھا۔



رات آہستہ آہستہ سُلگتے دھاروں اور گونجتی آوازوں کی طرح گزرتی جا رہی تھی۔ بوندا باندی کی صورت میں ہلکی ہلکی بارش جاری تھی۔ تیز بخبتہ ہوائیں فضاؤں کے اندر برف کی سی تب و تاب پیدا کر رہی تھیں۔

جب رات اپنے آخری حصے میں داخل ہوئی تو نور الدین کے حکم پر لشکر میں نقارے بجنے لگے تھے اور اس کے ساتھ ہی آق بوغا اور خلیل نے عقب لشکر کے ساتھ شہر کی شمالی سمت سے حملہ کر دیا تھا۔

نور الدین کے اندازوں کے عین مطابق مولیان کے حکمران شہاب الدین نے اپنے لشکر کے بڑے حصے کو شہر کی فصیل کے شمالی حصوں کی طرف منتقل کر دیا تھا تاکہ دشمن کے حملے کا بھر پور جواب دیا جاسکے۔ اس طرح فصیل کے مشرقی اور جنوبی حصوں میں شہر کے محافظوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔

آق بوغا اور خلیل نے بڑی جانفشانی کے ساتھ شہر کی شمالی سمت سے حملہ کیا تھا۔ شہر پر طوفانی انداز میں تیروں کی بارش کی جانے لگی تھی اور پتھر برسائے جانے لگے تھے اور اس کے جواب میں شہاب الدین کا لشکر بھی انتہائی جانفشانی کے ساتھ تیر اندازی کے ساتھ ساتھ آگ اور کھوتا ہوا پانی بھی برسا رہا تھا۔

جنگ میں تیزی اور تندی پیدا کرنے کے اور نور الدین کو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مشرقی سمت سے کامیاب حملہ کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے آق بوغا اور خلیل ڈھالوں کی اوٹ میں اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے دشمن کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ شہر کے شمالی دروازے پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے جنگ میں ایک ہولناکی کی سی کیفیت پیدا ہو

گئی تھی۔

شہاب الدین اور اس کے لشکر کی آق بونا اور خلیل کے ساتھ اس مصروفیت سے نور الدین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ رات کی گہری تاریکی میں تمناؤں کے سراب اور تارکیوں کے غول بیا بانی کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے مشرقی جانب آنودار ہوا تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے سوجوانوں پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستے میں وہ خود بھی شامل ہوا اور اس دستے کے ہر سپاہی کو تین تین ڈھالیں اور ایک ایک کندھیا کی گئی تھی۔

ان میں سے ہر سپاہی نے ایک ڈھال اپنے سر پر دوسری اپنی چھاتی پر اور تیسری اپنی پشت پر باندھ لی تھی تاکہ دشمن کی تیر اندازی سے محفوظ رہا جائے۔

اب نور الدین ان سوجوانوں کو لے کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھا۔ اس حالت میں کہ ہر کوئی سانپ کی طرح ریختے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا جب کہ لشکر کا باقی حصہ شہر سے اس قدر فاصلے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا تھا کہ اگر وہ تیر اندازی کریں تو ان کے تیر شہر پناہ کے محافظوں تک پہنچ سکیں۔

نور الدین اپنے سوساتھیوں کے ساتھ شہر کی فصیل کے قریب آیا اور فصیل پر کندیں پھینک کر اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُد پر چڑھنا شروع کر دیا تھا ابھی یہ لوگ اُد پر چڑھتے ہوئے شہر کی فصیل کے آدھے حصہ تک ہی گئے ہوں گے کہ فصیل کے محافظوں نے انہیں اُد پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور انہوں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی تھی۔

نور الدین کے لشکر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ان کے امیر اور دوسرے سوساتھیوں پر تیر اندازی شروع ہو گئی ہے۔ لہذا انہوں نے بھی فصیل کے محافظوں پر اندھا دھند تیروں کی بارش کر دی تھی۔ نور الدین کے لشکر کی طرف سے اس قدر طوفانی تیر اندازی کے باعث فصیل پر چڑھتے جوانوں پر فصیل کے محافظ اپنی تیر اندازی جاری نہ رکھ سکے۔ لہذا ان سے نمٹنے کے لیے انہوں نے ایک نیا طریقہ اپنایا اور وہ یہ کہ انہوں

نے اُد پر چڑھنے والے نور الدین کے ساتھیوں کی کمندیں کاٹ کاٹ کر انہیں تفصیل سے نیچے گرانا شروع کر دیا تھا اور اپنے اس نئے طریقہ کار پر وہ بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

لیکن کمندیں کاٹنے کا یہ عمل انتہائی مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ اس لیے کہ وہ تیروں کی بستی بارش میں تفصیل کے اُد پر لیٹ لیٹ کر آگے بڑھتے ہوئے یہ کام کر رہے تھے۔ لہذا کمندیں کاٹنے کی یہ رفتار کافی سست اور دقت طلب تھی۔ وہ ابھی بمشکل بیس جوانوں کی کمندیں کاٹ کر ہی انہیں نیچے گرانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ تاہم اس دوران نور الدین اپنے باقی اسی ساتھیوں کے ساتھ تفصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تفصیل کے محافظوں نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا تھا تاکہ اُد پر چڑھنے والوں کا خاتمہ کر کے ایک بار پھر تفصیل کو محفوظ کر لیا جائے۔ دوسری طرف نور الدین کے لشکر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ان کا امیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ تفصیل پر چڑھ گیا ہے لہذا پورا لشکر طوفانی انداز میں آگے بڑھا اور تفصیل پر رسیوں کی سیڑھیاں بھینک کر انہوں نے اُد پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح تفصیل کے اُد پر چڑھنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

تفصیل پر چڑھنے کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنے اسی جوانوں کے ساتھ دائیں طرف والے بُرج پر اجالوں کے لہو، اضطراب و کرب، تلاطم و طغیانی اور گرداب کی سرکش یورش کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

بُرج کے محافظوں نے بہتری کوشش کی کہ وہ حملہ آوروں کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بلند آوازوں میں پکارتے ہوئے دوسرے برجوں کے محافظوں کو بھی مطلع کرنا شروع کر دیا تھا کہ دشمن مشرقی حصے سے شہر کی تفصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

یہ خبر گندھک اور بارود کی آگ کی طرح ایک بُرج سے دوسرے بُرج اور پھر

شمالی حصے میں شہر کے حاکم شہاب الدین تک جا پہنچی تھی۔ شہاب الدین نے نہ صرف اپنے لشکر کا ایک حصہ نور الدین کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا بلکہ اس نے دوسرے برجوں کے محافظوں کو بھی حکم دیا کہ وہ مشرقی برجوں کی حفاظت کے لیے شہر پناہ کے مشرقی حصے کا رخ کریں اس طرح سے شہر کی تفصیل کے اوپر ایک طوفان برپا ہو کر رہ گیا تھا۔

جس برج پر نور الدین اپنے استی ساتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا اس برج کے محافظ نور الدین کو روکنے میں مکمل طوع پر ناکام ہوئے تھے۔ اس لیے کہ نور الدین توان کے لیے دکھ کی کسک، رگوں میں زہر گھول دینے والی کوئی زہریلی لہر، ہمتوں کا سیل اور دہکتی دوزخ ثابت ہوا تھا۔

نور الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس برج کی بقا کی تباہ کن جدوجہد اور لہو کی رٹنی کے زمزمے کھول دینے والی جنگ کی ابتدا کی تھی اور چند ہی ثانیوں تک اس نے اس برج کے محافظوں کو کاٹ کر وہاں اپنے چالیس تیر انداز بٹھائیے تھے تاکہ وہ اس برج کی طرف بڑھنے والے دشمنوں پر زوردار تیر اندازی کریں اور انہیں اس برج کی طرف آنے سے روک دیں۔ جب کہ دوسری طرف نور الدین کا لشکر رسیوں کی سیر پٹھیوں کے ذریعے بڑی تیزی کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس طرح لمحہ بہ لمحہ تفصیل کے اوپر نور الدین کے لشکریوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اپنے چالیس تیر اندازوں کو اس برج میں مقرر کرنے کے بعد باقی چالیس جوانوں کے ساتھ نور الدین پلٹا تفصیل پر چڑھنے والے کچھ اور ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اب وہ بائیں طرف والے برج پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس برج پر بھی وہ انخطاط و امواج، آرزوؤں کے ضو کہہ اور زندگی کی پوری ہیجان خیزی کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ اس بار اس کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد چونکہ پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لیے اس برج پر قبضہ کرنے میں وہ جلدی کامیاب ہو گیا تھا۔ پھر اس برج کے اندر بھی نور الدین نے اپنے تیر انداز مقرر کر دیئے تھے۔

اب چونکہ شہر پناہ پر چڑھنے والے نور الدین کے لشکریوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ فصیل پر دو برجوں کے درمیان ان کا سامنا اب مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ دو حصے اس نے ان برجوں کی حفاظت پر مقرر کیے جن کے اندر اس نے پہلے سے اپنے تیر انداز بٹھا دیئے تھے اور ان دونوں حصوں کے لشکریوں کو اس نے تاکید کی کہ وہ دشمن کو ان دونوں برجوں کے قریب نہ آنے دیں۔ جب کہ تیسرے حصے کو اس نے اپنے ساتھ رکھا اور اب وہ فصیل کی سیڑھیاں اترتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کی طرف بڑھا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے فصیل پر متعین اپنے لشکریوں کو یہ احکامات جاری کر دیئے کہ شہر پناہ پر چڑھنے والا ہر نیا لشکری اس کے پیچھے پیچھے فصیل کے مشرقی دروازے کی طرف آئے۔

شہاب الدین کا شہر کے اندر جو لشکر مقرر تھا۔ اس کے کمانداروں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن فصیل کی سیڑھیاں اتر کر شہر کے مشرقی دروازے کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے نور الدین اور اس کے لشکریوں کو سیڑھیوں پر ہی روک دیا تھا۔

نور الدین نے جب دیکھا کہ شہر کے اندر لشکر کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو سیڑھیوں پر روک دیا گیا ہے تو اس نے فصیل پر اپنے لشکریوں کو چلا چلا کر حکم دیا کہ وہ شہر کے اندر دشمن پر تیر اندازی کریں۔ نور الدین کے اس حکم پر فصیل پر دو برجوں کے قریب بیٹھے اور نئے پڑھنے والے جوانوں نے مشعلوں کی روشنی میں ایسی تیز تیر اندازی مشرقی دروازے کے آس پاس پھیلے دشمن کے لشکریوں پر کی کہ اس تیر اندازی سے شہاب الدین کے لشکر میں ایک کھلبلی مہنگامہ، اک اضطراب و بے قراری اور شور و شر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جس وقت اس تیر اندازی کے باعث شہر کا محافظ لشکر مشرقی دروازے کے آس پاس ہل چل و فتور کا شکار ہوا تھا۔ اسی وقت نور الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ

سیڑھیاں اُترتے ہوئے دشمن پر ہیجان آفریں سمندر، تپتے صحرا، گرم ردا ہوں اور افق
تا افق برق کے سنگتے دھاووں کی طرح حملہ کر رہا تھا۔ جب کہ تفصیل پر نئے پڑھنے
والے اس کے لشکری اس کے ساتھ شامل ہو کر اب لمحہ بہ لمحہ اس کی عسکری قوت میں
اضافہ کرتے چلے جا رہے تھے۔

شدید نفرت کی طرح گرم ردا اور رحم نا آشنا ہو کر شہر کے محافظ لشکریوں
کو فاسد تمدن کے سیلاب کی طرح ان کا رخ بدلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ جنگ میں
کام آنے والے لشکری روندے ہوئے ذروں اور خاک پر ٹوٹی دھاووں کی مانند
زمین پر پڑ پڑے جا رہے تھے۔ شہر کی عسکریتیں ٹخوٹوں میں بدلتی جا رہی تھیں۔

رات کے سمندر میں نور الدین کا یہ نا دیدہ سفر جاری رہا اور اب وہ موت
کی صرصر کی طرح غم انگیز طوفان کھڑا کرتا ہوا شہر کے مشرقی دروازے سے قریب تر
ہوتا چلا رہا تھا اور اس کے پیچھے تفصیل کی سیڑھیوں پر سے اس کے لشکری وردے
رشتوں اور زندہ حقیقت کی طرح اُٹتے ہوئے اس کے ساتھ آکر شامل ہو
رہے تھے۔

مشرقی دروازے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے اور اسے اپنی گرفت میں
لینے کے لیے دونوں لشکروں کے درمیان ایک خونیں کشمکش شروع ہو گئی تھی۔
اسی لمحہ نور الدین نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

”میرے باجبروت رفیقو! میرے جاں نثار عزیزو! قبل اس کے کہ قطرہ
قطرہ ٹپکتی رات ختم ہو۔ قبل اس کے کہ غلام و امام، پارسا و رند، راہبر و راہزن،
برہمن و شیخ، پادری و بھکشو اٹھ کر اپنی عبادات و رسومات کی ابتدا کر دیں۔ قبل
اس کے کہ ایک گودن پر کئی چہرے رکھنے والے لوگ بیدار ہو کر منافقت کی ابتداء
کر دیں۔ قبل اس کے کہ اس شہر کے لوگ بیدار ہوں ان کا اضطراب اور ان کا بیچ
و تاب بڑھے۔ قبل اس کے کہ سورج مشرق سے طلوع ہو جائے۔ او! میرے ساتھیو
ہو! دشمن کو بوسیدہ پرانی کہانیوں کی طرح دفن اور خاموش کر دیں اور اپنے سامنے

آنے والی ہر قوت کو جیت ہار اور سزا و جزا کے مقدرات سے گزار کر مشرقی دروازے پر قبضہ کر لیں اور اپنی فوز مندی و فتح کا اعلان کر دیں۔

نور الدین کے ان الفاظ نے اس کے شکریوں کے توانا دلوں اور جوان زنگاہوں میں ایک طوفان، ایک انقلاب برپا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ مناظر موت و حیات، لہو بھرے پرچموں اور ماگھ کی کالی سرد تار یک راتوں کی طرح حرکت میں آکر طوفانی انداز میں شہاب الدین کے شکریوں کا صفایا کرنے لگے تھے۔

دوسری طرف نور الدین نے اپنے شکریوں کے پھرے ہوئے ان جذبات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تہذیبوں کو خاموش اور لہو کو سرد کر دینے والا ایسا ہولناک حملہ اس نے کہا کہ مولیان کے محافظ اس حملے کو روک نہ سکے اور نور الدین نے اپنے شکریوں کے ساتھ آگے بڑھ کر شہر پناہ کا دروازہ کھول رہا تھا۔

شہر پناہ کا دروازہ کھلتے ہی نور الدین کا لشکر سیلاب کے تندریلے اور ہولناک صحرائی بگولوں کی طرح شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شہاب الدین کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین نے شہر کے مشرقی دروازے پر قبضہ کر کے دروازہ کھول دیا ہے اور اس کا لشکر شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو تفصیل سے اتر کر نور الدین کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

جو نہی شہاب الدین کا لشکر شہر پناہ کی شمالی جانب ہٹ کر اوریچے اتر کر نور الدین اور اس کے لشکر کا سامنا کرنے لگا۔ آق بوغا اور خلیل کو پیش قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے بھی نور الدین کی طرح لکڑی کے تختوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بانڈھ کر پانی بھری خندق میں ڈالا اور ان کے ذریعے وہ اپنے لشکر کو خندق پار کر کے شہر کے شمالی دروازے پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد انہوں نے شہر پناہ کا شمالی دروازہ توڑ دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگے تھے۔

شہاب الدین اپنے لشکر کو تفصیل سے اُتار کر جب نور الدین اور اس

کے لشکر پر حملہ آور ہونے کو آگے بڑھا تو نور الدین کو بھی شہاب الدین کے اس حملے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو مجتمع اور مربوط کر کے شہر کے مشرقی حصے کے محافظوں کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ شہاب الدین کا سامنا کرنے کے لیے خود آگے بڑھا تھا۔

شہاب الدین کا گمان تھا کہ نور الدین ابھی کشمکش کی حالت میں ہوگا۔ لہذا وہ اسے شہر سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن نور الدین جب آگے بڑھ کر مظہر ماضی مستقبل کا آئینہ نما اور یاس کا قتا صحرا بن کر حملہ آور ہوا تو شہاب الدین کے سارے دوسرے سارے گمان رفع ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ نور الدین کے ان ہولناک حملوں نے شہاب الدین کی زندگی کے سموں میں ایک پھل، زیت کے خار خانوں میں ایک طوفان اور قلب کی دھڑکنوں میں خوف و ہراس طاری کر کے رکھ دیا تھا۔

شہاب الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ نور الدین کا مقابلہ کرتے ہوئے ابھی امید و بیم کی کشمکش میں ہی تھا کہ اس کی پشت کی طرف سے آق بوغا اور غلیل نے زوردار حملہ کر دیا۔ اب شہاب الدین کو مکمل طور پر یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ اس کے لیے بدترین نوبتوں کا اہتمام کر چکی ہے اور یہ کہ اگر اس نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کی تو اس کا مرکزی شہر مولیان ہی اس کا مزار و مرقد بن کر رہ جائے گا۔ اس موقع پر شہاب الدین نے بیدار مغزی اور عیاری سے کام لیا۔ اس نے اپنے نابوں سے کہا کہ تم اس دو طرفہ جنگ کو جاری رکھو۔ میں ایک نئی ملک کا انتظام کرتا ہوں اور دشمن کے دونوں لشکروں میں سے ایک کی پشت پر سے حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح ہم بہت جلد دشمن کو اپنے مرکزی شہر سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اپنے لشکر کو جھل دینے کے بعد شہاب الدین نے اپنے سارے اہل خانہ کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے مغربی دروازے سے وہ باہر نکلا۔ شہر پناہ کے مغربی حصے

سے چونکہ دریائے سندھ ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اس لیے یہاں شہاب الدین اپنے اہل خانہ کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ شہر میں جب شہاب الدین کے فرار کی خبر پھیلی تو اس کے لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر پر مکمل طور پر نور الدین کا قبضہ ہو گیا تھا۔

نور الدین نے شہاب الدین کے تعاقب میں بھی کچھ لوگ لگائے لیکن اب دیر ہو چکی تھی لہذا شہاب الدین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دوسری طرف نور الدین شہر کا نظم و نسق درست کرنے میں لگ گیا تھا۔ شہر کے گرد دھو دی ہوئی خندق سے پانی نکال کر اسے دریائے سندھ میں ڈال دیا تھا اس کے علاوہ اس نے مولیان شہر کے لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ ان کی جان و مال اور عزت محترم و محفوظ رہے گی۔



گو نور الدین نے شہرات کی تاریکی ہی میں فتح کر لیا تھا لیکن شہر کا نظم و نسق سنبھالنے اور خندق کو جگہ جگہ سے بھروانے کے بعد سورج طلوع ہو کر بلند ہو گیا تھا۔ نور الدین نے اپنے لشکر کا ایک حصہ شہر کے اندر اور فصیل کے برجوں پر حفاظت و احتیاط کی خاطر مقرر کیا اور باقی لشکر کو اس نے ہتھیار کھول کر اور پڑاؤ میں جا کر آرام کرنے کا مشورہ دے دیا تھا۔

جو لشکر شہر کے اندر اور فصیل پر مقرر کیا گیا تھا وہ چونکہ آق بوغا اور خلیل کے عقب لشکر سے حاصل کیا گیا تھا۔ لہذا اس لشکر کے ساتھ نور الدین نے آق بوغا کو شہر کے اندر اور خلیل کو فصیل کے اوپر مقرر کیے جانے والے لشکر کا نگران مقرر کر کے ان دونوں کو دین متعین کر دیا تھا۔

گورات کے وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوتی رہی تھی لیکن اب مطلع صاف تھا اور فضاؤں میں نکھری نکھری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ تاہم سرد برفانی ہوائیں چلنے کے باعث سردی اپنے زوروں پر تھی۔

نور الدین جس وقت شہر سے نکل کر پڑاؤ میں آکر اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ اس کے خیمے میں آتش دان کے پاس بچھائی ہوئی چٹائی پر اینجلینا بیٹھی ہوئی تھی۔ آتش دان میں آگ روشن تھی جس کی وجہ سے خیمہ خوب گرم ہو رہا تھا اس کے علاوہ اینجلینا نے اپنے پہلو میں اور آتش دان میں جلتی ہوئی آگ کے سامنے کھانے برتن رکھے تھے۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اینجلینا پر گھونگھٹ اٹنے کا ساہل طاری ہو گیا۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اس کے ہونٹ کپکپائے اور رخسار سلگنے لگے تھے۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اس کی کیفیت عنبرین خوشبو اور رنگوں کی بلکھی بہاؤ جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جلال کی لو اور اتصال کدوں کی جذب و کشش رقص کرنے لگی تھی۔

نور الدین خاموشی سے اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ آتش دان کے پاس چٹائی پر آکر وہ بیٹھ گیا۔ اس لمحے طائر وں کی آوارہ ٹولیوں کی طرح اس کے چہرے پر کچھ جذبات نمودار ہوئے تھے۔ شاید اس نے اینجلینا کے یوں اس کے خیمے میں آنے اور اس کا کھانلے کر یوں اس کا آتش دان کے پاس بیٹھ کر انتظار کرنا ناپسند کیا تھا۔ پر جلد ہی وہ ان سنگین جذبوں پر قابو پا گیا۔ شاید اینجلینا کا دل رکھنے کی خاطر وہ ضبط کر گیا تھا۔

نور الدین جب چٹائی پر بیٹھ گیا تو حوروں کے اعتکاف کدہ کی طرح خاموش بیٹھی اینجلینا نے اپنے چہرے پر خشنمی گلابوں اور نرم خنک چاندنی کی پھوار جیسی مسکراہٹ بکھیری۔ پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے امیر! مولیان شہر کی اس فتح اور شہاب الدین کے فرار پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔“ اپنے سر کو جھکائے ہی جھکائے نور الدین نے اینجلینا کی اس مبارک باد کا جواب دیا۔ پھر اس نے نگاہوں میں برستے دکھ کے ساتھ اینجلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے اینجلینا! تمہارا میرے خیمے میں یوں اکیلے آنا اور پھر میرا کھانا لے کر آتش دان کے پاس میرا انتظار کرنا۔ اس سے میرے شکری اور دیگر لوگ کیا اتر لیں گے۔“

نور الدین کی اس گفتگو پر انجیلینا لمحہ بھر کے لیے ماگھ کی کالی سرد تاریک اتوں جیسی اُداس، گھور سیاہ جیون جیسی بے ربطگی کا شکار ضرور ہوئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے چہرے پر دوبارہ اس نے مرصع غزل اور پریم رنگوں جیسی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ میرے یوں آپ کے خیمے میں اکیلے آنے سے کوئی کچھ بھی اثر نہیں لے سکتا۔ اس لیے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ امیر تمپور نے بھرے دربار میں مجھے آپ کے لیے مانگا تھا۔ لہذا میرے اور آپ کے اس رشتے کی خبر سب کو ہے۔ اب اگر کوئی تیا اثر لے سکتا ہے تو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ انجیلینا صرف امیر نور الدین کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ بس اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتی۔“

اس موقع پر نور الدین نے بے انت رُتوں کے اُن گنت، دکھ بھری آواز میں کہا۔ ”براے انجیلینا! تم نے تو اس وصال اس رشتے سے انکار کر دیا تھا لوگوں کو جہاں یہ خبر ہے کہ نور الدین کے لیے انجیلینا کو مانگا گیا تھا وہاں لوگوں کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ انجیلینا اس رشتے پر رضا مند نہ ہوئی تھی اور انتہائی حقارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر تم خود ہی سوچو تمہاری اس طرح میرے خیمے میں آمد پر لوگوں کا کیا تاثر ہوگا۔“

انجیلینا نے فوراً اپنی حیثیت کو واضح کرنے کی خاطر کہا ”اس نفرت کے تنکنا جیسے جیون کے جنجالوں میں وصال و ہجر کے لمحات آتے ہی رہتے ہیں۔ زندگی کی ان سونی سونی راہوں اور قصی حیات کی ان بے ربطگیوں کے درمیان ہاں نہ اللہ اثبات و نفی لمحات آتے ہی رہتے ہیں۔ میں اگر کسی موقع پر نہ کر سکتی ہوں تو حالات کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کے بعد میں ہاں بھی تو کر سکتی ہوں اور یہ میرا حق ہے میرے اس طرح آپ کے خیمے میں آنے پر لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں نہ کے بعد اب ہاں کر چکی ہوں۔“

اے امیر! میں کھل کر آپ پر یہ انکشاف کر دوں کہ میں ان لڑکیوں میں

سے نہیں جو حالات کے انتہائے فریب سے گھبرا کر اپنی منزل اور اپنے نقطہ نظر سے ہٹ جاتی ہیں۔

اے امیر! میں نے اگر سرعام نہ کی تھی تو اب علی الاعلان ہاں کہہ کر آپ کی خاطر اپنے جسم و جان کو قربان بھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے کہ ایجنیلینا بزدل نہیں ہے۔ اس گفتگو پر نور الدین گردن جھکائے چند ثانیوں تک قبرستان کی ویرانیوں کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے نرمی اور ملاطفت میں کہا۔ ”اے ایجنیلینا! میرے اور تمہارے رشتے کی جو بات چلی تھی وہ تو طوائف کی طرح در ماندہ کسی راہ گزر کی طرح بے سیر اور پُرانی ہو چکی ہے۔“

اے ایجنیلینا! میں تیرے ہونٹوں کی بولتی خاموشیوں، تیری ٹھٹھکی لگا ہوں کی حقیقتِ جمال اور تیرے چہرے پر بکھرے ثبات و سرشاری کے جذبات کو سمجھتا ہوں پر وقت کی بے لحاظ رسومات کی زد کو کون سمیٹے گا۔ کون ان کانٹوں کو چھنے کا جواب میرے اور تمہارے درمیان معطل سماعتوں کی طرح بکھر پھیل گئے ہیں۔

اے ایجنیلینا! جسم و روح میں حائل ان منجمد حسرتوں کو کون خاموشی اور چاہتوں کی آگ سے آوارہ لمحوں کی طرح حرکت میں لائے گا اور پھر میں اب خود بھی بہت دوزخ کی چکا ہوں۔ تمہارے انکار کے بعد میں ایک اور دروازے پر دستک دے چکا ہوں اور وہ دروازہ اب میری زندگی کا محو اور میری زسیت کا نشان ہے۔“

ایجنیلینا نے نور الدین کی اس گفتگو کا کوئی اثر نہ لیا بلکہ مدھم مدھم روپ بکھیرتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں جانتی ہوں آپ نے کسی اور دروازے پر دستک نہیں دی اور نہ ہی آپ اپنے لیے کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکے ہیں بلکہ میں سمجھتی ہوں یہ بات آپ مجھے میری غلطی کی سزا دینے کے طور پر کہتے ہیں۔“

اے امیر! میرے اور آپ کے درمیان جو غلط فہمیوں اور رسومات کے کانٹے بکھرے ہیں انہیں میں خود سمیٹوں گی۔ اس لیے کہ میری ہی وجہ سے یہ کانٹے بکھرے تھے۔ قسم خداوند کی اگر ان کانٹوں، ان خاموشیوں کو مجھے اپنی پلکوں سے بھی چھیننا پڑا

اے امیر! میں نے آج اپنی ذات اپنے دل اور اپنے ضمیر کو کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی ہوں۔ اب فیصلے کی طنا میں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ انہ کھانا کھائیں میں جاتی ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی انجیلینا اٹھی اور بڑی تیزی کے ساتھ وہ نور الدین کے خیمے سے نکل گئی تھی۔ نور الدین بیچارہ چند ثانیوں تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر وہ کھانا کھانے لگا تھا۔



کھانا کھانے کے بعد نور الدین نے خالی برتن ایک طرف رکھ دیئے تھے اور آتش دان کے قریب بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو گرم کرنے کے علاوہ پھر انجیلینا سے متعلق سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اتنے میں انجیلینا پھر اندر آئی۔ نور الدین نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اسی طرح اپنے تفکرات میں کھویا رہا۔ دوسری طرف انجیلینا نے بھی اسے پریشان کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ نور الدین سے کچھ کہے بغیر اس نے خالی برتن اٹھائے اور دروازے کے قریب جا کر ایک بار مڑ کر نور الدین کی طرف تھکی تھکی مگر پُر امید نگاہ ڈالی۔ پھر وہ ساتھ والے اپنے خیمے کی طرف چلی گئی تھی۔

انجیلینا کو اپنے خیمے کی طرف گئے ابھی چند ساعتیں ہی ہوئی تھیں کہ ایک سپاہی بھاگتا ہوا نور الدین کے خیمے کے دروازے پر آیا اور اپنی پھولتی ہوئی سانوں میں اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! آقا تیمور اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ان کا لشکر یہاں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ جب کہ وہ خود آپ کے خیمے کی طرف آرہے ہیں۔“

اس سپاہی کی اس اطلاع پر نور الدین اپنے تفکرات سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور جب وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا اس کے خیمے کے سامنے امیر تیمور اپنے گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ نور الدین بھاگ کر آگے بڑھا اتنی دیر تک تیمور اپنے گھوڑے سے اتر چکا تھا۔ پھر تیمور نے نور الدین کو گلے لگایا اور اس کی پیشانی چومنے کے بعد اس نے کہا۔ ”اے فرزند! تو نے کیسی عمدہ معرکہ آرائی کی ہے۔“

قسم خداوند کی تو نے شہاب الدین سے کیا خوب پیر محمد کا انتقام لیا ہے۔ یہاں پہنچ کر مجھے ساری خبریں مل گئی ہیں کہ کس طرح برسات کی رات میں تم نے شہاب الدین کے شب خون کو ناکام بنایا۔

کس طرح تم نے مولیان شہر کے اطراف کی خندق کو عبور کر کے شہر کے مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا۔ اے نور الدین! میں تیرے کارناموں اور تیری ذات پر جتنا بھی فخر کروں بخدا کم ہے۔

اتنے میں اسقف یوحنا، اس کی بیوی مالتھس اور اینجلینا بھی اپنے خیمے سے نکل آئے۔ تیمور نے یوحنا سے پرجوش مصافحہ کرنے کے بعد مالتھس اور اینجلینا کا احوال پوچھا۔ پھر دوبارہ نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گہری مسکراہٹ اور اطمینان میں کہا۔

اے نور الدین! بخدائیں نے تجھے کبھی مشرق کبھی مغرب میں، کبھی شہروں کبھی بستیوں میں، کبھی قریوں کبھی جنگلوں میں۔ پر تو نے ہر جگہ میری آرزوؤں اور خواہشوں کے مطابق ضرب لگاتے ہوئے بڑے سے بڑے جمود پر انتشار طاری کیا بڑی سے بڑی قوت کو تو نے تباہی اور عذاب کے انتظار میں ڈال کر رکھ دیا۔

اے نور الدین! میری لنگاہوں میں تو میرے بیٹوں اور پوتوں سے بھی بڑھ کر ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس شاندار فتح کی خوشی کے موقع پر تم مجھ سے کچھ مانگو اور تمہاری مانگی ہوئی چیزیں تمہیں دے کر خوشی محسوس کروں۔

اے نور الدین! مجھ سے کوئی فرمائش کرو۔ مجھ سے کچھ مانگو۔ بخدا ایک عرصے سے میری یہ خواہش چلی آرہی ہے کہ کب تم مجھ سے کچھ مانگتے ہو۔ اے نور الدین! اس فتح کے موقع پر تم مجھ سے کیا خواہش کرتے ہو؟

تیمور کے سامنے کھڑا نور الدین خاموش تھا اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ تیمور کے علاوہ اینجلینا، یوحنا اور مالتھس بھی اسے غور و انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ نور الدین نے اپنی گردن سیدھی کی اور تیمور کو مخاطب کر کے

کہا۔ "اے آقا! مولیان کی اس فتح کے موقع پر تو میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ ہاں اس موقع پر آپ کے کہنے کے بموجب میں اپنی ایک خواہش کا اظہار ضرور کروں گا اور وہ یہ ہے آقا! کہ اگر میں آپ کے جیتے جی کسی معرکے میں کام آ جاؤں یا ویسے انتقال کر جاؤں تو آپ مجھے انہی کپڑوں میں دفن کر دینا جو میں اس وقت پہنے ہوئے تھا جب میں پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اے آقا! میرے یہ کپڑے میری حویلی میں میرے ذاتی صندوق میں محفوظ ہیں اور اگر میں آپ کے بعد تک زندہ رہا تو پھر اللہ وارث ہے۔"

نور الدین کی اس گفتگو پر انجیلینا کی حالت بند مسجد اور ویران میکے جیسی مملو و فیکین ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پر سکوت و پرسوز لمحوں کا فروغ تھا اور اس کے چہرے پر لاشوں کی بستیوں جیسی دیرانی بکھر گئی تھی۔ یوحنا اور مالتھس احساسِ ہزیمت کی طرح بکھر بکھر سے گئے تھے۔ جب کہ تیمور کی حالت صحرا کی وحشت اور سمندر میں فکروں اور ہام کے مارے مینا جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

تیمور نے فوراً آگے بڑھ کر نور الدین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اے نور الدین! میرے عزیز! ایسی مایوسانہ اور قنوط و نا اُمیدی کی گفتگو نہیں کرتے۔ میری اپنے منعمِ حقیقی سے دعا ہے کہ وہ میرے بعد تک تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اے نور الدین! چلو تمہارے خیمے میں چل کر بیٹھتے ہیں اور ساتھ ہی میرے کھانے کا انتظام بھی کرو۔"

نور الدین نے ایک سپاہی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ پھر وہ امیر تیمور کو اپنے خیمے میں لے جا رہا تھا۔ یوحنا، انجیلینا اور مالتھس بھی ان دونوں کے ساتھ تھے۔





مولیان میں چند روز تک قیام کر کے تیمور نے وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا پھر وہاں سے اس نے کوچ کیا اور اس کوچ سے پہلے اس نے شہزادہ پیر محمد کو ملتان فوج کرنے کے لیے اپنے آگے آگے روانہ کیا۔ جب کہ نور الدین، محمد سلطان، شہزادہ شاہ رخ اور دیگر لشکر کے ساتھ اس نے مولیان سے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے جہلم اور چناب کے سنگم پر قلعہ تلنبہ کے سامنے آ نمودار ہوا اور قلعہ تلنبہ کے سامنے وسیع میدانوں کے اندر وہ خیمہ زن ہوا۔

یہاں چونکہ تیمور کے لشکر میں غلے کی کمی ہو گئی تھی۔ لہذا تلنبہ کے قلعہ پر حملہ آور ہونے میں اس نے تاخیر نہ کی کیوں کہ وہ وہاں سے اناج حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لہذا تیمور انتہائی خوفناک انداز سے قلعہ تلنبہ پر حملہ آور ہوا۔ قلعہ کو فتح کر کے اس نے شہر کو آگ لگا کر برباد کر دیا۔ ساری آبادی کو ترہیع کر کے وہاں کے مال و دولت اور اناج کے ذخائر پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

اس دوران تیمور کو یہ خبر پہنچی کہ شہر شاہنواز کے حاکم اور وہاں کے لوگوں نے شہزادہ پیر محمد کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس وقت وہ ملتان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے وہاں سے گزرا تھا۔ پس شہر شاہنواز کے لوگوں سے پیر محمد کا انتقام

پلنے کے لیے تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ تلبیس سے شہر شاہنواز کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچتے ہی اس نے شہر شاہنواز پر حملہ کر دیا۔ یہ ایک سرسبز شہر تھا۔ تیمور نے اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے اناج حاصل کیا اور باقی کھلیانوں کو آگ لگا دی تھی۔ اس کے علاوہ تیمور نے اپنے دو چھوٹے سالاروں امیر شاہ اور شیخ کو طلب کیا۔ یہ دونوں سالار تباہی و بربادی پھیلانے اور قتل و خون بہانے میں بڑے مشہور تھے۔

تیمور نے اس امیر شاہ اور شیخ محمد کو حکم دیا کہ شہر شاہنواز کے اندر وہ اپنی مرضی کے مطابق خونخواری کا مظاہرہ کر لیں۔ پس یہ امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے دستوں کے ساتھ حرکت میں آئے اور شہر شاہنواز میں تیمور کے ان دونوں سالاروں نے لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر بے حیائی اور قتل و غارت گری کا وہ مظاہرہ کیا اور ایسے ایسے مناظر پیش کیے جنہیں تاریخ کے اوراق کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

اسی دوران تیمور کے ناظروں نے اُسے یہ اطلاع دی کہ پیر محمد نے ملتان کو فتح کر لیا ہے۔ پیر محمد کی اس کارکردگی پر تیمور خوش ہوا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے ملتان کی طرف کوچ کیا۔ وہاں سے پیر محمد اور ملتان سے ہاتھ کنے والی مال و دولت کو ساتھ لیا اور جودھن کی طرف اس نے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔



اجودھن اور دیپالپور کے لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ قتل و غارتگری کرتا اور تباہی و خونخواری پھیلاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر بھٹنیر شہر کی طرف بھاگے۔ یہ ایک فصیل بند شہر تھا اور شہر کے اندر ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اس شہر سے متعلق مشہور تھا کہ اس شہر کی شہر پناہ کی مضبوطی اور استحکام کے

۱۔ مشہور مورخ قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس تباہی و بربادی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۲۔ موجودہ پاک پتن کا قدیم نام

باعث آج تک کوئی بھی حملہ آور اسے فتح نہ کر سکا تھا۔

اس بھٹیئر شہر کا حاکم ایک ہندو راجہ تھا جس کا نام چندول رائے تھا اور یہ چندول رائے پورے ہندوستان میں لشکر کشی اور قلعوں کا بہترین محافظ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ جنگجو اور بے مثل سوار کی حیثیت سے مشہور تھا۔

اجودھن سے بھاگ کر تیمور کے خوف سے جن لوگوں نے بھٹیئر شہر میں راجہ چندول رائے کے ہاں پناہ لی ان میں حضرت شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے ایک صاحبزادے بھی شامل تھے۔ اجودھن میں داخل ہونے کے بعد تیمور نے اپنے سالاروں کے ساتھ شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے مزار پر حاضری دی اور جو لوگ اجودھن سے بھاگ نہ سکے تھے ان کی جان بخشی کرتا ہوا تیمور بھٹیئر کی طرف بڑھا۔

بھٹیئر میں پناہ لینے کے لیے اس قدر لوگ اس شہر کی طرف لپکے تھے کہ ان گنت لوگ شہر میں داخل نہ ہو سکے اور شہر پناہ سے باہر جو خندق تھی اس کے پاس ہی پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ تیمور نے ہندو اور مسلمان کی تمیز کیے بغیر خندق کے پاس جس قدر لوگ پڑے ہوئے تھے انہیں تہ تیغ کر کے ان کے مال و اسباب پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

شہر کے راجہ چندول رائے کو جب خبر ہوئی کہ تیمور نے شہر کی خندق کے پاس جس قدر لوگ پناہ لیے ہوئے تھے انہیں قتل کر دیا ہے اور یہ کہ اب تیمور نے شہر کے سامنے ایک کھلے میدان میں پڑاؤ کر لیا ہے تو چندول رائے نے شہر سے باہر نکل کر تیمور کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پس چندول رائے جو ہندوستان کا سب سے بہادر اور جری راجہ خیال کیا جاتا تھا وہ اپنے راؤ اور راجپوت لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر بھٹیئر سے نکلا اور تیمور کے لشکر کے عین سامنے خیمہ زن ہوا تھا۔

مورخ محمد قاسم فرشتہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

۷ ماخوذ از تاریخ فرشتہ بسلسلہ ناصر الدین محمود

اس موقع پر تیمور نے نور الدین کو طلب کیا اور جب نور الدین اپنے خیمے سے باہر کھڑے
تیمور کے پاس آیا تو تیمور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے نور الدین! تو دیکھتا ہے راجہ چندول رائے اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے سامنے
آغیرہ زن ہوا ہے۔ نور الدین! میں تمہیں لشکر کا سالار اعلیٰ مقرر کرتا ہوں اور خود یہاں کھڑا
ہو کر لڑائی کا نظارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ اس چندول رائے کے سامنے تو کیا طریقہ کار استعمال
کرتا ہے۔ لشکر کا ہر سالار کیا پیر محمد اور محمد سلطان، کیا خلیل اور آق بوغا، کیا امیر شاہ اور
خیخ محمد سب تمہارے ماتحت ہوں گے۔ ہاں یہاں میرے پاس میرا بیٹا شاہ رخ رہے گا۔
وہ عمر میں تم سے کافی بڑا ہے بلکہ میں یوں کہوں گا کہ وہ عمر رسیدہ ہوتا چاربا ہے۔ اگر
میں اسے بھی تمہارے ماتحت کر دوں تو شاید میرے اس اقدام کو احسن نہ جان کر برا محسوس
کرے لہذا وہ میرے ساتھ یہاں رکا رہے گا۔“

”اے نور الدین! یوں سمجھو کہ یہ تمہاری جنگجو یا نہ زندگی کا امتحان ہے اور میں اس
لڑائی سے لے کر قلعہ کی فتح ہونے تک گہری نگاہ سے تمہاری کارکردگی کا جائزہ لوں گا اور
سنو! سیف الدین کو اس بار میں نے پڑاؤ سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔“

نور الدین نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! یہ دوسرا موقع
ہے کہ آپ مجھے میری پسند کا محاذ سونپ رہے ہیں۔ پہلی بار اس وقت جب کہ آپ نے
مجھے لتھوانیا کے حکمران ویٹولڈ کے خلاف قلعہ خان اور اید کو کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔
اور دوسری بار اب جب کہ آپ مجھے راجہ چندول رائے کے خلاف صف آرا کر
رہے ہیں۔“

تیمور نے چھپتی ہوئی نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اور
کیا مولیان شہر میں شہاب الدین کے خلاف تیری پسند کا محاذ نہ تھا۔“

نور الدین نے بلا جھجک کہہ دیا۔ ”نہیں ہرگز نہیں۔ وہ محاذ ایک مسلمان کے
خلاف تھا اور کسی مسلمان کے خلاف سرکٹ میں آتے ہوئے بظاہر میں مطمئن ہوتا ہوں لیکن
ایسا کرنے پر اندر سے میرا دل روتا ہے۔ اے آقا! آپ دیکھئے گا اس چندول رائے کے

خلاف میں کیسے حرکت میں آتا ہوں۔“

گو تیمور نے نور الدین کی اس گفتگو کو ناپسند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار بھی نمودار ہوئے تھے لیکن اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھالتے ہوئے وہ بولا۔

”اے نور الدین! اس سلسلے میں تم سے میں قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ میں جنگ میں اپنے مد مقابل کے سلسلے میں اپنے پرانے، دوست دشمن، مذہب و ملت اور رنگ و نسل کی تفریق و جانبداری بالکل فراموش کر کے رکھ دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں ہر کامیاب سپاہی کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔“

نور الدین بھی شاید اس موقع پر بحث کرنے کی ترنگ میں تھا۔ لہذا بولا۔ ”اے آقا! آپ یقیناً ایسا کر سکتے ہیں لیکن ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے کہ وہ ایسا کر لے۔“ تیمور شاید اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین! دیکھو چند رول رائے اب اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا ہے۔ لہذا تم اس کے خلاف حرکت میں آؤ۔“ نور الدین پیچھے ہٹ کر فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

نور الدین نے اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا۔ دشمن کے عین سامنے وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رہا۔ دائیں ہاتھ پر اس نے شہزادہ محمد سلطان کو رکھا اور اسے ہدایت کی کہ وہ صرف دشمن کے بائیں پہلو پر ضرب لگاتا ہوا اس کے وسطی حصے کی طرف بڑھے گا۔ بائیں ہاتھ پر شہزادہ پیر محمد کو رکھا اور اسے بھی ہدایت کر دی کہ وہ دشمن کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہوتا ہوا آگے بڑھے گا۔ اس نے علاوہ اس نے عقب لشکر کے دو برابر حصے کیے۔ ایک حصہ آق بونغا کو دے کر اسے محمد سلطان کا نائب مقرر کیا اور دوسرا حصہ اس نے خدیل کے حوالے کیا اور اسے شہزادہ پیر محمد کا نائب مقرر کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ وہ جب دشمن کی طرف پیش قدمی شروع ہو تو سارے عساکر کی اگلی صف اپنے سامنے ڈھالیں تان کر رکھے تاکہ دشمن کی تیر اندازی سے محفوظ رہا جائے اور ہر لشکر کی دوسری صف کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی اگلی صف کے ہر

دوسرا ہیوں کے درمیانی حصے سے تیر اندازی کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

پس اپنے لشکر کو ترتیب دینے کے بعد نور الدین چنڈول رائے کے ردِ عمل کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چنڈول رائے کے لشکر میں طبل، دھونسے، ڈھول، دملے، نقارے اور نوبتیں بجنے لگی تھیں جن کا مطلب یہ تھا کہ چنڈول رائے جنگ کی ابتداء کرنے والا ہے۔ لہذا نور الدین مستعد ہو گیا اور اپنے لشکر کے اندر بھی اس نے طبل جنگ بجوا دیے۔ پھر ان بجتے طبل و نقاروں کے شور میں دونوں لشکر حملہ آور ہونے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بڑھے تھے۔

چنڈول رائے نے اپنی پوری عیاری سے کام لیتے ہوئے تھوڑا سا آگے بڑھ کر اپنی اگلی صفوں سے نور الدین کے لشکر پر تیروں کی بارش کرادی تھی لیکن نور الدین کی ہدایت کے مطابق اس کے لشکر کی اگلی صفوں نے اپنی ڈھالیں آگے رکھ کر چنڈول رائے کی اس عیاری کو ناکام بنا دیا تھا۔

جس وقت چنڈول رائے کے لشکر نور الدین کے لشکر پر اندھا دھند تیر اندازی کر رہے تھے۔ اسی وقت نور الدین کے لشکر کی دوسری صفوں نے بھی دشمن پر تیر اندازی شروع کر دی تھی اور اس تیر اندازی سے چنڈول رائے کی اگلی کئی صفیں چھد کر رہ گئی تھیں اپنے لشکر کی یہ صورت حال دیکھ کر چنڈول رائے نے اپنے لشکر کو فوراً تیر اندازی بند کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

اپنے لشکر کی نشت پر اپنے بیٹے شاہ رخ کے ساتھ کھڑا تیمور نور الدین کی اس پہلی کارکردگی پر مسکرا رہا تھا۔

اور پھر جس وقت چنڈول رائے اپنی ان اگلی صفوں کو درست کرنے لگا تھا۔ جنہیں نور الدین کے تیر اندازوں نے درہم بدرہم کر دیا تھا تو نور الدین نے ایک دھیانہ انداز اور خوف و ہراس طاری کر دینے والی آواز میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ لشکر کے پیچھے کھڑے تیمور نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تھا اور ساتھ ہی اس نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو سلاتے ہوئے بلند آواز

میں کہا۔

اے نور الدین تو نے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے کس عمدہ طریقے اور دقت کا انتخاب کیا ہے۔ گو نے دشمن کی اگلی صفوں کی تنظیم خراب کر کے اور پھر اسی دقت تکمیل پر بلند کر کے اور حملہ آور ہونے کا حکم دے کر بہترین اور احسن ترین اقدام کیا ہے۔ اے نور الدین! قسم خداوند کی مجھے تم سے ایسے ہی روئے، ایسے ہی ردِ عمل کی امید تھی۔ تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر وہ بڑے غور اور انہماک کے ساتھ نور الدین کو حملہ آور ہونے دیکھ رہا تھا۔

تیمور کے دیکھتے ہی دیکھتے نور الدین، نفرتوں کی آگ، پیاس کے صحرا، رگوں میں پھلتے خون، نگاہِ ہر دم اور موجِ طوفان کی طرح چندوں رائے کی ان صفوں پر حملہ آور ہوا تھا جس کی تنظیم چند تالیف قبل اس کے تیر اندازوں کے بگاڑ کر رکھ دی تھی۔ اس حملے کے سامنے چندوں رائے نے پوری کوشش کی کہ اپنی بگڑی صفوں کی ترتیب کرے لیکن نور الدین نے اسے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔ اس لیے وہ لگاتار تکمیل پر بلند کرتا ہوا کچھ ایسے انداز میں اس کی ان بگڑی ہوئی صفوں کے اندر آن گھسٹا تھا جس طرح زمین کے سفاک عناصر سیاہ کاروں کے زور پر جاوی ہو جاتے ہیں جس طرح نیلی کا طوفان اہل ہوس کے جوش پر غالب آ جاتا ہے۔

ایسی ہی کچھ کیفیت نور الدین کے حملوں نے بھی پیدا کر دی تھی۔ وہ رات کی سیاہ آنکھوں، گرو سفر کی صورت اور نفرت کی بجھی آگ کے دھوئیں کی مانند دشمن کی صفوں کے اندر پھیلتا بکھرتا چلا گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا آسمان کی نیلی آنکھیں اس کے ان پر جوش حملوں پر مشیت کا اخراج نکھادر کر رہی ہوں۔

اپنے حملوں کی شرر باری سے نور الدین دشمن کی رُوحوں کے تخیل بے گشتوں کو گھلانا شروع کر دیا تھا۔ عجیب سرستی و سرشاری میں غرق ہو کر نور الدین نے چندوں رائے کے لشکر کے وسطی حصوں کو خاک و خون میں لتھیر کر رکھ دیا تھا۔ چندوں رائے کے لشکر اب آتش و ان کی مرقی آگ اور زندگی کے خاموش اور

اُنہیں لٹھل کی طرح اس کے سامنے سے سمٹتے اور ہٹتے جا رہے تھے۔ دشمن کو اپنے سامنے مارتا، کاٹتا، دھکیلتا اور پسپا کرتا ہوا وہ انہیں شہر کے اطراف کی خندق تک لے گیا تھا۔

اس موقع پر تیمور نے پھر چلا کر کہا۔ ”اے نور الدین! تو نے دشمن کی ظلم و سختی کے خلاف کیا خوب راست اقدام کیا ہے۔ اے نور الدین! تو نے دشمن کی ہر کوشش کو کاوش بے حصول میں تبدیل کر دیا ہے۔ میرے عزیز! تو نے زرد موسم کے خشک پتوں کی طرح اپنے سامنے دشمن کو منتشر کر کے رکھ دیا۔“

تیمور زرا خاموش رہا پھر وہ پہلے کی نسبت اور زیادہ زور کے ساتھ چلاتے ہوا بولا۔ ”اے شاہ رخ! میرے بیٹے! نور الدین نے اپنے ان حملوں سے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ اگر یہ مجھ سے ناراض ہو کر میرے خلاف سات مرتبہ بغاوت و سرکشی بھی کر دے تو قسم مجھے اپنے خداوند کی میں اس کی ساتوں مرتبہ کی بغاوت و سرکشی کو بخوشی معاف کر دوں گا۔“ جواب میں شاہ رخ بھی اپنے باپ کے اس عہد پر مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

شہزادہ محمد سلطان اور پیر محمد بھی دائیں بائیں سے حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کے اندر گھسنا شروع ہو گئے تھے لیکن دشمن کو اپنے سامنے بُری طرح پسپا کرتے ہوئے نور الدین نے چند میل رائے کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ اس لیے چند میل رائے نے اپنے لشکر کی زیادہ قوت کو نور الدین کے سامنے لگا دیا تھا۔ اس طرح محمد سلطان اور پیر محمد کے سامنے دشمن کا دباؤ اور زور کم ہو گیا تھا اس لیے ان دونوں کو آگے ٹبھتے کا خوب موقع مل گیا تھا۔

طلسمی رات اور لشکروں کے سوز کی طرح دشمن کے قلب کو خون آلود کرنے کے بعد نور الدین اپنے دائیں بائیں اب دُور دُور تک پھیلتے ہوئے حملہ آور ہونے لگا تھا۔

چند میل رائے نے جب دیکھا کہ نور الدین نے اس کے لشکر کو ہلا کر رکھ دیا ہے

اور یہ کہ اس کے قلبِ لشکر کو تباہ کرنے کے بعد اب وہ دائیں بائیں جانب پھیل پھیل کر حملہ آور ہونے لگا ہے تو اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر کے انتہائی احمقانہ حرکت کی ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور شہر سے باہر دشمن کے ساتھ جنگ کرتا رہتا تو اس کے لشکر کا مکمل طعنہ پر صفایا ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو حکم جاری کر دیا کہ فی الفور پیچ ہو کر اور شہر میں داخل ہونے کے بعد محصور ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لہذا اس کا لشکر فوراً سمٹ کر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کا دفاع بند کر دینا چاہا۔

لیکن نور الدین نے چند مل رائے کی اس کو شش کو ناکام بنا دیا۔ چند مل رائے کا لشکر جب شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے محافظوں نے شہر پناہ کا دفاع بند کرنا چاہا تو نور الدین نے ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا اور چند مل رائے اور اس کے لشکر کے پیچھے پیچھے وہ بھی بھٹنیر شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

تیمور نے جب دیکھا کہ نور الدین دشمن کا تعاقب کرتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے چلا چلا کر محمد سلطان اور پیر محمد کو حکم دیا کہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ وہ بھی شہر میں داخل ہو کر نور الدین کی مدد کریں۔ اس کے علاوہ تیمور خود بھی بھاگ کر اپنے گھوڑے پر سوار اور گھوڑے کو اس نے شہر کی طرف سرپٹ دے دیا تھا۔ تیمور کا بیٹا شاہ رخ بھی اپنے گھوڑے پر سوار اپنے باپ کے ساتھ ساتھ تھا۔ اب شہر کے اندر خونریزی لڑائی شروع ہو گئی تھی۔ چند مل رائے نے بڑی

کوشش کی کہ نور الدین اور اس کے لشکر کو دھکیل کر شہر سے باہر نکال دینے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور پھر اب تو محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکر بھی شہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور لمحہ بہ لمحہ نور الدین کی قوت میں بے پناہ اضافہ کرتے جا رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ چند مل رائے اپنے اوپر نور الدین، محمد سلطان اور پیر محمد کا زیادہ زور پڑنے پر پیچھے ہٹنا شروع ہو گیا تھا اور جس وقت امیر تیمور اپنے

بیٹے شاہ رخ کے ساتھ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہوا تو سمرقند کے لشکر اور زیادہ بڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تھے۔

چنڈول رائے نے جو یہ صورت حال دیکھی تو اپنے لشکر کے ساتھ وہ ایک بار پھر پسا ہوا اور بھٹیئر شہر کے لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ وہ شہر کے اندر اپنے مضبوط و محفوظ قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

تیمور اپنے بیٹے شاہ رخ کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا نور الدین کے پاس آیا اور اپنے گھوڑے کو اس کے گھوڑے کے قریب لاکر اس کا شانہ ٹھپٹھپاتے ہوئے اس نے کہا: "اے نور الدین! تو نے میری اُمیدوں سے کہیں بڑھ کر دشمن پر ضرب لگائی ہے اور اس کے نتیجے میں تم دیکھ رہے ہو کہ چنڈول رائے اب تمہارے سامنے چھپتا پھرتا ہے۔"

شاہ رخ بھی قریب آیا اور نور الدین کے سامنے اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا: "اے نور الدین! بخدا یہ فتح تیری حکمت عملی کی وجہ سے ہے اور اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔"

پھر تیمور نور الدین کے ساتھ مل کر مال غنیمت کے وہ ڈھیر سمیٹنے لگا تھا جو اس عظیم فتح پر حاصل ہوئے تھے۔

مال غنیمت سمیٹنے اور اسے اپنے قبضہ میں کرنے کے بعد تیمور شہر کے اندر اس قلعہ کی طرف متوجہ ہوا جس کے اندر چنڈول رائے اپنے لشکر کے ساتھ محصور ہو گیا تھا۔ تیمور نے فیصلہ کیا کہ قلعے کی بیرونی دیوار میں نقب لگا کر اسے گرہ دیا جائے۔

چنڈول رائے کو جب کی خبر ہوئی تو بڑا فکر مند ہوا۔ اپنا ایک قاصد اس نے تیمور کی خدمت میں روانہ کیا اور اس قاصد کے ذریعے اس نے استدعا کی کہ صرف ایک دن کی مہلت دی جائے اور دوسرے روز وہ قلعہ چھوڑ دے گا۔

تیمور نے چنڈول رائے پر اعتماد کر کے اسے ایک دن کی مہلت دے دی لیکن چنڈول رائے نے دھوکہ دہی سے کام لیا۔ وعدہ خلافی کی اور دوسرے روز

قلعہ سے باہر نہ آیا۔ اس پر تیمور نے قلعہ کی دیوار میں نقب لگانے کا حکم دے دیا تھا اس پر قلعہ کے اندر محصور لوگ دیوار پر چڑھ کر رونے اور واہلا کرنے لگے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے چندول رائے کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ شیخ فرید الدین شکر گنج کے جو صاحبزادے اس کے پاس بھٹنیر میں پناہ لیے ہوئے تھے انہیں ساتھ لے کر وہ قلعے سے باہر آیا۔ تیمور کی خدمت میں وہ پیش ہوا اور عمدہ عملہ تحائف کے علاوہ تیمور کو اس نے ریشمی کپڑے اور تین سو عراقی گھوڑے پیش کیے۔ تیمور نے اس کی جاں بخشی کرتے ہوئے اسے خلعت سے نوازا اور قلعے کے اندر محصور لوگوں کو اس نے وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا۔

لیکن چند ہی دنوں بعد تیمور کو خبر ہو گئی کہ چندول رائے اور اس کا بیٹا شہر کے لوگوں کو تیمور کے خلاف بھڑکا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ لہذا تیمور اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے حرکت میں آیا۔ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے انہیں چُن چُن کر قتل کر دیا گیا۔ شہر کو آگ لگا کر مکمل طور پر تباہ کر دیا اور پھر وہاں سے اس نے کوچ کر لیا تھا۔ بھٹنیر سے نکل کر فتح آباد کو مسار کیا۔ اس کے آگے بڑھتے ہوئے اس نے توہنہ اور اہرونی کے قلعوں کو آگ لگا کر برباد کیا۔ یہاں تک کہ سمانہ پر قبضہ کرتا ہوا کیتھل کے مقام پر اُمّ قیوم ہوا۔ چند دن کیتھل میں گزارنے کے بعد اس نے پھر پیش قدمی شروع کی اور پانی پت کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں بھی اس نے چند روز تک قیام کیا اور دوبارہ حرکت میں آتے ہوئے اس نے دریائے جمنہ کو پار کیا اور ہنڈلہ ندی کے کنارے ہندوؤں کے عظیم قلعہ لونئی کے سامنے نمودار ہوا۔

اس قلعے میں صرف دو ہی طرح کے لوگ رہتے تھے۔ ایک ہندو اور دوسرے آتش پرست۔ تیمور نے ہندو شمشیر لونئی کو فتح کیا اور دریائے جمنہ کے کنارے خیمہ زن ہو

۱۰ یہ ایک بڑی گہری ندی تھی جسے سلطان فیروز شاہ تغلق نے دریا کالپی کو کاٹ کر نکالا اور اسے لونئی کے مقام پر دریائے جمنہ میں ڈال دیا تھا۔

گیا۔ اب ہندوستان کا مرکزی شہر اس سے قریب ہی تھا اور شاید اس پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس نے وہاں دریائے جمنہ کے کنارے کچھ دن سستانے کا ارادہ کر لیا تھا۔



امیر تیمور دریائے جمنہ کے کنارے اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت اس کے ساتھ اس کے خیمے میں سیف الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد بیٹھے ہوئے تھے۔ تیموران کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ نور الدین خیمے میں داخل ہوا اور تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ ”اے آقا! کیا آپ نے مجھے طلب کیا؟“

تیمور نے اپنے قریب خالی نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”ہاں میں نے تمہیں بلا یا ہے۔ آؤ یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔“

نور الدین جب آگے بڑھ کر تیمور کے پہلو میں بیٹھ گیا تو تیمور نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اے میرے عزیز! میں تم لوگوں کو ایک انتہائی اہم خبر کے بارے میں آگاہ کرنے والا ہوں اور اس خبر کے رد عمل کے طور پر جو میں نے فیصلہ کیا ہے اور عملی قدم اٹھایا ہے اس بھی میں تم لوگوں سے ذکر کرتا ہوں۔“

اے میرے عزیزو! گزشتہ شب سمرقند سے میرا ایک ناظر یہ خبر لایا تھا کہ شاری ملک پھر کہیں سے نمودار ہو کر شاہی حرم میں رہنے لگی ہے اور اس ناظر نے مجھ سے اس خبر کے بارے میں کہا تھا کہ خلیل نے شاری ملک سے شادی کر لی ہے۔ مجھے خلیل کی اس حرکت کا سخت صدمہ ہوا ہے۔ گو میں نے اسے بلا کر اس کے ساتھ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی میں کروں گا لیکن میں نے گزشتہ شب ہی اپنا ایک قاصد سمرقند روانہ کر دیا تھا۔ اس قاصد کے ہاتھ میں نے اپنا ایک تحریری حکم نامہ بھی ارسال کر دیا ہے جس میں شاری ملک کو میں نے فوراً قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔“

تیمور ذرا کا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ ”اے میرے عزیزو! شاری ملک کے قتل کا حکم جاری کر کے اپنے زعم میں ایک بہترین اور مناسب فیصلہ میں نے کیا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو میرے اس فیصلے کے خلاف کوئی اعتراض ہے؟“

تیمور کے اس سوال پر سب خاموش اور تجسس لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پر تیمور کے اس سوال کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ اس صورت حال پر تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: ”تم سب لوگوں کی خاموشی بتاتی ہے کہ تم میرے اس فیصلے سے متفق ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاری ملک ایک بدی کی صورت میں میرے گھرانے میں داخل ہوئی اور اگر اس بدی کا قلع قمع نہ کیا گیا تو پھر یہ اور پھیل اور بکھر جائے گی۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ تم میرے اس فیصلے سے اتفاق کرتے ہو۔ اب شاری ملک کی مرگ کا فیصلہ جاری کرنے کے بعد مجھے کوئی دکھ اور افسوس نہ ہوگا۔ چند ثانیوں تک تیمور خاموش رہا۔ پھر اس بار اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے نور الدین! یہاں سے نکلنے کے بعد تم سیدھے یوحنا کے خیمے میں جانا اس کی بیوی مانتھس سخت بیمار ہے۔ گو میرے ذاتی طبیب اس کا علاج کر رہے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو رہی۔ میرا اپنا اندیشہ ہے کہ وہ اس بیماری سے بچ نہ سکے گی۔ تمہارا وہاں جانا بے حد اہم اور ضروری ہے۔ اور اگر تم وہاں نہ گئے تو انہیں شکوہ اور گلہ ہوگا۔ اس لیے کہ وہ ان گنت توقعات تم سے وابستہ رکھتے ہیں۔ لہذا تم ضرور وہاں جاؤ۔ مانتھس بے چاری بھٹیئیر سے پڑاؤ کے دوران ہی بیمار ہو گئی تھی گو اس کا علاج جاری رہا لیکن یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کی بیماری نرسد کیڑ گئی ہے اور دواؤں کے علاوہ اب اسے دواؤں کی زیادہ ضرورت ہے میرے او۔ سیف الدین کے علاوہ محمد سلطان اور پیر محمد بھی مانتھس کی تیمارداری کر چکے ہیں اور جو بھی ان کے ہاں جاتا ہے، یوحنا اور انجلیتنا اس سے تمہارا ضرور پوچھتے ہیں۔“

مانتھس کا سن کہ نور الدین فکر مند سا ہو گیا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے کہا: ”میں اب یوحنا کے خیمے کی طرف ہی جاتا ہوں اور وہاں مانتھس کا حال دریافت کرتا ہوں۔“

تیمور کے خیمے سے نکلنے کے بعد نور الدین نے حدنگاہ تک پھیلے ہوئے

خیموں کو ایک بار غور سے دیکھا۔ پھر تیمور کے خیمے سے صرف چند ہی خیمے چھوڑ کر وہ یوحنا کے خیمے میں داخل ہوا۔ مانتھس اس وقت آتش دان کے قریب کھجور کی چٹائی پر لگے ہوئے ایک بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ جب کہ یوحنا اس کے سر ہانے اور انجیلینا پاؤں کی طرف بیٹھی اپنی ماں کی ٹانگیں اور پاؤں دبا رہی تھی۔

نور الدین کو اپنے خیمے میں دیکھ کر مغموم اور ملول بیٹھی ہوئی انجیلینا یکسر بدل گئی تھی۔ نور الدین کے آنے پر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے غم زندگی سے بھر پور شب کو طلوع صبح نصیب ہو گئی ہو۔ شفق زاروں کی طرح اس کے اعلیٰ تراش کے لب ہنک اٹھے تھے اور ان گنت گلوں کے ہجوم کی مانند اس کا رخ دمک اٹھا تھا۔ مجموعی طور پر انجیلینا چاک گر بیان سے آفاق کی گنگناہٹوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔

اپنی ماں کے پاؤں دباتے دباتے نور الدین کو دیکھتے ہی وہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس موقع پر یوحنا نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! آج آپ کو اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے قسم خداوند کی میں اپنے آدھے غم بھول گیا ہوں۔“

بے سدھ سی پڑی ہوئی مانتھس نے بو جھل بو جھل آنکھیں اٹھا کر نور الدین کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر دُنیا بھر کے غموں میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ نور الدین نے آگے بڑھ کر مانتھس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی عقیدت کے انداز میں پوچھا۔ ”آپ کیسی ہیں؟“

نور الدین کے اس سوال کا مانتھس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس بے چاری مغموم سے انداز میں وہ نور الدین کو دیکھ جاتا رہی تھی۔ اس موقع پر نور الدین نے بلند آواز میں یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے آپ لوگوں سے بڑا شکوہ اور شکایت ہے۔ آپ لوگ کم از کم مجھان کی بیماری سے متعلق ہی اطلاع کر دیتے تو میں ان کا حال پوچھنے بہت پہلے کا حاضر ہو چکا ہوتا۔“

یوحنا نے پُرشوق آواز میں کہا - "اے نور الدین! قسم خداوند کی مجھے اپنی زندگی کا بدترین انتظار تھا کہ کب تم کبھی میرے خیمے میں بھی آؤ گے۔ اب جب کہ تم خود آ گئے ہو تو مجھے تم سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں رہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے اس خیمے کا ماحول ہی یکسر بدل کر رہ گیا ہو۔" یوحنا کی اس گفتگو پر قریب کھڑی اینجیلینا یوں خوش ہو کر مسکرا رہی تھی۔ جیسے کسی نے سحر کے ماتھے پر بنیم چھڑک دی ہو۔

نور الدین نے پھر بولتے ہوئے کہا - "اگر آپ مانتھنس کی بیماری کی وجہ سے مصروف تھے تو کم از کم آپ اینجیلینا کو ہی بھیج کر مجھے اطلاع کر دیتے۔ اگر آپ کو خیال نہ رہا۔ تو اینجیلینا خود بھی آ کر مجھے اس کی اطلاع کر سکتی تھی۔"

اینجیلینا، نور الدین اور یوحنا کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس موقع پر وہ نور الدین سے کچھ کہنا چاہتی تھی پر یوحنا نے خود ہی اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا - "اے نور الدین! جس وقت ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے ہم لشکر کے ساتھ سمرقند سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت ہی اینجیلینا نے میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ ان جنگوں کے دوران وہ نہ صرف تمہارے خیمے کی صفائی سکھائی بلکہ تمہارے کھانے کا خیال بھی خود رکھا کرے گی اسی لیے میں امیر تیمور سے کہہ کر تمہارے حصے کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا اور میرا خیمہ تمہارے خیمے کے برابر میں نصب ہونے لگا تھا۔ لیکن اے نور الدین! اس دن اینجیلینا کچھ مجھ سے گئی تھی جب شہاب الدین کو شکست دینے اور مولیان پر قابض ہونے کے بعد تم اپنے خیمے میں داخل ہوئے تو وہاں اینجیلینا تمہارا کھانا لیے تمہاری منتظر تھی اور خیمے کی صفائی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے وہاں آتش دان میں آگ بھی روشن کر رکھی تھی۔

اے نور الدین! اس روز جو تم نے اینجیلینا سے یہ کہا کہ "اے اینجیلینا! تمہارا خیمہ خیمے میں اکیلے آنا اور پھر میرا کھانا لے کر آتش دان کے پاس میرا انتظار کرنا۔ اس سے میرے لشکر کی اور دیگر لوگ کیا اثر لیں گے؟" اے نور الدین اینجیلینا نے وہاں تمہاری باتوں کا جواب تو ضرور دیا لیکن اس روز سے سنجیدہ اور خاموش سی ہو گئی تھی قسم خداوند کی اس روز کے بعد آج پہلی بار میں اپنی بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ اور اطمینان دیکھ

رہا ہوں۔ جس روز تم نے کھلے میدان میں راجہ چنڈول رلے کو شکست دی اور پھر بھٹنیر شہر پر قبضہ کیا۔ اس روز بھی میں نے اینجلینا سے کہا۔ ”کہ جاؤ امیر نور الدین کو اس فتح پر مبارک باد دے کر آؤ لیکن یہ بات کو ٹال گئی اور نہیں گئی اور قسم خاوند کی اس روز مجھے اپنی بیٹی کی حالت پر بہت دکھ ہوا تھا۔

یو حنا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ پر اینجلینا نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے باپ! آپ بھی کیسی گفتگو لے بیٹھے ہیں۔ کیا امیر نے ہمارے خیمے میں آکر ساری شکایتیں سارے شکوے دُور نہیں کر دیئے۔ پھر حسین اینجلینا نے براہ راست نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر! میں آپ کے لیے کھانے کے لیے کچھ لاؤں؟“

نور الدین نے بھی اس بار خوش طبعی میں کہا۔ ”گو میں نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں سے ہو کر کھانا اپنے خیمے میں جا کر کھاؤں گا لیکن اب تم لے آؤ۔ ایسا نہ ہو میرے انکار پر تم پھر سنجیدگی اور خاموشی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے گھر کا ماحول خراب کر دو“ نور الدین کے ان پر اینجلینا اور یو حنا کھل کر ہنس دیئے تھے۔

اینجلینا تیکسی نکا ہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سرت اور خوشی میں سرور و قلابچیں بھرتی ہوئی خیمے کے دوسرے کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں ایک طشت میں نور الدین کے لیے خشک اور تازے پھل تازہ بھنا ہوا گوشت، پنیر اور کچھ خمیری روٹیاں لے آئی تھی۔

طشت نور الدین کی گود میں رکھتے ہوئے اینجلینا نے اپنی آواز میں دُنیا بھر کی مٹھاس اور چاہتوں کو سیٹھتے ہوئے کہا ”لیجئے کھائیے میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔“ پھر اینجلینا دوبارہ اٹھی اور پانی کا ایک پیالہ بھر لائی اور نور الدین کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

اس موقع پر یو حنا جب اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو نور الدین نے کہا۔ ”آپ بیٹھیں نا آپ بھی تو کھائیں۔“

یو خانے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے۔ میں کھا چکا ہوں بیٹے! تم کھاؤ اتنی دیر تک میں مالتھس کے لیے طیب سے دوائے آتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یو خانہ اٹھ کر خیمے سے باہر نکل گیا اور نور الدین طشت اپنی گود میں رکھے خاموشی سے کھانے لگا۔

جب نور الدین کھا چکا تو اینجلینا نے ہاتھ متہ صاف کرنے کے لیے اسے ایک انگوچھا لاکر دیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی کھلی کرائی اور طشت و پیالہ اٹھا کر خیمے کے دوسرے کمرے میں رکھ آئی اور دوبارہ نور الدین کے قریب آکر بیٹھ گئی تھی اس موقع پر مالتھس نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے نجف و نزاری سی آواز میں بولی۔

’اے نور الدین! اپنے کان میرے قریب کرو۔ میں بھی تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔‘

نور الدین جھجک گیا اور اپنا چہرہ اس نے مالتھس کے قریب کر لیا تھا۔

مالتھس نے انتہائی نرم اور ڈوبی ڈوبی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ’اے نور الدین! میرے بیٹے! میں تسلیم کرتی ہوں کہ اینجلینا سے تمہیں ٹھکرا دینے کی غلطی ہو گئی تھی اب وہ اپنی غلطی کو تسلیم بھی کرتی ہے۔ تم اسے معاف کر دو بیٹا! اس کی تمہیں غلام ابن غلام کہنے کی غلطی فراموش کر دو کہ اب تو یہ تمہیں دیوانگی اور جنون کی حد تک پسند کرتی ہے۔ اب تم ہی اس کی زندگی کا محور و منزل ہو اور اے نور الدین! اگر تم نے اینجلینا کو ٹھکرا دیا تو میں سمجھتی ہوں یہ پاگل لڑکی کچھ کر بیٹھے گی اور اپنے آپ کا خاتمہ کر لے گی۔ میں اس کی حساس طبیعت کو خوب جانتی ہوں۔‘

اے نیک دل فرزند! میری زندگی کا آب کوئی اعتبار نہیں ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے میں اب چند ہی دنوں کی ممان ہوں۔ اس موقع اینجلینا نے تڑپ کر اپنا ہاتھ مالتھس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔

نور الدین نے نگاہ اٹھا کر اینجلینا کی طرف دیکھا۔ وہ بے چاری اپنی سسکیوں اور ہچکچید کو روکتی ہوئی بڑی طرح رو رہی تھی۔ اس کے آنسو تو اتر کے ساتھ موتیوں کی طرح اس کی گود میں گر رہے تھے۔ وہ بے چاری اپنی ماں کے منہ پر ہاتھ ہی

رکھ کر رہ گئی تھی۔ منہ سے کچھ نہ کہہ سکی تھی کہ اس کی آواز تو اس کی ہچکیوں میں ڈوب رہی۔ نور الدین ہمدردی اور دردمندی سے بھرپور آواز میں کہا۔ ”ایجلینا! ایجلینا! اپنی ماں کے منہ سے ہاتھ ہٹا دو اور اسے اپنی بات مکمل کرنے دو۔“

نور الدین کی بات مانتے ہوئے ایجلینا نے فوراً ماتھس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ پھر اس بے چاری نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔ اس کا منہ اس کے گھٹنوں کی طرف جھک گیا تھا اور وہ بُری طرح رونے لگی تھی۔ ماتھس اپنی گفتگو جاری رکھنے کی خاطر پھر کہہ رہی تھی۔

”اے نور الدین! اپنی موت کے بعد جب میں اپنی بیٹی کی زسیت اور اس کے مستقبل کی طرف نگاہ دوڑاتی ہوں تو مجھے اشکوں کے سوز، احساس کمتری کی آگ، دکھی رُوحوں کے نوچے اور تابوت کی سی تنہائیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میرے بعد یوحنا اس کی طرف وہ توجہ اور دھیان نہ دے سکے گا جس قدر اس کو ضرورت ہوگی اور جس قدر اس کا حق ہوگا۔ اور میرے بعد اس بے چاری کی حالت دل پر قطرہ قطرہ گرتے گرم آنسوؤں، لمحہ لمحہ تکلیف دہ انداز میں گزرتی ہوئی رات اور زخمی بے درماں جیسی ہو کر رہ جائے گی۔ آہ بے چاری ایجلینا، دنیا کی ان لمبی راتوں پر یہ کس قدر بے آسرا اور کیسی لاچار و مجبور ہوگی۔“

اپنی ماں کی اس گفتگو پر ایجلینا بے چاری بے ضبط سی ہو گئی اور وہاڑیں مار مار کر وہ رونے لگی تھی۔ ذرا رگ کر ماتھس پھر کہہ رہی تھی۔ ”یوحنا کے بعد اگر ایجلینا کے سلسلے میں کسی پر میں بھروسہ و اعتماد کر سکتی ہوں تو اسے نور الدین! مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اے نور الدین! میرا تم پر ایسا اعتماد ہے کہ اگر ایجلینا برسوں تک تمہاری پناہ میں پڑی رہے تب بھی میں تمہارے اور اس کے تقدس کی قسم کھا سکتی ہوں۔“

اے نور الدین! میری دلی خواہش ہے کہ تم ایجلینا کی ماضی کی ساری زیادتیوں کو فراموش کر کے اسے اپنانے کا عہد کر لو۔ میں تمہیں وعدہ دیتی ہوں کہ ایجلینا تمہیں

یادوں کی خوشبو جیسا خوش، باتوں کی لاگ جیسا پرسکون رکھے گی۔ اس لئے کہ اینجیلینا دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند کرتی ہے اور اپنی اسی محبت و چاہت کے بل بوتے پر وہ تمہاری زندگی کو لذتوں سے شرابور کر کے تمہارے دل کے نہاں خانوں میں اطمینان و سکون کے شیش محل کھڑے کر کے رکھ دے گی اور اے نور الدین! اگر تم اینجیلینا سے شادی نہ کرنا چاہو تب بھی تم اسے اپنے ہاں بیوی کی حیثیت سے نہیں تو ایک لڑکی و خادمہ کی حیثیت سے ہی رکھ لینا۔

اے نور الدین! میرے عزیز! اینجیلینا کی اگر کہیں اور شادی کرنے کی کوشش کی گئی تو میں جانتی ہوں کہ یہ ضرور خودکشی کر لے گی اور یہ بات اس کا باپ یوحنا بھی جانتا ہے۔ پس کبھی اور کے گھر جانے کے بجائے یہ تمہارے ہاں خادمہ کی حیثیت سے زیادہ خوش رہے گی۔“

یہ گفتگو سننے کے بعد اینجیلینا فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی وہ خیمے کے اندر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

نور الدین نے ہمدردی سے ماتھس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر درمندی سے بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”اس حالت میں ایسی گفتگو آپ کے لیے اچھی نہیں ہے۔ یوحنا طبیب سے دوا لے کر آتے ہی ہوں گے۔ میری دعا ہے خداوند آپ کو شفا عطا کرے۔“

ماتھس کے پاس سے اُٹھ کر نور الدین خیمے کے دوسرے کمرے کی طرف گیا اس نے دیکھا وہاں اینجیلینا اپنی سسکیوں اور ہچکیوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے رو رہی تھی۔ نور الدین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اینجیلینا! اینجیلینا! اُٹھ کر ماں کے پاس بیٹھو۔ میں اب جاتا ہوں۔ شاید تمہارے بابا بھی تھوڑی دیر تک طبیب سے دوا لے کر لوٹ آئیں۔“

نور الدین کے جانے کا سن کر اینجیلینا بے چاری نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ چونکہ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی آنکھیں اس نے خشک کر لیں۔ پھر اس نے

مہم اور بکھری سی آواز میں کہا۔ ”آپ بیٹھیں نا۔ بابا اب لوٹنے والے ہی ہوں گے۔ ان کے آنے تک تو رکیں نا۔“

نور الدین نے ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے انجیلینا! میں تمہاری ماں کی خبر گیری کرنے اب آتا ہوں گا۔ اگر میری غیر موجودگی میں کبھی ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے تو مجھے ضرور آگاہ کرنا۔ جس طرح اب تک اندھیرے میں رکھا ہے ایسی ہی بے خبری میں نہ رکھنا اور سناو اب تم اپنے آپ کو سنبھالو تمہیں روتی حالت میں دیکھ کر ماتھس کے لیے یقیناً ناقابل برداشت ہو گا۔ میرے منہ اپنے منہ پر چھینٹے دے کر اپنی ماں کے پاس بیٹھو۔“

نور الدین کی اس خواہش پر انجیلینا فوراً حرکت میں آئی۔ طہارت خانے میں جا کر اس نے منہ دھویا اور پھر اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ نور الدین اس کی اس حالت پر فدا سا مسکرایا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے غدا حافظ کہا۔ پھر وہ تھیمے سے نکل گیا تھا۔





چند روز تک دریائے جمن کے مشرقی کنارے تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ
 پڑاؤ کیے رکھا۔ پھر اپنے لشکر کے ساتھ اس نے دریائے جمن کو عبور کیا اور پیش
 قدمی کرتا ہوا وہ فیروز آباد کے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔ تیمور کو یہ خبر بھی مل گئی
 بھی کہ ہندوستان کا بادشاہ ناصر الدین محمود اپنے سپہ سالار ملو خان کے ہمراہ ایک
 ہزار لشکر کے ساتھ ان کا رخ کر رہا ہے۔ لہذا جنگ کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے
 تیمور نے اپنے مشیروں، علماء اور سالاروں کا اجلاس طلب کیا۔ جب یہ سارے
 لوگ اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تب تیمور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
 ”اے میرے عزیزو! میں نے تمہیں اس لیے طلب کیا ہے کہ تمہیں
 بتاؤں کہ ہند کا بادشاہ ناصر الدین محمود اور اس کا سپہ سالار ملو خان ایک بہت
 بڑا اور ہزار لشکر لے کر ہماری طرف بڑھ رہے ہیں اور میں تم لوگوں کو یہ بھی بتاؤں
 کہ اس سرزمین کے اندر اب تک جتنی میں جنگیں ہم نے کی ہیں۔ یہ آنے والی جنگ
 میرے جنگ میں طرفین کے لیے سب سے زیادہ ہولناک جنگ ہو گی۔
 لہذا اے میرے عزیزو! کہو اس رونما ہونے والی جنگ میں کامیاب
 و سرفراز ہونے کے لیے تم لوگ مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟“

سب سے پہلے سیف الدین بوللا اور کہا " ہمیں اپنے اس پڑاؤ کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اس پڑاؤ کی حفاظت کرتے ہوئے دشمن کو آگے بڑھنے کا موقع دیا اور پھر بھرپور طریقے سے اس پر ضرب لگائی جائے۔ "

سیف الدین کے خاموش ہوئے شہزادہ پیر محمد نے کہا " میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے پڑاؤ اٹھالینا چاہیے اور فوراً دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس سے ٹکرا جانا چاہیے۔ ہمارے یہاں پڑاؤ کیے رہنے سے دشمن اسے ہماری کمزوری جانے گا۔ اس طرح اس کے حوصلے بلند ہوں گے اور وہ جنگ میں فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ "

محمد سلطان نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے کہا " میں محترم سیف الدین کے مشورے سے اتفاق کرتا ہوں۔ دشمن کو آگے بڑھنے دیا جائے۔ اس طرح وہ اپنے مرکز سے دُور ہوگا اور اس کے لیے بھی رسد و کمک کے مسائل کھڑے ہوں گے اور ہم آسانی اس پر قابو پالیں گے۔ "

محمد سلطان کے خاموش ہونے پر نور الدین نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے کہا " اے آقا! میں امیر سیف الدین اور محمد سلطان کے مشوروں سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ان میں کچھ تبدیلیاں بھی چاہتا ہوں۔ "

بلکی بلکی مسکراہٹ میں تیمور نے پوچھا " وہ تبدیلیاں کھل کر کہو جو تم چاہتے ہو۔ نور الدین نے پھر کتنا شروع کیا۔ اے آقا! اول یہ کہ اپنے اس پڑاؤ کے شمال اور مشرقی حصوں میں خندق کھودی جائے۔ "

کچھ دوسرے سرداروں نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا " خندق کھودنے کا کیا فائدہ اور پھر اس میں بھرنے کے لیے پانی کہاں سے آئے گا۔ "

اس پر تیمور کے بیٹے شاہرخ نے اپنی خفگی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا " بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے نور الدین کو اپنی بات مکمل کرنے دی جائے۔ پھر اس کے مشورے میں اگر کوئی خامی ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔ "

تیمور نے اپنے بیٹے شاہرخ کی اس خفگی اور ناراضگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور کہا "شاہرخ ٹھیک کتا ہے۔ پہلے نور الدین کو اپنی بات مکمل کرنے دی جائے اس کے بعد اعتراضات کھڑے کیے جائیں۔ اے نور الدین! اپنی گفتگو جاری رکھو۔"

نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ "اے آقا! میں کہہ رہا تھا کہ اپنا پڑاؤ ہمیں رکھا جائے اور پڑاؤ کے شمال اور مشرقی حصوں کی طرف خندق کھودی جائے اور چونکہ خندق میں بھرنے کے لیے یہاں پانی میسر نہیں ہے۔ لہذا اس خندق کے اندر ان جانوروں کے سر اور ٹانگیں بھردی جائیں جو روزانہ لشکر کے لیے ذبح کیے جاتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی صورت میں دشمن کے سوار اس خندق کو عبور نہ کر سکیں گے۔ اس طرح اپنے اس پڑاؤ کی دوسمتوں کو محفوظ کرنے کے بعد باقی دوسمتوں کی حفاظت کرنا ہمارے لیے آسان اور سہل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ پڑاؤ کی حفاظت پر اپنے لشکر کا کم سے کم حصہ بھی مقرر کر کے ہم اس کی حفاظت کا سامان کر سکیں گے۔"

اس موقع پر تیمور کا بیٹا شاہرخ ان چھوٹے سالاروں کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جنہوں نے نور الدین کے خندق کھودنے کے مشورہ پر اعتراض کیا تھا لیکن ان سالاروں کی گردنیں اب جھکی ہوئی تھیں۔

اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ "اے آقا! پڑاؤ کی حفاظت کا یہ سامان کرنے کے بعد لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ پڑاؤ کی حفاظت پر رکھا جائے اور باقی تین حصے دشمن کی طرف اس طرح آہستہ آہستہ پیش قدمی کریں کہ دشمن کو اپنے پڑاؤ کے قریب آنے دیں۔ ہمارا ایک حصہ دشمن کے سامنے نمودار ہو اور جب دشمن دیکھے گا کہ اس کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد سے کہیں کم تعداد کا لشکر آیا ہے تو وہ اس پر حملہ آور ہونے میں دیر اور تاخیر نہ کرے گا اور دشمن جو نہی سامنے والے حصے پر حملہ آور ہو۔ ہمارے باقی دونوں حصے بیک وقت دشمن پر دائیں اور بائیں سے زور وار حملہ کر دیں۔ اس طرح ہم لمحوں کے اندر دشمن کے

پاؤں اکھاڑ کر رکھ دیں گے۔

اور اے آقا! اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ دائیں بائیں سے حملہ آور ہونے والے لشکر دشمن کی نگاہ سے اوجھل رہ کر پیش قدمی کریں اور اچانک اس پر ٹوٹ پریں۔ اس طرح دشمن پر ہم سہ طرفہ حملہ کر کے نہ صرف اس کی توجہ تین حصوں میں بانٹ کر رکھ دیں گے۔ بلکہ ہماری طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اس نے اپنے لشکر کی ترتیب دی ہوئی وہ ترتیب دی ہوگی وہ ترتیب و تنظیم بھی ہم بگاڑ دیں گے۔

اس طرح دشمن کو ان سہ طرفہ حملوں کا جواب دینے کے لیے اپنے لشکر کے اندر بنیادی تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور جب تک وہ یہ تبدیلیاں کرے گا، اس وقت تک ہم ان کے پاؤں تلے سے زمین پھینچ کر رکھ دیں گے۔
نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے اپنے بیٹے شاہرخ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "اے شاہرخ! میرے بیٹے! تم بھی بولو، تمہارا کیا مشورہ ہے۔"

شاہرخ نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے میرے باپ! میں نور الدین کی تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اس لیے کہ میرے پاس اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے۔ تاہم میں اس موقع پر جن حضرات نے خندق کھودے جانے پر اعتراض کیا تھا۔ ان سے ضرور سوال کروں گا کہ اب جب کہ نور الدین اپنی بات مکمل کر چکا ہے۔ اب انہیں نور الدین کی پیش ہوئی تجویز پر کوئی اعتراض ہو تو ضرور بولیں۔"

تیمور نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: "کسی کو نور الدین کی اس تجویز پر کوئی اعتراض ہو تو کہے۔"

سب لوگ خاموش بیٹھے رہے اور کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔ اس پر تیمور نے مہمناں آوازیں کہا: "اگر ایسا ہے تو پھر سنو! نور الدین کی اس تجویز سے میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ خندق کھودنے کا کام آج ہی شروع کر دیا جائے گا اور اس میں لشکر کے لیے ذبح ہونے والے جانوروں کے سراور پاؤں بھر (حاشیہ صفحہ ۲۵۴ پر)

دیئے جائیں۔ اس طرح دشمن اس خندق کو آسانی سے پار نہ کر سکے گا۔ تیمور ذرا
 رکا، کچھ سوچا پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

اور سنو میرے عزیزو! نورالدین کی تجویز کے مطابق لشکر کے چار حصے
 کیے جائیں گے۔ ایک حصہ سیف الدین کے پاس رہے گا جس سے وہ اس پڑاؤ کی
 حفاظت کرے گا۔ دوسرا حصہ میرے پاس ہوگا اور میں دشمن کے سامنے نمودار
 ہوں گا۔ میرے ساتھ پیر محمد بھی ہوگا اور شاہ رخ بھی حسب سابق میرے ہمراہ ہو
 گا۔ تیسرا حصہ نورالدین کے پاس ہوگا اور یہ دشمن پر دائیں طرف سے جان لیوا فیریں
 لگائے گا۔ لشکر کا چوتھا حصہ محمد سلطان کے تحت ہوگا اور یہ دشمن کے بائیں پہلو پر
 حملہ آور ہوگا۔

اور سنو میرے عزیزو! دشمن پر رگوں کی گہری نشاط اور نینک بھرتی ہونے
 کی طرح حملہ آور ہوا جائے گا اور انہیں کمین طوع پر نڈھال کر دیا جائے گا اور جب
 دشمن ہم سے شکست کھا کر بھاگے گا تو اس کا وہلی شہر تک پرجوش اور غضب ناک تعاقب
 کیا جائے گا۔

ادراے میرے عزیزو! کوشش کرنا کہ ہندوستان کے بادشاہ ناصرالدین محمود اور
 اس کے سالار ملو خان کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ناصرالدین
 کے لشکر میں ہاتھی بھی ہوں گے اور اس کے علاج کے لیے یں اپنے تیرانلذوں کو
 استعمال کروں گا۔

ذرا رک کر تیمور پھر کہہ رہا تھا اور سنو میرے عزیزو! اس سرزمین کے اندر
 ناصرالدین محمود اور اس کے سالار ملو خان کے ساتھ ہماری جنگ فیصلہ کن جنگ ہو
 گی۔ اس لیے کہ اگر ہم ان دونوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہندوستان

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۵۳) تاریخ فرشتہ کا موقف بھی اس خندق اور اس میں جانوروں کے سراؤں
 پاؤں بھرے جانے کا ذکر کرتا ہے۔

کے اندر کوئی ایسی بڑی قوت باقی نہ رہے گی جس کی طرف سے ہمیں خطرہ و خدشہ لاحق ہو۔ اس کے ساتھ ہی تیمور اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کہا۔ ”اؤ اب نور الدین کی تجویز کے مطابق اپنے پڑاؤ کی حفاظت کے لیے خندق کھدوانے کا انتظام کریں۔“ پھر سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور تیمور کے ساتھ اس کے خیمے سے نکل گئے تھے۔



تیمور اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے ناصر الدین محمود اور اس کا سپہ سالار ملو خاں ایک جہاز لشکر کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوئے اور اس لشکر میں سو کے قریب وہ ہاتھی بھی شامل تھے جنہیں باقاعدہ جنگی تربیت دی گئی تھی۔ تیمور کو بھی ناصر الدین اور ملو خاں کی اس پیش قدمی کی اطلاع ہو گئی تھی۔ لہذا تیمور نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک حصہ سیف الدین کے حوالے کر کے اس کے پڑاؤ کی حفاظت پر مامور کیا۔ دوسرا حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور اس حصے میں شاہ رخ اور پیر محمد بھی شامل تھے۔ تیسرا حصہ نور الدین کے حوالے کیا گیا اور آق بونگا کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ چوتھا حصہ شہزادہ محمد سلطان کی کمانداری میں رکھا گیا اور شہزادہ خلیل کو اس کا نائب بنایا گیا۔

تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اپنے پڑاؤ سے روانہ ہو کر آگے بڑھا جب کہ نور الدین اور محمد سلطان اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دائیں دائیں دور دورہ کر پیش قدمی کر رہے تھے تاکہ دشمن انہیں دیکھ نہ سکے اور جنگ کے موقع پر وہ اچانک ضرب لگانے میں کامیاب ہو سکیں۔

تیمور کے ناظر برابر دشمن کی پیش قدمی اور نقل و حرکت سے متعلق اطلاعات فراہم کر رہے تھے اور ان ہی اطلاعات کی بنیاد پر ایک جگہ تیمور نے اپنے لشکر کو روک لیا تھا اور تیز رفتار قاصد نور الدین اور محمد سلطان کی طرف بھیج کر انہیں بھی روک جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

یہ اقدام تیمور نے بروقت اٹھایا تھا کیونکہ تھوڑی دیر تک ناصر الدین محمود اور ملو خاں بھی اپنے جہاز لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے اور ان کے لشکر کے آگے ایک پہاڑ

کی صورت میں سوا ہاتھی تھے۔ ان ہاتھیوں کو خوب سنوارا گیا تھا اور ہر ہاتھی پر مسلح جوان بھی سوار تھے۔

ناصر الدین محمود اور اس کے سپہ سالار ملو خان نے کوئی پس و پیش نہ کی اور آتے ہی انہوں نے جنگ کی ابتداء کر دی تھی۔ تیمور اپنے گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کے اندر بغور ان کا جائزہ لے رہا تھا۔

ان کی آن میں ناصر الدین کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ خود ناصر الدین محمود کے پاس رہا۔ دوسرا حصہ ملو خان کی سرکردگی میں دیا گیا۔ اس طرح دونوں لشکر پہلو بہ پہلو حرکت میں آتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں لشکروں کے آگے آگے ہاتھی تھے جو اپنی چنگاڑوں سے قیامت برپا کیے دے رہے تھے۔

اپنی اپنی دانست میں ناصر الدین اور ملو خان بھی مطمئن اور خوش تھے اس لیے کہ ان کے سامنے تیمور جو لشکر لیے کھڑا تھا، انفرادی لحاظ سے اس کی حیثیت ان کے اپنے لشکر کی نسبت سے کچھ بھی نہ تھی۔

تیمور کے حکم پر اس کے لشکر کی اگلی ساری صفوں نے اپنی کمانیں سنبھال لی تھیں اور جب ہاتھی نزدیک آئے تو ان پر تیر اندازی کر دی تھی لیکن اس تیر اندازی کا کوئی خاص اثر نہ ہوا تھا۔ اس لیے کہ ہاتھیوں کو تیروں سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے اگلے حصوں پر گڑیوں والی فولادی زنجیریں ڈال دی گئی تھیں۔

وقتی طور پر تیمور کچھ پریشان سا ہوا لیکن یہ پریشانی عارضی تھی۔ اس لیے کہ تھوڑی ہی دیر بعد دایئیں طرف سے محمد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور سچ کے درد اور زخموں کی جراحت کی طرح وہ دشمن پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس طرح آگے بڑھتے ہوئے ہاتھیوں کو روک دیا گیا تھا۔

اس نئی صورت حال سے ناصر الدین محمود اور ملو خان بھی کچھ پریشان ہوئے تھے، تاہم انہوں نے فوراً اپنی ترتیب درست کر لی اور ملو خان نے آگے بڑھ کر محمد سلطان کے اس حملے کو روک دیا تھا۔

لیکن بہت جلد ناصر الدین محمود اور ملو خان کی پریشانیوں میں اور زیادہ اضافہ اس وقت ہوا جب بائیں طرف سے اچانک نور الدین زندگی کے خاموش لمحوں اور مگھی فضاؤں کے اندر پُر طلسم رات اور روح کے تار بجا دینے والے طوفان کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے حملوں میں سکوت کو مضطرب کرنے اور بے خودی کی یلپیت کو وحشت میں تبدیل کرنے کی ایک درانگیزی تھی۔

نور الدین نے حملہ آور ہوتے ہی ناصر الدین محمود اور ملو خان کی ردحوں کی خود لذتی کو جسم کی ایذا دہی اور ان کے شعور کے شیش محل کو کرچیوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

حملہ آور ہوتے نور الدین کی طرف تیمور غم و اہماک سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا حملہ آور ہوتے وقت نور الدین نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ اس نے آق بونانے سرکردگی میں دیا تھا جس کے ساتھ وہ دشمن کے پہلو پر حملہ آور ہوا تھا۔ جب کہ نور الدین باقی آدھے لشکر کے ساتھ ناصر الدین محمود کے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑا تھا اور اپنے نیزوں اور تلواروں سے اس نے ہاتھیوں کی سونڈوں کو چھلنی کرنا شروع کر دیا تھا۔

اسی وقت تیمور نے اپنے لشکر کو بھی عام حملے کا حکم دے دیا تھا اور اس نے اپنے لشکریوں کو یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ جس طرح نور الدین ہندوستان کے ہاتھیوں پر حملہ آور ہوا ہے ایسے ہی تم بھی ان پر ٹوٹ پڑو۔ نور الدین نے جب یہ دیکھا کہ تیمور کا سارا لشکر اب اپنے نیزوں اور تلواروں سے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑا ہے تو اس نے لڑنے لڑنے پنا رخ بدل لیا اور اب اس نے اپنی ساری ضربیں دشمن کے پہلو پر لگانی شروع کر دی تھیں۔ اب جنگ اپنے عروج پر آگئی تھی۔ بڑے بڑے سواروں کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے جیسے دیودار کے جنگل میں طوفانوں کے باعث درخت گرتے ہیں۔ خون کی صورت میں مٹی کو اس کا رس اور سرست ملنے لگا تھا۔ سوار گولوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ پس و پیش کی بولناکیاں اور زلیست کی دیرانیاں دل کے گداز اور محبتوں کی تاز

پر غالب آنے لگی تھیں۔ انسانیت بڑی تیزی سے آدمیت کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وقت کے بدلچاظ غنا مر اپنی خونی رسومات کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے تھے۔ انسانی حیات کا محدود تاریک ہو کر مادہ پرستانہ تماؤوں کے ہیجان کا شکار ہو گیا تھا۔

نفس کی یہ بندگی، خواہشات کا یہ اعصابی طوفان، کبر خود پرستی کے یہ منہ بول جلد ہی روپوش ہونا شروع ہو گئے کیوں کہ تیمور کے لشکریوں نے ہاتھیوں کی سونڈوں پر تلواریں اور نیزے مار مار کر ان کی حالت بُری کر دی تھی اور اب وہ اپنے ہی لشکریوں کو روندتے ہوئے واپس بھاگنے لگے تھے۔

اسی لمحے سلمنے کی طرف سے تیمور نے چھوٹی مہتابیوں اور ہواؤں میں پھل پھا دینے والے بگولوں کی طرح پوری قوت سے حملہ کر دیا تھا۔ دائیں طرف سے محمد سلطان عجیب جادو و سحر اور جراثیم کے طوفانوں کی طرح دشمن پر ٹوٹا تھا اور بائیں جانب سے نور الدین جنگل کی وحشت ناک آگ اور صحرائے بسیط کی طرح دشمن کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا۔ ان کے اندر تک گھستا چلا گیا تھا۔

اب تین اطراف سے ناصر الدین اور ملو خان کا لشکر بُری طرح پسنے لگا تھا۔ دست گوزہ گمکی سی تیزی کے ساتھ زمین سُرخ ہونے لگی تھی اور مرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔

ناصر الدین نے جب یہ دیکھا کہ شکست سے بچنے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تو اس نے اپنے لشکر کو پسا ہونے کا حکم دے دیا تھا اور اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ تو تھوڑی دیر بعد تک اس کے لشکر کا قتل عام شروع ہو جاتا۔ ناصر الدین کا خیال تھا کہ میدان جنگ سے بھاگ نکلنے کے بعد وہ دہلی میں محصور ہو جائے گا اور باعزت شرائط پر تیمور کے ساتھ صلح کی کوشش کرے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو وہ اپنی فوت میں اضافہ کرتا ہوا دہلی میں محصور پڑا رہے گا لیکن اس کی ساری سوچیں بیکار اور تمام تدبیریں ناکارہ ثابت ہوئیں۔

تیمور، نور الدین اور محمد سلطان نے ایسا ہولناک ان کا تعاقب کیا کہ ناصر الدین

کو یقین ہو گیا تھا کہ جس وقت وہ اپنے شکر کے ساتھ دہلی میں داخل ہو گا تو دشمن بھی اس کے ساتھ شہر میں داخل ہو جائے گا اور پھر شہر کی حالت جہنم سے مختلف نہ ہوگی۔ تیمور اور اس کے سارے کے اگے دہلی کی طرف بھاگتے ہوئے ناصر الدین محمود نے اپنے سارے سابقہ فیصلوں کو اپنے ذہن سے نکال دیا۔ اب اس نے ایک نیا اور سوویتند فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ شکر کو اپنے حل پر چھوڑتے ہوئے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر کسی محفوظ مقام کی طرف بھاگ جائے گا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اگر وہ تیمور کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اسے کسی بھی صورت زندہ نہ چھوڑے گا اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا۔ اسی خدمتے اور خطرے کے تحت ناصر الدین محمود اپنے محافظوں اور جان نثاروں کے ساتھ اپنے شکر سے علیحدہ ہو کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ ملو خان کو جب خبر ہوئی کہ ہندوستان کا بادشاہ اپنے شکر کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ گیا ہے تو اس نے بھی اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لیا اور بہن شہر کی طرف بھاگ گیا۔

تیمور کو ان کے اس فرار کی اطلاع کافی دیر بعد ہوئی۔ تاہم ان دونوں کے تعاقب میں اس نے اپنے سپاہی لگا دیئے۔ ناصر الدین محمود اور ملو خان تو خیریت کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم ملو خان کے ساتھیوں میں سے ملو خان کے دو بیٹے سیف الدین اور خدا داو گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے علاوہ تعاقب کر کے ناصر الدین اور ملو خان کے کچھ اور ساتھیوں کا خاتمہ بھی کر دیا تھا۔ تاہم ملو خان بہن شہر اور ناصر الدین گجرات کی طرف بھاگ بھگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہندوستان کے شکر کو مارتا کاشا تیمور دہلی شہر میں داخل ہوا اور شہر پر قابض ہونے کے بعد اس نے اپنے شکر کو عید گاہ کے میدان میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ یہیں اس میدان میں بڑے بڑے علماء و فضلاء تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جان کی امان چاہی۔ امیر تیمور نے ان سب کو مالا مال کیا۔ اس روز جمعہ تھا اور دہلی کی جامع مسجد میں تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

اسی روز تیمور نے اپنے قاصد فیروز آبلو کے میدانوں کی طرف روانہ کیے۔ اور سیف الدین کے نام پیغام بھیجوا یا کہ وہ اپنا پڑاؤ اٹھا کر دہلی آجائے۔ پس دودن بعد جب سیف الدین اپنے حصے کے لشکر اور پڑاؤ کے ساتھ وہاں پہنچا تو تیمور نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔

سیف الدین تیمور کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور آگے بڑھ کر تیمور کے ساتھ پر جوش مصافحہ کرتے ہوئے اسے اس فتح پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد سیف الدین نے آگے بڑھ کر نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر کسی قدر بوجھل اور بھاری آواز میں سیف الدین نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس مبارک باد اور خوشی کے موقع پر میرے پاس ایک مغموم اور دکھی کر دینے والی خبر بھی ہے۔"

تیمور نے پریشان نگاہوں سے سیف الدین کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اے سیف الدین کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" اس پر سیف الدین نے ملول اور غمگین لہجے میں کہا۔

"میں آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسقف یوحنا کی بیوی اور انجیلینا کی ماں مالتس اُسی روز مر گئی تھی جس روز آپ لوگوں کا ہندوستان کے لشکر کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور ہم نے اسے پڑاؤ کی پشت پر جو بڑا سا ٹیلہ تھا۔ اس پر اسے دفن کر دیا ہے اے امیر! یوحنا اور انجیلینا دونوں کی حالت شکستہ اور بے زار ہے اور وہ دونوں ہم سب کی ہمدردیوں اور غم خوریوں کے حق داریں۔"

تیمور کی گردن جھک گئی تھی اور وہ دکھی دکھی تفکرات میں کھو گیا تھا۔ دوسری طرف نور الدین کی حالت بھی روگ بھرے سنار اور غم کی بازگشت جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

ابھی ان پر ایسی ہی کیفیت طاری تھی کہ انہیں یوحنا اور انجیلینا دونوں باپ بیٹی اپنی طرف آتے دکھائی دیئے تیمور کی سرگردگی میں سب نے آگے بڑھ کر یوحنا اور

انجلینا کے ساتھ تعزیت اور غم گساری کا اظہار کیا -
 اس موقع پر انجلینا بے چاری ہچکیوں اور سسکیوں میں رونے لگی تھی -
 جب کہ تیمور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی و تسفی دے رہا تھا - پھر وہ انہیں شہر
 کے اندر لے جا رہے تھے -



دہلی شہر سے تیمور کو اس قدر مال و اسباب ہاتھ لگا جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا
 اس مال و متاع کے علاوہ انواع و اقسام کے قیمتی ہیرے، جواہرات، الماس، یاقوت
 اور مروارید وغیرہ بھی ان گنت تعداد میں تیمور کے ہاتھ لگے -
 دہلی شہر پر قبضہ کے بعد اس شہر کی بد قسمتی سے دہلی کے کچھ لوگوں نے تیمور کے
 کچھ سپاہیوں کو قتل کر دیا - جس پر تیمور ایسا برا فروختہ ہوا کہ اس نے علماء و مشائخ کو چھوڑ
 کر اپنے لشکر پر سب کا خون معاف کر دیا اور تیمور کے اس فیصلے پر اس کے لشکر بھوکے
 و زندوں کی طرح شہر پر ٹوٹ پڑے اور خوب دل کھول کر شہر کی لوٹ مار کی - کسی اور
 بادشاہ کے عہد میں کبھی اس قسم کا بھیانک منظر دیکھنے میں نہ آیا - دہلی شہر سے تیمور نے
 ایک سو بیس ہاتھیوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور یہ
 شکاری جانور سلطان فیروز شاہ کے پرودہ تھے -

دہلی شہر میں تیمور کو سلطان محمد تغلق کی بنائی ہوئی مسجد بے حد پسند آئی اور اس
 نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ایسی ہی ایک مسجد سمرقند واپس جا کر تعمیر کرے گا اور اس مقصد کے
 لیے اس نے کچھ کاری گری بھی اپنے لشکر میں شامل کر لیے تھے -

تیمور نے پندرہ دن تک دہلی شہر میں قیام کیا - پھر اس نے واپس سمرقند جانے
 کا فیصلہ کر لیا تھا - اس طرح دہلی اور اس کے اطراف کے علاقوں کی قیمت کا فیصلہ
 کرنے کے بعد تیمور دہلی شہر سے نکلا اور فیروز آباد کے ان ہی میدانوں میں آکر اس نے
 قیام کیا جہاں اس نے دہلی شہر پر حملہ آور ہونے سے قبل پڑاؤ کیا تھا -



ایک روز صبح ہی صبح سمرقند شہر میں شعور بچ گیا کہ امیر تیمور ہندوستان کی سرزمین میں فتوحات پر فتوحات حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہے اور یہ کہ قاصد کوئی اہم پیغام بھی لے کر آیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر میں یہ خبر بھی پھیل گئی تھی کہ یہ پیغام تیمور نے اپنی بیوی اور شاہ رخ کی ماں ملکہ سرے خانم کے لیے بھیجا ہے۔ اس خبر پر تیمور کی بیوی ملکہ سرے خانم اور تیمور کی بہو اور شہزادہ خلیل کی ماں خانزادہ بھی محل سے ملحقہ باغ میں اکھڑی ہوئی تھیں۔

ہندوستان سے آنے والا قاصد یہیں پر ملکہ سرے خانم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دُور ہی وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ پہلے وہ سرے خانم اور خانزادہ کی خدمت میں آداب بجالایا۔ پھر اس نے ملکہ سرے خانم کی خدمت میں تیمور کا پیغام پیش کیا اور یہ پیغام بانس کے ایک خول کے اندر بند تھا۔

بانس کے اس خول سے ملکہ سرے خانم نے تیمور کا پیغام نکالا اور جب اس نے وہ پیغام پڑھا تو اس کی حالت گم صُم لمحات اور نگاہوں کے اندر آوارہ گرد جذبے رقص کرنے لگے تھے۔ پھر سرے خانم نے وہ پیغام شہزادہ خلیل کی ماں خانزادہ کو تھما دیا تھا۔ خانزادہ نے بھی جب وہ پیغام پڑھا تو اس کی حالت من کے ٹوٹے تاروں اور معیشت کے فقیر جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی قریب کھڑی کنیزوں کو مخاطب کرتے ہوئے ملکہ سرے خانم نے دُکھ کی بازگشت پیدا کرتی اور طوفانی دھاروں کے بہاؤ جیسی آواز میں کہا۔
”شاری ملک کو حاضر کیا جائے۔“

یہ آواز سُنتے ہی کچھ کنیزیں بھاگتی ہوئیں حرم سرا کے اندر فی حصے کی طرف چلی گئی تھیں اور پھر ان کنیزوں نے شاری ملک کو اپنے ساتھ لاکر ملکہ سرے خانم اور خانزادہ کے سامنے لاکھڑا کیا۔

سرے خانم نے اپنے شوہر تیمور کا پیغام خانزادہ سے لے لیا اور شاری ملک کو تھماتے ہوئے اس نے حکمانہ سی آواز میں کہا۔ ہندوستان سے تمہارے لیے

امیر تیمور کا حکم آیا ہے۔ اپنی قسمت کا فیصلہ ہونے سے قبل اسے پڑھ لو۔ وہ پیغام پڑھنے کے بعد شاری ملک نے واپس سرائے خانم کو تھا دیا۔ اس کی حالت پچھٹے آنچلوں کے پرچم جیسی اُداس، رور و کر خشک ہو جانے والی ملکوں جیسی افسردہ، کسی مدقوق جیسی مایوس کن، قید و زنداں جیسی خوفناک اور وار و رسن جیسی مہلوم ہو کر رہ گئی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی سرائے خانم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے کم بخت! نہ جانے کس کو کھانے تجھے جنا، نہ جانے کس صحن میں تُو جوانی ہوئی اے بد بخت! نہ جانے کس دیں سے تُو چلی نہ جانے وہ کیسا منحوس وقت تھا جب تُو ہرقہ شہر میں داخل ہوئی تھی۔ اب ہر زبان تیرے خلاف بولے گی۔ اس شہر میں نہ تیری ابتلا رہے گی نہ انتہا۔ سمرقند میں اب تُو نہ اجلی ہوگی نہ آشنا۔ نہ تجھ سے کوئی خوش ہو گا نہ خفا۔ کہ تیری زندگی میں اب میکدوں کی دیوانیاں اور آتش کدوں کی تاریکیاں بکھر جانے والی ہیں اور تُو باہنی اس نشہ ہی نشہ اور خمار ہی خمار جوانی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے مدفون ہو کر رہ جائے گی۔“

سرائے خانم کی اس گفتگو پر شاری ملک کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس نے دسوں سے حرکت نہ کی ہو۔ اس کی آنکھوں میں کھوٹے کھوٹے پیغامات اور اُن گنت مدفیات رقص کو رہے تھے اور اس کے ہونٹ پھر پھڑانے لگے تھے۔

پھر شاری ملک اچانک ہی بڑی سرعت کے زمین پر بیٹھ گئی۔ ملکہ سرائے خانم کے دونوں پاؤں اس نے پکڑ لیے پھر روتی آواز آمد منت کرنے کے انداز میں اس لے کہا۔ ”اے خانم! میری زندگی میری موت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آج میں آپ پر وہ انکشاف کرتی ہوں جس کا ابھی تک کسی کو علم نہیں ہے۔“

اے خانم! میں حلفیہ کہتی ہوں کہ شہزادہ خلیل نے میری طرف بڑھنے میں پہل کی تھی۔ میری طرف کوئی ابتداء نہ ہوئی تھی اور نہ میں ایسا کرنے کی ہوا توجہ و جبارت کر سکتی ہوں۔ شہزادہ خلیل نے مجھ پر محبت و مہربانی کی ابتداء کی۔ میں اُن کے فیصلے

کے آگے ایک کنیز کی حیثیت سے جھک گئی اور انہوں نے اپنے دوستوں کی موجودگی میں میرے ساتھ خفیہ مگر باقاعدہ شادی کر لی اور اے خانم! میں آپ پر یہ راز بھی آشکارا کر دوں کہ شہزادہ خلیل کی بیوی کی حیثیت سے میں ان کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔

شاری ملک کے اس انکشاف پر ملکہ سرائے خانم کی حالت چشمِ حقارت سے معصوم حارث میں بدل گئی تھی اور اس کی رُوح کی وحشت صبحِ دم ساز میں بدل کر رہ گئی تھی۔ پھر سرائے خانم نے کسی قدر نرم آواز اور دھیمے لہجے میں کہا۔ ”اے شاری ملک! میں سمجھتی تھی کہ توبے حیائی کی ساری حدیں پھلانگ کر اس انجام کو پہنچی ہے۔ لیکن اگر تو شہزادہ خلیل کے ساتھ باقاعدہ شادی کر چکی ہے اور تو اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو پھر فکرِ مند نہ ہو بلکہ مطمئن ہو جا کہ کوئی تجھے قتل نہیں کر سکتا۔ اب تو حرمِ سرا میں چلی جا اور شہزادہ کی سی بے فکر اور پُر امن زندگی بسر کر۔ امیر تیمور کی واپسی پر میں اُن سے بات کر لوں گی۔ اور میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتی ہوں کہ میں امیر کا یہ فیصلہ بدل کر رہوں گی۔“

شاری ملک نے جھک کر سرائے خانم کا شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ شاری ملک کے جانے پر ملکہ سرائے خانم نے تیمور کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اب جاؤ اور آج کا دن آرام کو مکمل صبح پھر ہمارے پاس آؤ اور ہمارا ایک پیغام امیر کے نام لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔“

وہ قاصد جھک کر تعظیم بجالایا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس موقع پر خانزادہ نے آگے بڑھ کر ملکہ سرائے خانم کا ہاتھ تھام لیا اور تشکر آمیز جذبات بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”اے خانم! میں آپ کے اس رحمدلانہ فیصلے کی ممنون ہوں۔ آپ نے یقیناً میرے بیٹے خلیل کی منکوحہ شاری ملک کو دوسری زندگی دی ہے۔ شاید میں کبھی بھی آپ کا یہ احسان اتار نہ سکوں گی۔“

اس پر سرائے خانم نے خانزادہ کے کندھے پر شفقت کے انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا امیر کے پوتے کی حیثیت سے خلیل مجھے عزیز نہیں ہے؟“

جواب میں خانزادہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ اور آنکھوں میں سکون بکھ

گیا تھا۔ پھر وہ دونوں حرم سرا کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھیں۔



دہلی شہر سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلنے کے بعد تیسویں پھر فیروز آباد کے میدانوں میں خیمہ زن ہو گیا تھا۔ جس روز لشکر وہاں پہنچا، اسی روز جب میدان کے اطراف میں ایک بلند ٹیلے پر انجیلینا اپنی ماں کی قبر پر گئی تو اس نے دیکھا۔ اس کی ماں کی قبر پر تازہ پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

انجیلینا جستجو اور جس میں پڑ گئی تھی کہ قبر پر پھول کس نے رکھے ہیں۔ وہ ابھی ان ہی خیالات میں غرق تھی کہ اس کی نگاہ ٹیلے کے دامن میں نور الدین پر پڑی۔ وہ ٹیلے سے نیچے اس طرف جا رہا تھا جہاں اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تھا۔ انجیلینا بھی ٹیلے سے اتر کر اس کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

نور الدین نے بھی اسے بھاگ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ اپنے گھوڑے کے پاس مرک کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا۔ انجیلینا بھاگتی ہوئی نور الدین کے پاس آئی اور پھولی ہوئی سانسوں میں اس نے پوچھا۔ ”یہ ماں کی قبر پر پھول آپ نے ڈالے ہیں۔“

نور الدین منہ سے تو کچھ نہ بولا، تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ انجیلینا نے نور الدین کے اور قریب ہوتے ہوئے اپنی گھنٹیاں بجاتی اور رس برسائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”یہ پھول آپ نے کہاں سے لے لیے۔“

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں نور الدین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ پھول میں نے دہلی شہر سے روانہ ہوتے وقت اسی مقصد کے لیے خریدے تھے کہ میں انہیں تمہاری ماں کی قبر پر ڈالوں گا۔ ان کا انتقال میری موجودگی میں ہوا اور میں انہیں ایک عقیدت کے طعہ پر یہی پیش کر سکتا تھا۔“

انجیلینا نے بات کو طول دینے اور نور الدین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی نیت سے کہا۔ ”در اصل میں دوسری سمت سے چکر کاٹ کر آئی ہوں۔“

میرا ارادہ تھا کہ میں اطراف میں گھوم کر جنگلی پھول تلاش کروں گی اور اپنی ماں کی قبر پر ڈالوں گی۔ اس لیے دوسری سمت سے آنے کی وجہ سے میں آپ اور آپ کے گھوڑے کو نہ دیکھ سکی تھی۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہ کوئی سمرقند تو نہیں جہاں تمہیں اطراف و اکناف میں آن گنت جنگلی پھول مل جائیں گے۔ یہ دہلی ہے اور جہاں ہم کھڑے ہیں، یہ ان چٹیل میدانوں کے اندر چند ویران و سنان ٹیلے ہیں۔ یہاں جنگلی پھول تمہیں کہاں ملیں گے۔ کیا تمہارے ساتھ تمہارے بابا بھی آئے ہیں۔“

اینگلیٹن نے پیارے انداز میں اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”نہیں تو، میں اکیلے ہی آئی ہوں۔“ اور

”اور تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟“ نور الدین نے پھر پوچھا تھا۔ اینگلیٹن نے پھر اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میں تو پیدل آئی ہوں۔ میں کوئی اتنی نازک اندام بھی نہیں ہوں کہ اس قدر بھی نہ چل سکوں۔“

اینگلیٹن کی اس گفتگو سے غمغوظ ہوتے ہوئے نور الدین بولا۔ ”میں نے کب کہا کہ تم ایک نازک اندام سی لڑکی ہو۔ تم تو ماشاء اللہ جفاکش ہو، جبری ہو، بہادر ہو، بے باک ہو، جرات مند ہو، جوان ہو، نڈر اور نڈھال کر دینے والی ہو۔“

اینگلیٹن نے اس بار کھل کر ہنستے ہوئے کہا۔ ”ایسی بھی نہیں ہوں جس قدر آپ تعریف کر رہے ہیں۔“

نور الدین نے اس بار بات کا رخ بدلا اور پوچھا۔ ”کیا تم ابھی قبر پر ہی رہو گی یا واپس میرے ساتھ پڑاؤ کی طرف چلو گی۔“

اینگلیٹن نے غور اور پرشوق نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے کسی قدر دھیمی سی آواز میں کہا۔ ”اگر آپ میرے ساتھ چلنے پر اپنی توہین محسوس نہ کریں۔ تو میں ضرور آپ کے ساتھ پڑاؤ کی طرف چلوں گی۔“

فورا الدین نے اپنے گھوڑے کی باگ سنبھالتے ہوئے کہا - 'میں تمہارے ساتھ چلتے ہوئے اپنی توہین کیوں محسوس کروں گا۔ پھر وہ دونوں پیدل ہی پڑاؤ کی طرف جا رہے تھے۔



تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک فیروز آباد کے میدانوں میں قیام کیا۔ یہاں ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ اور مسلمان روساء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ راجہ ناتھ ران میدانوں میں حاضر ہوا۔ دوسفید ہاتھی تختہ تیمور کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنی اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت دیا۔ مسلم روساء میں سے خضر خان جو تیمور اور ناصر الدین کی جنگ کے زمانہ میں میوات کے کوہستانی سلسلے کی طرف بھاگ گیا تھا وہ بھی تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ اور تیمور نے اسے اپنے ساتھ رکھا۔

فیروز آباد کے میدانوں سے نکل کر تیمور پانی پت کے میدانوں میں پہنچا اور اپنے ایک سالار امیر شاہ کو اس نے ایک مختصر سا لشکر دے کر میرٹھ کا قلعہ فتح کرنے کو بھیجا۔ اس لیے کہ میرٹھ کا یہ قلعہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مضبوط و ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ لہذا تیمور نے اسے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

تیمور کا سالار امیر شاہ جو اپنے ظلم و ستم اور تباہی و بربادی پھیلانے کے عمل میں بے دخل تھا۔ جب وہ میرٹھ کے قلعے کے سامنے خیمہ زن ہوا تو قلعے کے حاکم ایاس اعوانی نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ایسے کئی آئے اس قلعہ کو فتح کرنے والے۔ پر ہر کوئی ناکام ہوا اور اپنا سامنہ لے کر چلتے بنے۔

امیر شاہ نے قلعہ کو تسخیر کرنے کے لیے کئی جتن کیے لیکن ناکام رہا اور اپنی اس ناکامی کا انتقام لینے کی خاطر اس نے حاکم قلعہ کا وہ پیغام تیمور کی طرف بھجوا دیا تیمور جب یہ پیغام ملا تو وہ بڑا برا فروختہ ہوا اور ارادہ کر لیا کہ وہ حاکم قلعہ کو اس کے ایک آئینہ الفاظ کی ضرورت سے مراد سے گا اور میرٹھ کا قلعہ ہر صورت میں فتح کر کے لے

گا۔ اس مقصد کے لیے تیمور نے پانی پت کے میدانوں سے میرٹھ کی طرف کوچ کر لیا تھا اور طوفانی یلغار کرتا ہوا وہ میرٹھ کے قلعہ کے عین سامنے اس جگہ آخیمہ زن ہوا۔ جہاں امیر شاہ نے پہلے سے پڑاؤ کر رکھا تھا۔

تیمور نے ایک بارسیف الدین، نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے ساتھ دشمن کی تیر اندازی سے دُور رہ کر بغور قلعہ کا جائزہ لیا۔ پھر اس نے سکرانے ہوئے کہا۔ ”امیر شاہ احمق ہے جو اب تک اس قلعے کو فتح نہ کر سکا۔ میرے عزیزو! دیکھو میں اس قلعے کی محافظوں کی کیا حالت کرتا ہوں۔“

پھر تیمور پیچھے ہٹا اور ڈھالوں کی اوٹ میں رہ کر اس نے قلعے کے قریب ایک دمدہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ دمدہ تیار ہو گیا تو تیمور نے قلعے کی طرف سرنگ کھودنے کا حکم دے دیا۔ لہذا اس دمدے کی اوٹ میں رہ کر اور دشمن کی تیر اندازی سے بچتے ہوئے تیمور کے لشکر کی سرنگ کھودنے لگے تھے۔

جب یہ سرنگ پندرہ گز کے قریب تیار ہو گئی۔ تب قلعہ کا حاکم ایاس اعوان عالی فکر مند ہوا اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس سرنگ کے ذریعے قلعے کو ضرور فتح کر لیا جائے گا۔

اس موقع پر ایاس اعوان نے ایک حماقت کی۔ اس نے سرنگ کا کام روکنے کے لیے شہر کا دروازہ کھولا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے تیمور پر حملہ کر دیا تھا۔

تیمور نے یہاں اپنی فطری سپاہیانہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سیف الدین اور نور الدین کے ساتھ ایاس اعوان عالی کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ جب کہ محمد سلطان اور پیر محمد کو اس نے حکم دیا کہ وہ کندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھیں اور قلعے پر قبضہ کر لیں۔ پس ایسا ہی ہوا۔ تیمور، نور الدین اور سیف الدین نے ایاس اعوان عالی کو اپنے ساتھ مصروف جنگ رکھا جب کہ محمد سلطان اور پیر محمد کندوں اور رستیوں کی بیڑیوں کے ذریعے فصیل پر چڑھنے کے بعد شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس طرح ایاس اعوان عالی کا لشکر گھر گھر رہ گیا اور اس کا قتل عام کر کے رکھ دیا گیا تھا۔

تیمور نے جو حالت بھٹنیر کے قلعے کی تھی ویسی ہی ابتر حالت اس نے میرٹھ کے قلعے کی بھی کی۔ قلعہ کی چار دیواری اور برج گرا دیئے گئے۔ بڑی بڑی عمارتیں زمین بوس کر دی گئیں۔ اس قلعے میں قتل و غارت اور تباہی و بربادی پھیلانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان سالک کی طرف بڑھا اور راستے میں پڑنے والی ہر سبزی، ہر قبیلے اور ہر شہر کی اس نے غارت گری کر کے رکھ دی تھی۔

اس کے بعد تیمور نے دریائے گنگا کو پار کیا اور دواکے میں داخل ہوا۔ یہاں بھی اس نے لوٹ مار کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کے مال و متاع پر اس نے قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ جموں تک یلغار کرتا چلا گیا۔ جموں کے راجہ نے خود سری اور مقابلے کا ارادہ کیا لیکن تیمور کا اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے نہ صرف تیمور کی اطاعت کر لی بلکہ اسلام بھی اس نے قبول کر لیا تھا۔

تیمور نے اپنی طرف سے ایک شخص شیخا کھکھر کو لاہور کا حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ حاکم بننے کے بعد اس شخص کے ذہن میں کبر و نفوس پستی نے گھر کر لیا۔ جموں کے بعد جب سمرقند واپس جانے کے لیے تیمور پنجاب میں داخل ہوا تو اس شیخا کھکھر کا فرد و کبر ایسا بڑھا کہ تیمور جس وقت پنجاب میں داخل ہوا تو اس شخص نے نہ ہی اس کا استقبال کیا اور نہ ہی اس سے ملاقات کی۔ پس تیمور کو لاہور کے حاکم شیخا کھکھر کا یہ رویہ انتہائی ناپسندیدہ اور ناگوار ہوا اور اس نے شیخا کھکھر کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

شیخا کھکھر کی سرکوبی کے لیے تیمور نے نور الدین کو روانہ کیا اور شہزادہ محمد سلطان کو اس کا نائب بنا کر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخا کھکھر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور اس کے خلاف حرکت میں آ رہا ہے اور یہ کہ تیمور اب چونکہ اس کے خلاف انتقامی ہو چکا ہے۔ لہذا اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔

اس بنا پر شیخا کھکھر نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور لاہور کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ محصور رہ کر جنگ کو طول دیکے اور تیمور چونکہ اب

زائیں جا رہے ہیں لہذا وہ اتنا عرصہ انتظار نہ کرے گا اور اسے اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے سمرقند کی طرف کوچ کر جائے گا۔

لیکن شیخا کھکھر کی ساری ہی امیدیں اکارت گئیں۔ اس لیے کہ نور الدین جس رات لاہور پہنچا اسی رات اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے شہزادہ محمد سلطان کو دے کر قلعے پر شب خون مارنے کو کہا۔

پس جب محمد سلطان نے شب خون مارا اور شیخا کھکھر دفاع میں مصروف ہو گیا تو قلعے کے دوسری سمت سے نور الدین لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ تفصیل پر چڑھ گیا اور قلعے پر اس نے قبضہ کر لیا۔ یہاں نور الدین نے امن وامان قائم رکھا کہ کسی کو نا جائز قتل نہ کیا اور شیخا کھکھر کو گرفتار کر کے وہ لاہور سے کوچ کر گیا۔ شیخا کھکھر کو جب تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو تیمور نے اسے قتل کر دیا اور پنجاب کا حاکم خضر خان کو مقرر کرنے کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح کابل کے راستے سمرقند کی طرف کوچ کر گیا تھا۔





ہندوستان سے سمرقند کی طرف جاتے ہوئے تیمور نے سبز شہر سے گذر کر تخت قراچہ میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا جب لشکر کے خیمے نصب ہو گئے تب تیمور نے نورالدین کو طلب کیا اور جب نورالدین اس کے خیمے میں داخل ہوا اس وقت تیمور اپنے خیمے میں اکیلا اور تنہا تھا۔ نورالدین کو اپنے قریب بٹھلنے کے بعد تیمور چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر نورالدین سے اس نے پوچھا۔ ”اے نورالدین! میرے بیٹے! جہلتے ہو۔ آج یوں تنہائی میں تمہیں میں نے کیوں بلایا ہے؟“

نورالدین نے غور سے تیمور کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے آقا! میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟“

اس پر تیمور پھر بولا۔ ”سنو نورالدین! سمرقند میں داخل ہونے سے قبل میں ایک معاملہ تمہارے ساتھ طے کرنا چاہتا ہوں۔ سنو نورالدین کابل میں پڑاؤ کے دوران اسقف یوحنا نے مجھ سے کہا کہ اب چونکہ اس کی بیوی مر گئی ہے اور اس کی اپنی زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ کب گزر جائے۔ لہذا وہ اپنی بیٹی انجیلینا کی شادی کر دینا

چاہتا ہے۔

تیمور کے خاموش ہونے پر نور الدین نے فوراً کہا۔ ”محترم یوحنا کا خیال بہت اچھا ہے۔ اسے ضرور اینجلینا کی شادی کر دینی چاہیے۔ اس طرح نہ صرف اسقف یوحنا اپنے فرض سے سبک دوش ہو جائے گا بلکہ اینجلینا بھی اپنی ماں کا غم بھول کر ایک نئی اور خوشگوار زندگی بسر کرنے میں لگ جائے گی۔“

تیمور پھر بولا۔ ”لیکن اینجلینا کی شادی کے سلسلے میں یوحنا تمہارا عندیہ لینا چاہتا ہے۔“

نور الدین نے چونک کر تیمور کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”اینجلینا کی شادی کے سلسلے میں میرا عندیہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔“

تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”دراصل یوحنا اپنی بیٹی اینجلینا کی مرضی اور خواہش کے مطابق اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دینا چاہتا ہے اور اس کے لیے کیا تمہارا عندیہ لینا ضروری نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے بھول کر تم اینجلینا سے شادی کر لو اور یہی اینجلینا کی رضامندی اور خوشی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تمہارے اور اینجلینا کے درمیان ماضی کی پہلے جیسی تلخیاں نہیں رہیں۔ اس لیے کہ میں نے اسے کئی مواقع پر خوش و غرم اُٹھتے بیٹھتے اور تمہاری طرف آتے جلتے دیکھا ہے۔“

نور الدین کی گردن جھک گئی اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ بات کو آگے بڑھانے کی خاطر تیمور نے خوشگواہی کی حالت میں گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین! تم کن سوچوں میں کھو گئے ہو۔ خداوند کی قسم اگر میں جوان ہوتا اور تمہاری جگہ ہوتا تو ایک لفظ کہے بغیر اینجلینا سے شادی کر لیتا۔“

اے نور الدین! میں تو سمجھا تھا کہ تم اب اینجلینا سے شادی کرنے پر فی الفور راضی ہو جاؤ گے اور اینجلینا کو جلانے کی خاطر جو تم نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ تم اپنے لیے کسی اور لڑکی کو پسند کر چکے ہو اب اس معاملے کو ختم کر دو گے لیکن تم تو وہی

کھڑے ہو جہاں سے چلے تھے۔

اس پر نور الدین فوراً بول پڑا۔ میں نے یوں ہی کہنا نہ شروع کر دیا تھا کہ میں اپنے لیے کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکا ہوں۔ وہ لڑکی سمرقند شہر کے اندر ایک زندہ حقیقت ہے اور اس سلسلے میں کسی غلط بیانی سے میں نے کام نہیں لیا۔ اے آقا! جس لڑکی کا میں انتخاب کر چکا ہوں وہ ایک زندہ حقیقت ہے۔

تیمور اپنی گردن جھکائے چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا پھر دوبارہ بولا۔ اے نور الدین! تم جانتے ہو، اینجلینا ایک انتہا درجے کی خوبصورت اور پُرکشش لڑکی ہے میں سمجھتا ہوں کہ سمرقند میں کوئی ایسی لڑکی نہ ہوگی جو حسن و جاذبیت اور اپنی جسمانی تاثیر و کشش میں اینجلینا جیسی ہو۔

اے نور الدین! اینجلینا اگر آج تمہارے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو جائے تو قسم خداوند کی بڑے بڑے شہزادے اور رؤسا سے حاصل کرنے کے لیے لگ و دو شروع کر دیں اور تم ہو کہ اس نعمت کو جھٹلا رہے ہو۔ اے نور الدین! میری مانو اور اس نعمت کو نہ ٹھکراؤ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم خوش قسمت ہو جو اینجلینا خود اپنے لیے تمہارا انتخاب کر رہی ہے اور فرش راہ کی طرح تمہارے آگے بڑھی جا رہی ہے۔

اے نور الدین! زندگی میں ایسا حسین ساتھی تمہیں کہیں نہ ملے گا اور پھر اس پر منہ زادیہ کہ کابل کے پڑاؤ کے دوران اینجلینا میری اور مولائے تبریزی کی موجودگی میں مولائے میرسید کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکی ہے۔ لمحہ بھر کہ نور الدین چونکا اور اس الکٹات پر اس کی گردن جھک گئی تھی۔

پر جلد ہی تیمور کی اس گفتگو پر نور الدین نے ایک طرح سے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ اے آقا! میں تسلیم کرتا ہوں کہ اینجلینا جمیل و تشکیل ہے لیکن میں آپ کی اس آراء سے اتفاق نہیں کرتا کہ زندگی میں اینجلینا جیسا کوئی ہم سفر نہ ملے گا اور یہ کہ سمرقند میں اس جیسی کوئی حسین لڑکی ہی نہیں ہے۔ اے آقا! جس لڑکی کا انتخاب میں کر چکا ہوں وہ

اگر حسن و خوبصورتی میں اینجلینا سے زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہے ۔

اے آقا ! اپنے حسن و جمال اور اپنی جسمانی ساخت اور اعضاء و جوارح کی کشش میں وہ لڑکی تلوار بدست قاتل ہے ۔ وہ قبائے ظلمت میں ایک نور ہے ۔ اس کا جسم بونے گل کی قتان اور اس کا چہرہ رنگ گل کے حریر جیسا ہے ۔ وہ اس چاند جیسی تنہا ہے جسے کسی اور کی ضرورت ہو کہ وہ اسے اپنی چاندنی سے منور کر سکے ۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے بساط کائنات میں اس جیسی کوئی قیمتی متاع ہی نہ ہو ۔

اے آقا ! اس کا حسن بادۂ ناب ، اس کی بات میں کنکنت نہیں ۔ اس کی آنکھوں میں بے بالی نہیں ۔ وہ جب گفتگو کرتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ قدم قدم فر دوس کھڑا کر دے گی اور کائنات کے دل کی دھڑکنیں اس کی اسیر ہو کر رہ جائیں گی ۔

اے آقا ! مجموعی طور پر وہ لڑکی بچوں کی مسکراہٹ جیسا نغمہ ، رنگوں کے پیراہن جیسی دل نشین خوشبو کی تلیوں جیسی نشاط انگیز ہے ۔ وہ جب میرے سامنے آتی ہے تو بدن چڑا کر کھڑی ہو جاتی ہے جیسے وہ موج کوثر اور شاخ طوبی ہو ۔

اے آقا ! اگر آپ اس لڑکی سے متعلق مجھ سے کھل کر ہی سُننا چاہتے ہیں ، تو سنیے وہ میری آرزوئے تشنہ لبی ہے ۔ میری صبح وصال ، میرے بدن کی خوشبو ہے ۔ میرا تصور ہے تخیل ہے ۔ یقین ہے ، شوق ہے ۔ امید ہے تمنا ہے ۔ میرے لیے وہ شام و سحر کی گلابی ہے ۔

اے آقا ! پھر ابی لڑکی کے ہوتے ہوئے میں کیوں کسی اور کے فریبِ محبت کے درد اور فربہ وعدہ کے زہر کا اسیر ہو جاؤں ؟

نور الدین کی یہ گفتگو سن کر تیموریوں چونکا جیسے اس کے سارے خواب بیدار ہو اچانک بیدار ہو گئے ہوں ۔ اے نور الدین ! اگر ایسا ہے تو اس لڑکی کا چہرہ تباہ و برباد یہ بھی کہو کہ اس کا کیا نام ہے ۔ اگر وہ سمرقند میں ہی ہے تو کس سردار اور رئیس کی بیٹی ہے تاکہ میں اس سے تمہاری شادی کا انتظام و انصرام کروں ۔

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں نور الدین نے کہا ۔ اے آقا ! میں پیسے ہی کہہ چکا

ہوں کہ ابھی اس لڑکی کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا۔ جب ایسا کرنے کا مناسب وقت آیا تو میں سب کچھ آپ سے کہہ دوں گا اور اس لڑکی کو مزید اسرار کا رنگ بنا کر نہ رکھوں گا۔“

تیمور نے عجیب طرح سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”پراسے نور الدین! وہ مناسب وقت کب آئے گا۔“

نور الدین نے پہلے کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کسی بھی وقت آ سکتا ہے میرے آقا! اچانک، ایک بیک پھر آپ حقیقت کو جان کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔“
تیمور نے امید بھری نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اگر تم مناسب وقت کا ہی انتظار کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ میں اس معاملے میں مکمل طور پر تمہارے ساتھ ہوں۔ پر تم اس لڑکی کا نام تو بتا دو نا جس کی انجیلنا کے مقابلے میں تم نے اس قدر تعریف و توصیف کر کے رکھ دی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں تم عام زندگی میں ایسی گفتگو کرنے کے عادی نہیں۔ وہ لڑکی حقیقتاً کمال ہی ہوگی جس کی تم نے اس انداز میں گفتگو کی ہے۔“

نور الدین کی گردن جب جھک گئی تو تیمور نے پھر کہا۔ ”دیکھو نور الدین! تم مجھے اس لڑکی کا نام بتانے سے انکار نہ کرنا۔“

نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر کہا۔ ”اے آقا! اس لڑکی کا نام اریہ ہے۔ اب آپ اس سے متعلق مزید کچھ نہ پوچھیے اور نہ ہی میں مزید کچھ بتاؤں گا۔ اے آقا! گو اس لڑکی کے خمدار ابرؤں کے اشاروں میں طوفان، تیکھی نگاہوں میں گلچیں کے گلے اور میاد کے شکوے ہیں۔ ماضی میں کسی رجز خواں بلبل کی طرح آزاد نہ تھی بلکہ خاک میں بکھرے، ٹوٹے ہوئے شیشوں کے نجوم جیسی تھی۔ پر اب میں نے اسے اس حالت سے نکال کر اسے حسین چہروں کے جنگل میں اطلس و دیبا کے لباس کی سرسراہٹ بناتے ہوئے اس کے تنِ مغلوج میں شکتی بھری ہے۔“

تیمور نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ”کیا وہ لڑکی کسی کی لونڈی تھی جو تو نے اُسے

آزاد کر کر رجز خواں ببل جیسا آزاد بنا دیا ہے۔
 نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا: اے آقا! اب میں اریسہ سے متعلق
 مزید کچھ نہ کہوں۔ کیوں کہ آپ اس سے متعلق اندازے لگانے شروع ہو گئے ہیں۔ بہر
 حال وہ کسی کی لونڈی نہ تھی اور نہ ہے۔“

تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے قریب پڑی چرمی تھیلی نور الدین کی گود
 میں رکھتے ہوئے کہا: ”اگر ایسا ہے تو پھر یہ لو: جو کچھ اس تھیلی میں ہے یہ اریسہ کو میری
 بیٹی جان کر اس کے حوالے کر دینا۔ اگر تمہارے مناسب وقت تک میں زندہ رہا، تو
 اریسہ کو اپنی بیٹی جان کر یہ چیزیں خود اسے پہناؤں گا اور اگر میں پہلے ہی کسی جنگ،
 کسی معرکے میں کام آگیا۔ تو پھر جب تم اریسہ سے شادی کرو یہ چیزیں اسے میری طرف
 سے پہنا دینا۔“

نور الدین نے وہ چرمی تھیلی کھول کر دیکھی اس میں چار طلائی کرے تھے۔ جن
 میں ہیرے اور جواہرات بڑے ہوئے تھے۔ کانوں نے چار آدیزے تھے جو شاید الماس
 کے تھے۔ دو طلائی ہار تھے جن میں مروارید ٹنکے تھے اور دو ہی تھومر تھے جن کے اندر
 یا قوت لگے ہوئے تھے۔

سب چیزوں کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد نور الدین نے مسکراتے ہوئے
 اور تھیلی کا منہ بند کرتے ہوئے کہا: ”آپ نے ہر چیز یوں دُہری دُہری مجھے دی ہے
 جیسے میں ڈوبو یاں کرنے والا ہوں۔“

تیمور نے سنجیدگی میں کہا: ”اے نور الدین! اریسہ کو جب میں اپنی بیٹی کہہ چکا
 ہوں تو اس کے لیے ہر چیز دُہری ہونی چاہیئے۔ سنو نور الدین! یہ چیزیں دہلی میں
 میرے ہاتھ چار چار کی صورت میں لگی تھیں۔ دو دو میں تمہیں اریسہ کے لیے دے دی
 ہیں اور دو دو میں نے اپنی بیوی سرائے خانم اور اپنی بہو یعنی شاسرخ کی بیوی کے
 لیے رکھ لی ہیں۔“

خیمے کے اندر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی رہی۔ پھر تیمور دوبارہ نور الدین

کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”اے نور الدین! تھوڑی دیر تک شاید اسقف یوحنا میرے خیمے میں آئے۔ اب تمہاری اس گفتگو کے حوالے سے میں اسے کہہ دوں گا کہ نور الدین اینجلینا کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں ہے۔ لہذا وہ اینجلینا کی شادی جہاں چاہے کر دے اور اس کے بعد میں لشکر کو یہاں سے کوچ کا حکم دے دوں گا۔“ اس لیے کہ سمرقند میں ہمارے آنے کی اطلاع پہنچ چکی ہے اور لوگ دریائے جیحون کے کنارے تک ہمارا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہوں گے۔“

نور الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ اسقف یوحنا کو ایسا جواب دے دیں۔ وہ اینجلینا کی شادی کسی بھی مناسب و بہتر شخص سے کر دیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ بلکہ میں پوری سرگرمی کے ساتھ اس کی شادی میں شرکت کر دوں گا۔“

اس کے ساتھ ہی نور الدین نیمبور کے خیمے سے نکل گیا تھا۔ اس لمحہ نیمبور کی حالت ایسی تھی جیسے وہ اپنی زندگی کی بہت بڑی جنگ ہار گیا ہو۔ شاید یہ دکھ نور الدین اور اینجلینا کے حوالے سے ہو۔



حسین اینجلینا اپنے خیمے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں رنگ برنگے پھولوں کے گلے تھے۔ اس نے دیکھا اس کا باپ یوحنا خیمے کے اندر شاید اسی کا منتظر بیٹھا ہوا تھا اینجلینا کو دیکھتے ہی یوحنا نے مایوس سی آواز میں پوچھا۔ ”تو کہاں چلی گئی تھی بیٹی!“ اینجلینا نے گہری خوشی اور مسکراہٹ میں ڈھیر کی صودت میں پھول اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے باپ! میں لشکر کی دیگر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ پڑاؤ کے اطراف سے پھول چننے چلی گئی تھی۔ اے میرے باپ! یہ وادیاں بڑی حسین اور پرکشش ہیں اور بہار کی آمد نے انہیں اور زیادہ جاذبِ نظر بنا کر رکھ دیا ہے۔ اطراف و اکناف میں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے ہریالی اور پھول ہی پھول دکھائی دیتے ہیں۔ اے میرے باپ! جی چاہتا ہے کہ ان ہی وادیوں کے اندر ہمارا کوئی گھر ہو

اور ہمیں پرہم اپنی ساری زندگی گزار دیں۔ یہاں فطرت اور اس کے عناصر اپنے عروج پر محسوس ہوتے ہیں۔

اینگلیٹن کی اس گفتگو پر یوحنا نے کوئی اثر نہ لیا اور وہ بدستور رنجیدہ و متین مغموں و ملول اور رنجیدہ و اُداس بیٹھا رہا۔ یوحنا کی اس حالت پر اینگلیٹن متفکر ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "اے میرے باپ! کیا وجہ ہے آپ دلگیر و اندوہ اور پریشان و فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کسی نے آپ کا دل دکھایا ہے کیا کسی کے ساتھ آپ کی تلخ کلامی ہوئی ہے؟"

یوحنا نے بوجھل اور بھاری سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اے میری بیٹی! کابل میں پڑاؤ کے دوران میں نے امیر تیمور سے کہا تھا کہ ماتھس کی مرگ کے بعد میں اپنی بیٹی اینگلیٹن کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں اور میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اس سلسلے میں نور الدین سے بات کریں۔ اگر وہ اینگلیٹن سے شادی پر رضامند ہو جائے تو سمرقند پہنچنے کے چند ہی دن بعد یہ شادی کر دوں گا۔

اے میری بیٹی! ابھی تھوڑی ہی دیر قبل امیر تیمور نے اسی سلسلے میں مجھے بلایا تھا اور میں وہیں سے مایوس و نامراد لوٹ رہا ہوں۔ نور الدین نے تمہارے ساتھ شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کاش میں مرچکا ہوتا۔ یا زبیر میں ہی کسی جگہ ساچکا ہوتا۔ مجھے نور الدین کے اس جواب اور رویے سے سخت مایوس ہوئی ہے۔

میں سمجھتا تھا۔ شاید وہ اب تک تمہیں معاف کر چکا ہو گا اور ماضی کی تلخیوں کو جھٹلا کر وہ تمہیں اپنانے پر رضامند ہو جائے گا۔ پر شاید میں اپنے خیالوں میں اُدھ کے تیر اور روٹی کی شمشیریں چلاتا رہا ہوں۔ شاید میری خواہشیں اور میری آرزوئیں کسی دیوانے کے ارا مانوں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھیں۔

آہ! میرے مقدرات ہی میرے لیے کفن فروش اور گور کن ثابت ہو رہے ہیں۔ میں نے نور الدین سے جس قدر اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اے اینگلیٹن! اے میری بیٹی! میری وہ ساری ہی اُمیدیں اک قطرہ خونِ جگر کی طرح بہ گئی ہیں۔"

یوحنا کی گفتگو سننے کے بعد انجیلینا نے ایک بھر پور تمقہ لگایا۔ اس پر یوحنا لے چونک کر اور غور سے کچھ ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا گویا اسے شک ہو گیا ہو کہ اس خبر پر انجیلینا کہیں پاگل تو نہیں ہو گئی لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ نہیں انجیلینا اپنے شعور اور اپنے حماس میں ہے تب اس نے مطمئن انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میری بیٹی! میں فکر مند ہوں اور تو میری پریشانی پر ہنستی اور خوش ہوتی ہے۔“ اس پر انجیلینا ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور پوچھا۔ ”اے میرے باپ! نورالدین لے اچھا کیا جو انکار کر دیا۔ اس لیے کہ جو کام کسی قاعدے اور کلیے کے مطابق نہ کیا جائے اس کے نتائج اس سے مختلف نہیں ہوا کرتے۔“ یوحنا نے اس بار غور سے انجیلینا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”اے میری بیٹی! تیرا اشارہ کس طرف ہے۔ کون سا کام قاعدے اور کلیے کے مطابق نہیں ہوا؟“

انجیلینا نے اور زیادہ سنجیدگی اور متانت میں یوحنا کو مخاطب کیا۔ ”اے میرے باپ! نورالدین کے ساتھ میری شادی کی گفتگو امیر تمیور کے ساتھ کرنے سے قبل کیا آپ لے کھوسے پوچھا۔ میرا مشورہ لیا؟“

”خجالت کے سے انداز میں یوحنا نے کہا۔ ”نہیں بیٹی!“

انجیلینا بولی۔ ”تو پھر یہی کام بے قاعدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ آپ کم از کم مجھ کو اس معاملہ میں مشورہ کرتے۔ پھر میں ہرگز اس سلسلہ میں امیر تمیور سے بات کرنے کی اجازت نہ دیتی۔ اس لیے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس موضوع پر بات کی جاسکے۔“

یوحنا نے انتہائی بے بسی کے عالم میں پوچھا۔ ”اے میری بیٹی! تو پھر وہ وقت کب آئے گا جب اس موضوع پر گفتگو کی جاسکے گی۔“

انجیلینا ایک ماہر دانشور کے سے انداز میں بولی۔ ”اے میرے باپ! کبھی آپ نے کھوسے سرسوں، زیتون یا ایسی ہی دوسری اشیاء کا تیل اور جوہر نکالتے دیکھا۔ اگر دیکھا ہے تو پھر آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ وہ جوہر کس قدر تگ و دو

محنت اور مشقت و ریاضت کے بعد وہ جوہر حاصل ہوتا ہے۔ اے میرے باپ ! میرے اور امیر نور الدین کے تعلقات بھی ان دنوں کو لھو میں پس رہے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ ان کا کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا۔ آپ نے چونکہ بے وقت بات کی ہے لہذا آپ کو مایوسی ہوئی۔ اس لیے میں آپ سے یہ کہوں گی کہ آئندہ آپ کبھی بھی میری شادی کی بات کسی سے نہ کریں۔ تاوقتیکہ میں خود آپ کو ایسا کرنے کے لیے نہ کہوں۔ ایجنینا ذرا رکی، کچھ سوچا پھر اپنے باپ یوحنا کو مخاطب کرتی ہوئی وہ پھر کہہ رہی تھی۔

’اے میرے باپ ! ساری رات انتظار کرنے کے بعد کہیں طلوعِ سحر نصیب ہوتی ہے۔ شمع خود ساری رات اپنے ہی درد میں چل کر امدوں کی راہنمائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ میرے اور نور الدین کے درمیان بھی اے میرے باپ ! شمع کا درد، رات کی تاریکیاں، رازِ سربستہ کی چھاؤں اور لمحوں کی بے ربطگی حائل ہے اور میں اسی درد کو دُور کرنے، انہی تاریکیوں کو ترک کرنے، انہی چھاؤں کو پھلنی اور انہی بے ربطگیوں کو ربط کرنے میں مصروف ہوں۔

اے میرے باپ ! کابل کے پڑاؤ کے دوران جہاں آپ نے میری اور امیر نور الدین کی شادی کی بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہاں کابل کی انہی فضاؤں کے اندر اے میرے باپ ! میں نے بھی ایک فیصلہ کیا تھا اور جو فیصلہ میں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ میں نے امیر تیمور، لشکر کے عالم دین میر سید اور ملک الاطباء مولائے تبریزی جیسا کہ میں اسلام قبول کر لیا ہے۔

اے میرے باپ ! میں اب نصرانی نہیں مسلمان ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ میری اس تبدیلیِ مذہب پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اے میرے باپ ! قسم مجھے خداوند کی میں نے نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے اور اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ میں خلوصِ دل سے اسلام قبول کر چکی ہوں، اور آپ جانتے ہیں کہ عمِ سیف الدین کی وجہ سے میں ایک مدت پہلے سے ہی اسلام کی طرف مائل رہی ہوں۔

اپنی بات ختم کر کے انجیلینا خاموشی اور توجہ سے یوحنا کی طرف دیکھنے لگی اور اس کے تاثرات کا اندازہ کرنے لگی تھی۔ جب یوحنا کے چہرے پر اسے کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہ دی تب اس نے پوچھا۔ ”اے میرے باپ! کیا آپ کو میرے اسلام بول کرنے پر تعجب اور ایک طرح کی پریشانی نہ ہوئی؟“

یوحنا نے ہلکی ہلکی اور خوشگوار سی مکلاہٹ میں کہا۔ ”پریشانی کیسی میری بچی۔ تمہارے اسلام قبول کرنے پر حیرت تو مجھے اس وقت بھی نہ ہوئی تھی جب امیر تیمور اور مولائے تبریز نے مجھے کابل میں ہی اس سے متعلق بتا دیا تھا اور پھر میں ایک عرصے سے یہ اُمید اور توقع کر رہا تھا کہ ایک روز تم ضرور اسلام قبول کر لو گی اور ایسا ہی ہوا جیسی میں اُمید لگائے ہوئے تھا۔ پھر اس پر میں کیوں پریشان اور فکر مند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں امیر سیف الدین نے جو اسلامی خطوط پر تمہاری تربیت شروع کر رکھی تھی تو ان کی تربیت ہی یہ رنگ لا کر رہی ہے۔“

انجیلینا نے آگے بڑھ کر یوحنا کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور فرط مسرت میں اس نے کہا۔ ”اے میرے باپ! آپ عظیم ہیں۔ میں آپ کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور آپ کی عظمت کو سلام کرتی ہوں۔ آج کے بعد یہ کیسی عجیب اور نئی چیز ہو گی کہ ایک ہی گھر میں باپ نصرانی اور بیٹی مسلمان ہو گی۔“

اے میرے باپ! میرے ساتھ وعدہ اور عہد کیجئے کہ آپ آج کے بعد آپ نہ تو امیر الدین اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ میری شادی کے سبیلے میں بات کریں گے۔ اے میرے باپ! اس معاملے کو میں خود ہی نٹاؤں گی اور ایسے حسن طریقے سے نٹاؤں گی کہ اس میں میری ماں کی خواہش یا رضامندی دونوں میں سے ایک ضرور پوری ہو جائے گی۔ مجھے اپنی ماں کے وہ آخری الفاظ یاد ہیں جو انہوں نے امیر نور الدین سے کہے تھے۔“

یوحنا چند ثانیوں تک حیرت و تعجب میں انجیلینا کی طرف دیکھتا رہا پھر سوچتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”اے انجیلینا! میری بیٹی! تیری ماں کی کیا خواہش اور رضامندی تھی اور اس لیے مرنے سے پہلے امیر نور الدین سے کیا گفتگو کی تھی؟“ لمحہ بھر کے لیے ماتھس کی یا میں انجیلینا

اُداس سی ہو گئی تھی۔ ہر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔ ”اے میرے باپ! جس روز دریائے جہنم کے کنارے ہمارے لشکر نے پڑاؤ کر رکھا تھا اور امیر نور الدین ہمارے خیمے میں آئے تھے اور آپ تھوڑی دیر تک اُن کے پاس بیٹھنے کے بعد ماں کے لیے طبیب سے دوا لینے چلے گئے تھے۔ اسی روز آپ کے جانے کے بعد ماں نے امیر نور الدین کو اپنے پاس بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اے نور الدین! میری دلی خواہش ہے کہ تم انجیلینا کی ماضی کی ساری زیادتوں کو فراموش کر کے اسے اپنانے کا عہد کر لو۔ میں تمہیں وعدہ دیتی ہوں کہ انجیلینا تمہیں یا دوں کی خوشبو جیسا خوش، باتوں کی لاگ جیسا پُر سکون رکھے گی۔ اس لیے کہ انجیلینا دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند کرتی ہے اور اپنی اسی محبت و چاہت کے بل بوتے پر وہ تمہاری زندگی کو لذتوں سے شہر ابور کر کے تمہارے دل کے نہاں خانوں میں اطمینان و سکون کے شیش محل کھڑے کر کے رکھ دے گی۔

اے نور الدین! اگر تم انجیلینا سے شادی نہ کرنا چاہو تب بھی تم اسے اپنے ہاں بیوی کی حیثیت سے نہیں تو ایک لونڈی اور خادمہ کی حیثیت سے ہی رکھ لینا۔ اے نور الدین! میرے عزیز! انجیلینا کی اگر کہیں اور شادی کرنے کی کوشش کی گئی تو میں جانتی ہوں یہ منہ زور خود کشی کر لے گی اور یہ بات اس کا باپ یوحنا بھی جانتا ہے۔ پس اے نور الدین! انجیلینا رکھی اور کے گھر جانے کے بجائے تمہارے ہاں خادمہ کی حیثیت سے زیادہ خوش رہے گی۔“

انجیلینا ذرا رُک کر بولی۔ ”اے میرے باپ! یہ میں نہ الفاظ جو میری ماں نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں امیر نور الدین سے کہے تھے۔ اے میرے باپ! آپ کہیں بھی میری شادی کی بات کرنے کا خیال ترک کر دیں۔ اگر میں اپنی تلک و دو میں کامیاب ہو گئی کہ امیر نور الدین مجھے اپنالیں تو اس طرح میری ماں کی خواہش کی تکمیل ہو جائے گی اور اگر میں ایسا کرنے میں ناکام رہی تو پھر میں ایک خادمہ ایک زرخیز لونڈی کی حیثیت سے امیر نور الدین کے ہاں کام شروع کر دوں گی اور میرے ایسا کرنے میں یقیناً میری ماں کی رضا مندی شامل تھی۔

یو خابے چارہ جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکا اور خاموش ہو رہا۔ اینجلینا نے اس کے سامنے پڑے ہوئے پھول اٹھالیے اور جب وہ خیمے سے باہر نکلنے لگی تو یوحنا نے پوچھا۔ ”اب تم کہاں جا رہی ہو بیٹی؟“

اینجلینا نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ ”اے میرے باپ! میں امیر نور الدین کے پاس جا رہی ہوں اور ان سے آپ کے اس رویے کی معذرت کروں گی جو میری شادی کے سلسلے میں آپ لے امیر تمہارے بات کی۔“ یوحنا جواب میں کچھ کہہ نہ سکا اور اینجلینا خیمے سے نکل گئی تھی۔



اینجلینا، نور الدین کے خیمے کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ اندر نور الدین اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے پر رکتے ہوئے اینجلینا نے پوچھا۔ ”اے امیر! کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“ نور الدین نے غور سے اینجلینا کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ”اندر آنے کے لیے تمہیں اجازت لینا کی ضرورت نہیں ہے۔“ اینجلینا اندر داخل ہوئی۔ سارے پھول اس نے ایک ڈھیر کی صورت میں لکھ دیے اور دوبارہ گول اور شکووں سے بھر پور آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! کیا میں یہاں بیٹھ بھی سکتی ہوں؟“

نور الدین نے تعجب اور نئے پن سے اینجلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے اینجلینا! یہاں بیٹھنے کے لیے بھی تمہیں میری اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اینجلینا وہاں نور الدین کے سامنے بیٹھ گئی اور قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتی نور الدین نے کہا۔ ”اے بنتِ یوحنا! تم نے خیمے میں داخل ہونے اور پھر یہاں بیٹھنے کے لیے پہلے کبھی ان اجنبیوں کی طرح اجازت تو نہ لی تھی۔ کیا آج اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔“

اینجلینا نے اس پر ٹوٹتی آواز اور شکستہ اور بکھرے بکھرے انداز میں کہا۔ ”اے امیر! یہاں ہر کوئی ایک دوسرے کے لیے اجنبی و نا آشنا ہے۔ انسان کے مقدرات میں کبھی ایسے لمحات بھی آ جاتے ہیں جب اپنے بھی شناسائی اور پہچان تک فراموش کر جاتے ہیں۔ اے امیر! میں آپ کا زیادہ وقت برباد نہ کروں گی۔ میں درہل اپنے باپ کے

رویتے پر آپ سے معذرت طلب کرنے آئی تھی۔

نور الدین نے پریشانی میں چونکتے ہوئے پوچھا۔ ”اے انجیلینا! تمہارے باپ نے کیا کیلئے جس کے لیے تم مجھ سے معذرت طلب کرنے آئی ہو۔“

اس موقع پر انجیلینا کی گردن جھک گئی اور دکھ سے لبریز آواز میں اس نے کہا ”اے امیر! میرے باپ نے امیر تیمور سے میری اور آپ کی شادی کی بات کی تھی جس پر آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اے امیر! میں ایسی زحمت کی معذرت طلب کرنے آئی ہوں۔ اے امیر! بخدا! ایسی گفتگو کرنے سے قبل میرے باپ نے مجھ سے مشورہ نہیں کیا۔ اگر وہ مجھ سے پوچھتے تو قسم خداوند کی میں ہرگز انہیں امیر تیمور کے ساتھ اپنے اور آپ سے متعلق رشتے کی گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیتی۔ اے امیر! میں بس اسی کی معذرت طلب کرنے آئی ہوں۔ میں کسی کی نگاہ میں گری ہوئی اور حقیر نہیں بننا چاہتی۔ امید ہے کہ آپ میرے باپ کے اس رویے کو درگزر کر کے فراموش کر دیں گے۔“

نور الدین نے بڑی نرم آواز اور ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ”اے انجیلینا! میں نے قطعاً محترم یوحنا کے اس رویے کو ناپسند نہیں کیا۔ اس لیے تمہیں اس پر معذرت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا میرا تمہارے ساتھ شادی کرنے سے انکار تو اس کے لیے میں یہ کہوں گا کہ میں ایک پست پرواز انسان ہوں۔ میں ان لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا جو بلند پروازی کے پرودہ ہوں۔ اے انجیلینا! میں ایک غلام تھا۔ سو میں نے اپنے لیے ایک ایسی ہی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے جو ایک پست پرواز رکھنے والے غلام کے لیے مناسب ہو سکتی ہے۔“

دکھ اور غم میں انجیلینا کی گردن جھک گئی تھی۔ پھر اس نے روتی اور بین کرتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا آپ اپنی اس گفتگو سے مجھے حدت بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ غلام کے اس لفظ پر میں آپ سے معذرت بھی کر چکی ہوں اور آپ مجھے معاف بھی کر چکے ہیں۔“

نور الدین نے فوراً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے غلط اندازہ لگایا ہے انجیلینا! میرا مطلب تمہاری دل شکنی نہ تھا۔ بخدا! میں ایسا حقیقت کا اظہار کرنے کے لیے کیلئے“

اینجینینا پھر بولی - "چلو حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی پھر بھی میں آپ کی اس منطق کو قبول نہیں کرتی۔"

اے امیر! آپ نے کبھی شاہین کو شکار کرتے دیکھا ہے۔ جب وہ ہندی کی سمت شکار دیکھتا ہے تو تیر کی طرح پستی سے ہندی کی طرف لپکتا ہے اور جب وہ پستی کی طرف اپنا شکار دیکھتا ہے تو آندھی کے سے انداز میں وہ ہندی سے پستی کی طرف آتے ہے۔ اے امیر! آپ اگر کبھی پستی میں تھے بھی تو اپنے کارناموں کی بدولت اب جو رفعت خداوند کی طرف سے عطا ہوئی تو کیا اس پر دہلی سے دجلہ تک اور کابل سے سمرقند تک لوگ رشک نہیں کرتے۔ اے امیر! میرا مطلب اپنی صفائی پیش کرنا اور آپ کی گفتگو پر طنز کرنا نہیں بلکہ حقیقت پھر بھی حقیقت ہے اور اس کا اظہار ضرور کرنا چاہیے۔

اینجینینا کی اس گفتگو پر نور الدین چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر وہ دوبارہ بولا۔ اے بنتِ یوحنا! میں تمہیں اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ انکشاف مجھ پر امیر تیمور نے کیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک تم میرے خیمے میں نہ آتی تو میں خود تمہارے خیمے میں آکر اس پر تمہیں مبارک باد دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اب تم بنتِ یوحنا کے علاوہ بنتِ سمرقند اور بنتِ اسلام بھی ہو۔

اے اینجینینا! میری نگاہوں میں اب تمہارا قد بہت اونچا اور تمہاری قد و منزلت پہلے سے کئی گنا زیادہ و بلند ہو کر رہ گئی ہے۔

اینجینینا چند ثانیوں تک رکنے کے بعد دوبارہ کہہ رہی تھی۔ اے امیر! آپ اگر کل غلام تھے تو آج ان گنت لوگوں کے امیر بھی ہیں۔ اے امیر! اگر میں بے بس و لاچار لوکی ماضی میں آپ کو غلام ابن غلام کہنے کی گندگار ہوئی تھی اور آج میں ہی آپ کو امیر کہہ کر مخاطب کر رہی ہوں۔

اے امیر! آج اگر میں حالات و وقت کے ہاتھوں اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کے باعث لاچار اور مجبور ہوں تو کل کو میری یہ لاجارگی اور مجبوری ختم بھی ہو سکتی ہے۔ آج اگر میں ساگر کی تہ نہی ہوئی ہوں تو کل کو میں اکبر کہ ساگر کی سطح پر بھی نمودار ہو سکتی

اس لیے کہ انجام بے رحم راستے کہیں نہ کہیں جا کر تو کسی بڑی شاہراہ سے ہم کنار ہو ہی جاتے ہیں۔

اے امیر! یہ زندگی پانی کے بہاؤ کی مانند ہے جس کے اندر کہیں لہریں اٹھتی ہیں، کہیں منجدھار پیدا ہوتے ہیں اور کہیں بہہ یہ بہاؤ پُرسکون ہوتا ہے۔ اے امیر! انسانی زندگی بھی اس بہاؤ جیسی ہی ہے۔ لہذا اس کے اندر رفعت و پستی، نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری ہے۔

اینجیلینا کے خاموش ہونے پر نور الدین نے کہا: ”اے انجیلینا! تم تو اپنی باتوں اور اپنی گفتگو میں فلسفہ بھرنے لگی ہو۔“

اینجیلینا نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں جواب دیا: ”اے امیر! وقت اور حالات انسان کو سب کچھ ہی بنا دیتے ہیں۔ یا یہ کہیے کہ بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لہذا میں وقت اور حالات کے تابع ہوں اور کائنات کے یہ دونوں مجھ پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ نور الدین نے اس بار بات کا رخ بدلا اور پوچھا: ”اور یہ پھولوں کے ڈھیر مجھے کس خوشی میں پیش کیے گئے ہیں۔“

اینجیلینا نے فوراً صفائی پیش کر دی۔ ”اے امیر! آپ پریشان نہ ہوں، یہ پھول آپ کو کوئی مطلب نکالنے کے لیے نہیں پیش کیے گئے بلکہ میں شکر کی دیگر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ اپنے پڑاؤ کے اطراف کی مادیوں میں گئی تھی اور وہیں سے یہ پھول چٹ کر لائی تھی اور پھر۔۔۔۔۔۔“

اینجیلینا کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیوں کہ شکر کے اندر کوچ کے نقارے بجنے لگے تھے۔ انجیلینا فوراً کھڑی ہو گئی اور کہا: ”میں اب جاتی ہوں کیوں کہ لشکر اب کوچ کرنے والا ہے۔“ پھر نور الدین کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ وہاں سے چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد لشکر وہاں سے سمرقند کی طرف کوچ کر رہا تھا۔



موسم بہار اپنے عروج پر تھا جب ہندوستان کو زیر کرنے کے بعد تیمور اپنے لشکر

کے ساتھ سمرقند پہنچا۔ لوگوں نے دریائے جیحون کے کنارے تک آکر لشکر کا استقبال کیا تھا اور ان کا استقبال کرنے والوں میں مقامی امراء و رؤسا، باہرے آئے ہوئے سوداگر و رؤسا بھی شامل تھے۔

مرد و عورتوں کا ایک جم غفیر تھا جو استقبال کے لیے دریائے جیحون کے کنارے جمع ہو گیا تھا اور ان استقبال کرنے والوں میں ملکہ سرائے خانم اور شہزاد محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل کی ماں خانزادہ بھی شامل تھی۔

خانزادہ اپنے بیٹوں میں سے چونکہ خلیل کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ اس لیے وہ اس چکر میں تھی کہ امیر تیمور شہزادہ خلیل کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ پر ایسا ہوتا اُسے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

ملکہ سرائے خانم اور خانزادہ کی طرف سے امیر تیمور، شہزادہ محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل پر موتی بچھا د کرنے کے علاوہ حسب معمول سونے کا بڑا بھی بھینکا گیا۔ ملکہ سرائے خانم جب امیر تیمور کے نزدیک آئی تو تیمور نے رازداری کے ساتھ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ”اپنے قاصد کے ہاتھ تمہارا خط مجھے ہندوستان کی سرزمین میں مل گیا تھا اور بقول تمہارے اگر شاری ملک واقعی خلیل کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو پھر میں اسے معاف کرتا ہوں۔ ورنہ قسم خداوند کی میں نے پختہ عزم کر لیا تھا کہ اسے قتل کر کے ہی چھوڑوں گا۔ بہر حال اب وہ عزم میں رہ سکتی ہے۔

ملکہ سرائے خانم نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”سمرقند کے اندر آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے ولی عہد سے متعلق بھی چرمیگوئیاں ہوتی رہی ہیں۔ کیا میں جان سکوں گی کہ آپ کسے اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ کیوں کہ خانزادہ خلیل کے لیے بھی ولی عہد کی امیدوار ہے۔“

امیر تیمور کے ہونٹوں پر اس لمحہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔ ”گو ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ میرا ولی عہد کون ہوگا لیکن یہ امر طے شدہ ہے کہ یہ مقام کسی بھی صورت خلیل حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسا اس وقت بھی ناممکن ہوتا اگر میرا کوئی بیٹا اور

پوتا ہی نہ ہوتا

ملکہ سرہنے خانم چونکہ خود اپنے بیٹے شہزادہ شاہ رخ کے لیے دلی عہد کی امید دار تھی لہذا امیر تیمور کے اس جواب پر وہ مطمئن اور خاموش ہو گئی تھی اور لشکر استقبال کرنے والوں کے ہجوم میں سمرقند شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

یہ آٹھواں موقع تھا کہ امیر تیمور ایک فاتح کی حیثیت سے سمرقند میں داخل ہوا تھا۔ اور اس بار اس کے ساتھ چونکہ ہندوستان سے حاصل کیے ہوئے ہاتھی بھی تھے لہذا سمرقند کے لوگ حیرت و تعجب کے ساتھ ان کوہ پیکر حوانوں کو دیکھ رہے تھے جن کے جسم پر طرح طرح کے رنگ ملے ہوئے تھے اور جھومتے جھامتے آگے بڑھ رہے تھے۔

ہندوستان سے امیر تیمور اپنے ساتھ چونکہ دہلی کی جامع مسجد کا نقشہ اور دو موزمار اور صنایع بھی اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ لہذا سمرقند میں داخل ہونے کے بعد ہی روز بعد اس نے سمرقند میں جامع مسجد دہلی جیسی ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔





ہندوستان سے واپسی کے بعد گو تیمور بظاہر سمرقند کی جامع مسجد کی تعمیر میں مصروف دکھائی دیتا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ بے پناہ جنگی تیاریوں میں مصروف تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے لشکر کو آرام کا موقع بھی فراہم کر رہا تھا۔

در اصل اب وہ ترکی کے بادشاہ بایزید یلدرم کو اپنے سامنے زیر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ تین قوتوں کو اپنے سامنے سرنگول کرنا چاہتا۔ ایک ترکی کا سلطان بایزید یلدرم دوسرا مصر کا سلطان برقوق اور تیسرا بغداد کا سلطان احمد اور وہ اس بنا پر کہ تیمور نے بغداد فتح کر کے اس پر اپنا حاکم مقرر کیا تھا لیکن اس کے بغداد سے جانے کے بعد بایزید یلدرم اور سلطان برقوق کی شہ پر بغداد کا سلطان احمد جو تیمور کے حملے سے پہلے بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، بغداد پر حملہ آور ہوا۔ تیمور کے حاکم کا اس نے خاتمہ کر دیا اور بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سلطان بغداد کی حیثیت سے پھر سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

بایزید کے خلاف تیمور کے دل میں نفرت پیدا ہونے کی دوسری اور بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تیمور کے کچھ سردار اس کی خشک مزاجی، تنگ دلی اور ظلم و ستم سے تنگ آکر اس کے ہاں سے بھاگ گئے اور بایزید یلدرم کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ تیمور نے بایزید سے اپنے ان سرداروں کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن بایزید نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا تب

تیمور نے بایزید کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا اور اسے یقین تھا کہ بایزید کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد مصر کے سلطان برقوق اور بغداد کے سلطان احمد کو مار بھگا ناس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

تیمور اور بایزید میں کوئی بھی قدر مشترک نہ تھی۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد تیمور نے مسلم علاقوں کو ہی روند کر ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی پوری زندگی میں اس نے اسلام دشمن قوتوں کے خلاف کوئی معرکہ نہ کیا تھا۔ وہ مذہب و ملت کی فلاح کو یک سر فراموش کر کے صرف اپنی سلطنت وسیع کرنے میں لگا رہا تھا۔

○

بایزید یلدرم کی حالت تیمور سے مکمل طور پر مختلف تھی۔ اپنے باپ مراد کی مرگ کے بعد بایزید ترکی کا حکمران بنا اور اس سال اس نے یورپ کو اپنا حملہ بنایا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ سرویا پر حملہ آور ہوا۔

سرویا کا بادشاہ لازار اور اس کا بیٹا اسٹیفن دونوں ہی اس حملے کی تاب نہ لاسکے۔ بایزید طوفانی انداز میں سرویا کے اندرونی حصوں میں گھسنا چلا گیا تھا۔ اس نے سرویا کی چاندی کی کانوں پر قبضہ کر لیا جو یورپ کی بہت بڑی اور قیمتی کانیں سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ بایزید نے یورپ میں اسکے مقام پر ایک ترکی نو آبادی بھی قائم کر کے رکھ دی تھی یہاں تک کہ بایزید یلغار کرتا ویدیں تک جا پہنچا تھا۔

سرویا کے بادشاہ لازار اور اس کے بیٹے اسٹیفن نے جب دیکھا کہ بایزید سے مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے تو انہوں نے بایزید سے صلح کی درخواست کی اور

۱۷ اس کا موجود نام اسکو بلچ ہے اور یہ بلغراد سے دو سو میل کے فاصلے پر دریائے دروار کے کنارے واقع ہے۔

۱۸ آج کل یہ شہر شمال مغربی بلغاریہ میں دریائے ڈینیوب کے کنارے یوگوسلاویہ کی سرحد پر واقع ہے۔

لازار کے بیٹے اسٹیفن نے خود بائزید کی خدمت میں پیش ہو کر نہ صرف صلح کی درخواست کی بلکہ اس نے اپنی خوب صورت اور حسین ترین بہن ڈیسیپنا کو بھی بائزید کے عقد میں دینے کی پیش کش کی۔

اس طرح بائزید اور سرویا کے بادشاہ لازار کے درمیان صلح ہو گئی جس کے نتیجے میں سرویا کی شہزادی ڈیسیپنا کی شادی بائزید سے کر دی گئی۔ اس کے علاوہ لازار اور اسٹیفن نے چاندی کی کانوں کی آمدنی کا ایک حصہ ہر سال بائزید کو خراج کے طور پر دینا بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح بائزید کی یورپ کے اندر ایک حکمران کی حیثیت سے پہلی کامیاب اور نفع بخش یلغار تھی۔

سرویا کے اندر کامیاب یلغار کے بعد یورپ میں دریائے ڈینیوب کے کنارے ولاچیہ کے شہزادے مارچ نے بائزید کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بائزید کو جب مارچ کے ارادوں کی خبر ہوئی تو وہ قدرت کی غضب ناک انگڑائی اور صحرائی گہری پیاس کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ ولاچیہ کی طرف بڑھا۔ اس نے ولاچیہ کو زیر کر کے رکھ دیا اور شہزادہ مارچ کو اپنے سامنے سر جھکانے اور اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مارچ کی اس ہم سے بائزید ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ ایشیا میں کریمیا کے شہزادے نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اب بائزید کا رخ یورپ سے ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ وہ آدھی اور طوفان کی طرح ایشائے کوچک کی طرف بڑھا اور اپنے دشمنوں اور باغیوں کو اس نے خس و خاشاک کی طرح اڑا کر رکھ دیا۔ اب وہ ایشائے وسیع علاقوں کے علاوہ باسفورس سے ڈینیوب تک کے علاقوں کا حکمران تھا۔

عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ جس کی حالت گواہک کٹھ پتلی ہی کی سی تھی لیکن وہ مصر میں قاہرہ کے اندر موجود تھا اور اب بھی روحانی اقتدار کا مالک تھا۔ اسی خلیفہ نے نہ صرف بائزید کی ان فتوحات کو سراہا بلکہ بائزید کو سلطان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ عثمانی ترکوں کے اندر بائزید پہلا حکمران تھا جسے یہ اعزاز حاصل ہوا۔

سلطان بائزید یلدرم کی ان فتوحات سے پورا یورپ جھل اٹھا اور انہیں ایسا ہوا گیا تھا کہ اگر پورپ کے اندر سلطان بائزید یلدرم کی یلغار کو روکا نہ گیا تو پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ سارا یورپ ایک لاش کی طرح سلطان کے سامنے پڑا ہوگا اس لیے جب سلطان بائزید یلدرم نے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ مینوئل کو مجبور کر کے نہ صرف قسطنطنیہ میں ایک مسجد کی تعمیر کا اہتمام کرایا اور اس مسجد سے متصل ایک اسلامی درس گاہ کی تعمیر ہوئی اور کٹر عیسائیت کے دامن میں اس جگہ کو مسلمانوں کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ اس علاقے میں جو مسلمانوں کا علاقہ کہلانے لگا تھا۔ ایک مسلمان قاضی کا تقرر بھی عمل میں آیا تاکہ اس علاقے میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو سکے۔ یہ ساری خبریں جب یورپ پہنچیں تو یورپ کے حکمرانوں اور پارلیمنٹ سلطان بائزید یلدرم کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ ہنگری کا بادشاہ سمبمند ایک درخواست لے کر پاپائے اعظم قبیس نہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے التجا کی کہ وہ یورپ میں سلطان بائزید یلدرم کے خلاف صلیبی جہاد کا اعلان کرے۔ پس پاپائے اعظم قبیس نہم نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اور تمام یورپی حکمرانوں سے اس نے مطالبہ کیا کہ اس صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لیے وہ اپنے لشکر روانہ کریں۔

پس پاپائے اعظم قبیس نہم کے اس مطالبے پر فرانس نے اپنا ایک ہزار لشکر اپنے عظیم سپہ سالار نیورکی کمانداری میں روانہ کیا اور اس لشکر میں شہنشاہ فرانس کے تین بھتیجے بھی شامل تھے۔

ان کے علاوہ اڑٹائس کافلیپ، کاؤنٹ آف یو، کانسٹیبل آف فرانس اور بہت سے دیگر فرانسیسی سورا شامل تھے۔ دوسرا لشکر مارچ کے کاؤنٹ نے تیار کیا۔ تیسرا لشکر یروشلم کے ناٹ آف سینٹ جان ہسپتال تھا، چوتھا لشکر بواریوں

پر مبنی تھا اور ان کا سپہ سالار الیکٹر پلٹائن تھا۔ پانچواں لشکر دلاجی کے سوراوس نے تیار کیا۔ چھٹا لشکر بلغاریوں نے تیار کیا اور اس لشکر کا سالار عظیم بلغاریہ کا ایک بے مثل جنگ جوسیمان تھا۔

پس یہ متحدہ لشکر جس کی تعداد کا کوئی اندازہ ہی نہ کیا جاسکتا تھا۔ سلطان بایزید یدرم کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ سرویا کے بادشاہ لازار اور اس کے بیٹے اسٹیفن نے چونکہ سلطان بایزید یدرم سے صلح کا عہد کر لیا تھا اور سرویا کے بادشاہ نے اپنی بیٹی ڈیپنا سلطان کے عہد میں دے رکھی تھی لہذا اس متحدہ لشکر نے اپنے انتقام کی آگ بجھاتے ہوئے سب سے پہلے سرویا ہی کو پامال کیا۔ سرویا کا بادشاہ کمیس رڈ پوٹش ہو گیا اور اپنے بیٹے اسٹیفن کو اس نے سرویا کا بادشاہ بنا دیا۔ اس متحدہ لشکر کی بلغاریہ کے سامنے اسٹیفن بھی اپنے ٹھٹھی بھر جان نثاروں کے ساتھ گنام کو ہتانی سلسلوں میں جا چھپا تھا۔

اس متحدہ لشکر نے سرویا کو خوب روندنے کے بعد ویدین اور اسوا کے مقام پر ترکی کی جو نو آبادیاں اور فوجی قلعہ جات تھے ان کا رخ کیا۔ ایک منہ زور سیلاب کی طرح صلیبی لشکر ان دونوں نو آبادیوں پر حملہ آور ہوا اور وہاں جس قدر ترک تھے انہیں انہوں نے قیدی بنا لیا۔

ان فوجی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد عین نائکو پولس شہر کے سامنے یورپ کے اندر ترکوں کے ڈوہڑے قلعوں سسٹورا اور سلستر یا کی طرف بڑھے۔ نائکو پولس پر بھی چونکہ ترکوں کا قبضہ تھا لہذا ان تینوں قلعوں کا اس صلیبی لشکر نے محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں کو اُمید تھی کہ ترکوں کے ان تینوں قلعوں کو وقت ضائع بغیر فتح کر لیں گے لیکن لیکن ان قلعوں کے اندر عرصہ ترک جنگجوؤں نے کمال جرات مندی کا مظاہرہ کیا اور سیلاب جیسے اس لشکر کو انہوں نے روکے رکھا اور قلعے فتح کرنے نہ دیے۔ ساتھ ہی

۱۰ ان سارے لشکروں کی تصدیق اسٹینلے لین پول جیسا جانبدار عیسائی مورخ بھی کرتا ہے۔

انہوں نے سلطان بایزید یلدرم کو بھی ان تکلیف دہ حالات کی خبر کر دی تھی۔
 صلیبی سپہ سالار بھی جان گئے تھے کہ ان قلعوں کے ترک محافظ اس وقت انہیں
 اُبھانے کا ارادہ رکھتے ہیں جب تک سلطان بایزید اپنے لشکر کے ساتھ ان کی مدد
 کو نہ پہنچ جائے۔

صلیبی سالار سلطان بایزید یلدرم کے اس طرف آنے کو مضحکہ خیز قرار دینے
 لگے اور ڈھینگیں مارتے ہوئے وہ یہ تک بھی کہنے لگے کہ نائگو پولس کی طرف آنا تو بہت دُور
 کی بات ہے۔ سلطان بایزید یلدرم یورپ کے متحدہ لشکر کے آنے کی اطلاع پا کر
 درہ دانیال کو ہی عبور کرنے کی ہر آیت ذکر کرے گا۔ اور صلیبی سالار ایسی ڈینگیں مارنے
 میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ ان کے متحدہ لشکر میں پورے یورپ کی بہترین عسکری
 قوت جمع ہو گئی تھی اور کوئی عام سالار اس لشکر کا مقابلہ کرنا تو دُور کی بات اس کا سامنا
 کرنے سے بھی ہر صورت میں گریز ہی کرتا۔

اپنے اسی زعم میں صلیبی لشکری خوب شراب پی پی کر عورتوں اور لڑکیوں کے
 ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے۔ جنہیں وہ یورپ سے بحری جہانوں میں
 بھر کر دریائے ڈینیوب تک لائے تھے۔ اپنے اپنے شراب کے جام بھرتے ہوئے
 اور دوا عیش دیتے ہوئے صلیبی لشکری اور سالار نعرہ مارنے کے انداز میں فخر و تکبر کے
 ساتھ کہتے کہ ان کے لشکر کی قوت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر ان پر آسمان بھی گر جائے
 تو وہ اُسے اپنے نیزوں کی انیوں پر روک سکتے ہیں اور یہ کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت
 بایزید کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ انہوں نے ترکوں کے قلعوں نائگو پولس بسسٹوا

۱۔ ناخود از سلاطین ترکیہ۔

۲۔ صلیبیوں کی ڈھینگوں اور عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت اور بدکاریوں کا ذکر اسٹینلے

لین پول تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔

۳۔ بقول لین پول یہ الفاظ ہنگری کے بادشاہ جیمز کے کہے تھے۔

اور سسٹریا کا محاصرہ بڑی آرام طلبی سے کر رکھا تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ ان شہروں اور قلعوں نے ایک روز ان کے آگے تسخیر ہونا ہی ہے۔

یورپ کے اس متحدہ لشکر اور اس کے سالاروں کو یقین ہو چکا تھا کہ سلطان بایزید یلدرم کسی بھی صلیبی لشکر کا سامنا کرنے کے لیے ورہ وانیال کو عبور نہ کرے گا اور جب تھوڑی دیر کے بعد صلیبی لشکر کے مخبر یہ خبر لائے کہ چھ گھنٹوں کے بعد سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ جلتے صحرا اور درو کی تحریروں کی طرح یلغار کرتا ہوا نائکو پولس پہنچ جائے گا تو عیش و عشرت اور خوش فہمیوں میں مشغول صلیبی سپاہ نے انتہائی نفرت و حقارت سے تہمتے لگاتے ہوئے کہا۔ کہ اس خبر میں کوئی سچائی ہو ہی نہیں سکتی اور مارشل یوسی کالٹ نے تو دھمکی آمیز انداز میں یہ تک کہہ دیا کہ اگر اس قسم کی غلط افواہیں پھیلائی گئیں تو ایسی خبریں لانے والے مخبروں کے کان کاٹ دیئے جائیں گے۔

یورپی اور صلیبی سپاہ ابھی انہی تخمینوں اور خوش فہمیوں میں مصروف تھی، کہ سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ وقار و استقامت، ساحلوں کے پاس باں آفاق آشنائیت اور آندھی کے ویران کر دینے والے جھکڑوں کی طرح ان کے سامنے نمودار ہوا۔

سلطان کی اس اچانک آمد پر صلیبی تھوڑی دیر کے لیے بدحواس ہوئے لیکن جلد ہی وہ سنبھل گئے اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ صلیبیوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جس قدر ترکوں کو انہوں نے ویدین اور اسوا کے قلعوں پر قبضہ کر کے قیدی بنایا تھا سب سے پہلے ان ترک قیدیوں کو انہوں نے سلطان بایزید کے سامنے قتل کر دیا۔

اس موقع پر سلطان نے بلند آواز میں ایک طرح سے عہد کرتے ہوئے کہا 'اے صلیبیو! واللہ! تم میرے انتقام سے بچ نہ سکو گے۔ تمہیں ان شہید ترکوں کے خون کا حساب دینا ہو گا۔ قسم خداوند کی! میں تمہیں اس سے بھی بدترین

اور ہولناک انداز میں قتل کروں گا۔

ترک قیدیوں کو قتل کرنے کے بعد دیوانگی اور جنون کی حالت میں صلیبی لشکر نے سلطان بایزید کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ چاروں طرف ماتم سرائے دہر اور جنگ کا طوفان خیز شور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سلطان بایزید کے لشکر کے اگلے حصے پر جب صلیبی لشکر حملہ آور ہوا تو سلطان کے لشکر کا یہ حصہ اپنے دائیں اور بائیں جانب پیچھے ہٹ گیا۔ لشکر کے اس حصے کے پیچھے بنی چری تھے۔ صلیبی جب بنی چریوں پر حملہ آور ہوئے تو بنی چری بھی دائیں بائیں چھٹتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ اب صلیبی لشکر کے سامنے سلطان بایزید یلیم کے لشکر کا وہ حصہ تھا جسے سپاہی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا اور اس لشکر کے اندر خود سلطان بایزید بھی موجود تھا۔ وہ اپنے توانا گھوڑے پر چاک و چونداور پرسکون اس شاہین کی طرح بیٹھا ہوا تھا جو اپنے شکار کا منتظر ہو۔

سلطان بایزید کے لشکر کے اگلے دو حصوں کے پیچھے ہٹنے پر صلیبی ہی سمجھے کہ انہوں نے اپنے بھرپور حملوں سے سلطان کے ان حصوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

اسی زعم میں جب صلیبی سلطان کے اس لشکر پر حملہ آور ہوئے جو سپاہی کہلاتا تھا اور جس کے اندر سلطان بذات خود موجود تھا۔ پوری قوت کے ساتھ صلیبی اس حصے پر حملہ آور ہوئے لیکن اس وقت ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہ اس اس لشکر کو ٹس سے مس نہ کر سکے تھے اور سلطان ان کے سامنے ایسے انداز میں اپنے گھوڑے پر بیٹھا تھا جیسے کوئی زہراک سانپ ڈس لینے کا عزم کر چکا ہو۔ جیسے تینڈا شکار پر جت لگانے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ جیسے کوئی شاہین پرواز کے لیے پر کھول چکا ہو۔

پھر سلطان نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور پھر مسلمان لشکریوں کی اللہ اکبر کی آواز سے پوری رزم گاہ گونج اٹھی تھی۔ بالکل ایسے انداز میں جیسے قیامت بدوش

سوچوں کا زہر فضاؤں میں گھل گیا ہو۔ جیسے نقابہ نقیب کی صداقت تکبیر کے تندہ پنچوں میں نوائے سرودش کی طرح بلند ہو گئی ہو۔ تکبیر کی یہ صلائیوں اطراف و کثافات میں بکھری تھیں جیسے ابر لوٹ کر برسا ہو، جیسے سلگتی ریت کے سمندر وقت کا ہولناک سمندر نکل کر رہ گیا ہو۔

ان تکبیروں کے سائے میں سلطان بایزید پلدرم نے حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا اور اس حملے میں سلطان خود اپنے اس لشکر کی راہنمائی کر رہا تھا جسے سپاہی کہہ کر پکارا جاتا تھا اور یہ حملہ کوئی عام ساحلہ نہ تھا۔ ترک اپنے سلطان کے ہمراہ اللہ اکبر کی رجز خوانی کرتے ہوئے ایسے انداز میں صلیبیوں پر حملہ آور ہوئے تھے جیسے آندھی کے مہیب جھکڑوں، سیال کی صورت بھلیوں کی کڑک اور طوفانوں کے زور نے اچانک کسی کو آدو چا ہوا اور صاعقہ بدوش ترک سنگین حصار کا روپ دھار کر کہربائی کشش کی طرح جلوہ در جلوہ، سنگ در سنگ دھیرے دھیرے چپکے چپکے لاوے، شعلے اور شرارے کی طرح صلیبی لشکر کے اندر تک گھسنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ ایسا شوریدہ مزاج، اعصاب شکن، طغیانی و جرات سے لبریز اور تشدد و تباہ کاری سے بھرپور حملہ تھا کہ یورپ کے اس صلیبی لشکر کو اپنے سارے جو رستم کو بھول کر سخت رسوائی کی طرح ایک ٹیلے کے اوپر اور اس کے اطراف میں پناہ کی خاطر جمع ہونا پڑ گیا تھا۔

اس ٹیلے پر چڑھ کر جب صلیبیوں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا تو انہیں انتہا درجہ کی حیرت و مایوسی ہوئی۔ سلطان کے لشکر کا پہلا اور دوسرا حصہ جو بنی چہریوں پر شتمن تھا اور جسے اپنے زعم میں صلیبی دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے سلطان کے خاص لشکر تک پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہٹنے والے سلطان کے یہ عسا کہ بھی اب نیزوں کے جنگل کی صورت اختیار کیے پوری خود دشنامی و خود آگہی کے ساتھ بیکراں طلسم، راز مشیت، منزلوں کی بشارت اور روشنی کے سفر کی طرح اب ان پر حملہ آور ہوا ہونے کو آگے بڑھ رہے تھے۔ سلطان کے صرف ایک اللہ اکبر کے نعرے کے جواب میں ترکوں نے چاروں طرف سے صلیبیوں پر حملہ کر دیا تھا۔

ترکوں کے جگر جگر کرتے نیزے، تخت تخت کرتی تلواریں، رگوں میں خوف کا رقص اور ذہن میں نسیان کا سرد سمندر طاری کرنے لگی تھیں۔ ترک ایسے زخم لگا رہے تھے جن کا کوئی چارہ گر ہی نہ تھا۔ وہ غذا بناک لمحوں کی طرح لمحہ بہ لمحہ شجاعت اور قدم بہ قدم ہزات مندی کی داستانوں کو عروج عطا کرتے جا رہے تھے۔ اپنے کرنوں کے ہجوم اور سرفرازی کے رقص جیسے حملوں میں ترکوں نے اپنے یونانیوں کے اوج و عروج، فرانسیسیوں کے کسے جاہ و جلال، بلقانیوں کی عظمت، بلغاریہنیوں کی یورش، گھسٹاریوں کے فقا اسٹاروں کی استقامت، ہنگریوں کی عزت، بوریوں کی بیباکی اور دلاچوں کی ہزات کو بد نعتی اور خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔

اپنے معجزہ کار حملوں سے رزم گاہ کے اندر ترکوں نے اہل یورپ کی حالت خزاں کی شام، پتے گراتی ننگی ٹہنیوں اور ساحلوں سے پسا ہوتی لہروں جیسی کر کے رکھ دی تھی۔ صلیبیوں نے یہ بھی دیکھا کہ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

نانٹمپو پولس شہر کے سامنے کھلے میدانوں کے اندر کافی دیر تک ترکوں کے ہاتھوں یورپ کے اس متحدہ لشکر کا قتل عام ہوتا رہا۔ کافی دیر تک قتل عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ یورپ کے اس صلیبی لشکر نے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بڑے بڑے بہادروں، نانٹوں، گرینڈ ماسٹروں، سوراؤں اور صلیب کے لیے جان دے دینے کی قسم کھانے والوں نے اپنے آپ کو اپنے ہتھیار پھینکتے ہوئے سلطان بائزید پلدرم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

یورپ کے اندر بے انت اور بے انداز صلیبی لشکر کے مقابلے میں سلطان بائزید کی یہ ایک شاندار فتح تھی۔ اسی فتح جس نے یورپ کی کمر توڑ کمر زکھ دی تھی۔

اس وقت جب کہ یورپ کے بڑے بڑے سورا ہتھیار ڈال رہے تھے، اچانک یورپ کے مشہور جنگجو ایڈمارٹل جین ڈی وانٹی نے صلیبی لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے یورپ کے سوراؤ! سن رکھو، تم مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی عزت

وآبرو اور اپنی عفت و ناموس مسلمانوں کے حوالے آپ کر رہے ہو۔
 اس پر سارے نائٹوں نے اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور لوگوں نے بھی ہتھیار اٹھا لیے اور اپنے سامنے وہ ترکوں پر ٹوٹ پڑے لیکن ترکوں نے جب شعلہ فشاں اور برق سامان ہو کر اور جوابی حملہ کرتے ہوئے ان کے سارے کس بل اور سارے طنون و شکوک نکال دیئے۔ تب صلیبی لشکر کے اندر ایک جھگڑا مچ گئی اور ہر کوئی اپنی جان بچانے کی خاطر ہدھر مٹا اٹھا اور ہر ہی بھاگنے لگا۔

اسی بھاگ دوڑ اور افترا قفری میں ہنگری کا بادشاہ سمبند، ایڈمارل اور دیگر کئی یورپی سالار اور نائٹ ترکوں کی تلواروں کا نشانہ بن کر اپنی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے صلیبی لشکر کے اس فرار سے چابوں طرٹ شور قیامت کی سی گونجیں بلند ہونے لگی تھیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچانے کی خاطر بخت رسوائی کی طرح انتہائی ذلت و نکبت کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ جب کہ ترک حلقہ در حلقہ رقص درویش کی طرح ان کے تعاقب میں تھے اور کڑے وقت کے پورے جبر اور قہر آمیز رنگوں کے ساتھ وہ ان کی قطع و برید اور تحریف و تلبیس کرتے جا رہے تھے۔

اس فرار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے صلیبی بھاگنے میں بھی کامیاب ہو گئے اور حواس میں ناکام رہے انہیں قیدی بنا لیا گیا اور ان قیدیوں میں یورپ کے بڑے بڑے سالار اور سورا بھی تھے۔

صلیبیوں کے خلاف سلطان بایزید کی اس شاندار اور عظیم فتح کی خبر جب میدانِ جنگ کے قریب ہی ونس اور دیگر ممالک کے بحری بیڑوں کو ہوئی تو وہ فوراً وہاں سے بھاگ بھگے۔ پھر میدانِ جنگ کے اندر سارے جنگی قیدیوں کو جمع کیا گیا اور ان میں سے اس قدر جنگی قیدی علیحدہ کر دیئے گئے تھے جس قدر صلیبی سوراؤں نے جنگ کی ابتدا کرنے سے قبل ترک قیدیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔

پس سلطان بایزید یلدرم نے یورپ کے سارے قیدی سالاروں کو وہاں جمع کیا اور ان کی موجودگی میں علیحدہ کیے جانے والے صلیبیوں کی گردنیں کاٹ دی گئی تھیں،

پھر سلطان نے بلند آواز میں کہا۔ ”اے یورپ کے اسیر و اسن رکھو یہ جو تمہارا سے
ساتھی قتل کیے گئے ہیں یہ ہمارے ان ترک بھائیوں کے انتقام میں قتل کیے گئے ہیں۔
جنہیں تم لوگوں نے جنگ کی ابتداء کرنے سے قبل وحیانا انداز میں قتل کر دیا تھا۔“ اس موقع
پر کاؤنٹ آف نیور اور شلڈ برگ جو قیدیوں کی حیثیت سے کھڑے تھے ان کی گردنیں
جھک گئی تھیں۔

ان کے علاوہ قوی ہیکل فرانسیسی نائٹ، اسکوار، جو منی، بوہری، اسٹری
اور منگری کے جنگجو جن کی حیثیت اب ایک قیدی کی سی تھی سب گردنیں جھکائے اپنے
اپنے فعل پر نادام کھڑے تھے۔ کسی کے پاس کچھ کہنے کو نہ تھا۔ اس لیے کہ جنگ سے قبل
ظلم کی ابتداء تو انہوں نے خود ہی کی تھی اور اب وہ اپنی ذات کی اندھی گیمھاؤں میں غرق
احساس کے اندر ڈوبے کھڑے تھے

ہر کوئی اسی فکر اور سوچ میں تھا کہ شاید اگلے ہی لمحے سلطان ان کی گردنیں بھی
کاٹ دینے کا حکم دے دے گا لیکن سلطان نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ان سب کو
معاف کر دیا اور پھر سلطان بایزید ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا اور خوب اُدھی آواز
میں اس نے صلیبی قیدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ اپنے اپنے ملک کے بڑے بڑے رئیس
اور سردار ہو، میں اگر چاہوں تو تم سب کی گردنیں بھی کاٹ سکتا ہوں کیونکہ حملہ آوروں
کے ساتھ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ حق بجانب ہوتا ہے لیکن میں تم لوگوں کو معاف کر
چکا ہوں۔ ممکن ہے تمہاری اس پہلی بہادرانہ کوشش کی ناکامی اور شکست پر یورپ کے
لوگ تمہیں مجرم ٹھہرائیں اور تم وہاں ان لوگوں کے سامنے سبکی محسوس کرو۔

اور ناکامی کے اس داغ اور شکست کے ان ذلت آمیز دھبوں کو دھو ڈالنے و
اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کا اگر تم ارادہ کرو تو پہلے کے مقابلے میں
ایک زیادہ منظم اور طاقتور لشکر لے کر میرے مقابلے پر آنا۔ انشاء اللہ تم مجھے ہر وقت اور
ہر جگہ اپنے سامنے جنگ کے لیے تیار پاؤ گے۔ اگر تم صلیبیوں سے مجھے کسی قسم کا شبہ اور

خوف ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو تم پھرے خلاف ایک بڑا لشکر لے کر آ جاؤ گے تو تم جاتو میں تم سب کا ہمیں پر قتل عام کرنا سکتا تھا لیکن میں تو صرف اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب اور ساری کائنات کا دارث اور شہنشاہ ہے۔ مجھے یہ جو دنیاوی بادشاہت ملی ہوئی ہے یہ میرے رب کی طرف سے مجھ پر ایک بار امانت ہے اور میرے امتحان میری آزمائش کا ذریعہ ہے۔

اے یورپ کے صلیبیو! تم اگر سارے یورپ کو اکٹھا کر کے میرے مقابلے پر لے آؤ تب بھی تم لوگوں سے میں خوف زدہ نہ ہوں گا کہ میں تمہارے مقابلے میں اپنے رب ہی کو اپنا کارساز سمجھتا ہوں اور اسے ہی اپنی مدد کے لیے پکارتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ نہ کوئی کارساز ہے نہ بڑی پکارے جانے کے قابل ہے۔ میری جگہ یہاں کوئی اور فاتح ہوتا تو وہ ضرور تم لوگوں سے تمہاری ہی مذہبی کتاب پر ہاتھ رکھوا کر یہ حلف لیتا کہ آئندہ تم اس کے خلاف آمادہ جنگ نہ ہو گے لیکن میں تمہارے سالاروں اور تمہارے لشکریوں سے اس قسم کا کوئی بھی قول و قرار نہیں لے رہا۔ برخلاف اس کے جب بھی لوگ میرے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کرو۔ بخوشی میری طرف آؤ اور جتنی تعداد میں چاہو لشکر لے کر آؤ مجھے تم لوگ ہمیشہ میدان جنگ میں فوج آمدید کہتے ہوئے پاؤ گے۔

اور یہ باتیں جو میں تم لوگوں سے کہہ رہا ہوں۔ یہ تم یورپ میں جیسے چاہو جاکر کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں جنگی کارناموں اور یورپ کے اندر مزید فتوحات حاصل کرنے کی قوت رکھتا ہوں۔“

سلطان بائزید یلدرم کے یہ پتہ شکوہ الفاظ سب قیدی صلیبی سالار سر جھکائے طور اور توجہ سے سنتے رہے۔ اس کے بعد سلطان نے انہیں معاف کرتے ہوئے حملے کی اجازت دے دی تھی اور معاف کیے جانے والے یہ سارے صلیبی جب تک زندہ رہے وہ سلطان کے انہی الفاظ پر غور کرتے رہے اور وہ نائیکو پولس کی اپنی اس بدترین اور ذلت آمیز شکست کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکے اور آئندہ ان میں

رکسی نے بھی کبھی سلطان بایزید ملیرم کے مقابلے میں صفت آرا ہونے کی جرأت نہ کی تھی۔

جنگ نائیکو پولس نے سلطان بایزید کی عسکری قوت اور شہرت کو باہم عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اب وہ وجہ و فرات سے لے کر ڈینیوب اور یونان تک ایک با عظمت اور صاحب اقتدار سلطان تسلیم کر لیا گیا تھا۔

نائیکو پولس کے میدان میں یورپ کی متحدہ عسکری قوت کو بُری طرح کچلنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ یورپ کے اندر مزید پیش قدمی کی اور تھرماپلی کے رستے وہ جنوب کی طرف بڑھا اور راستے میں آنے والی ہر یونانی قوت کو روندتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے نماپولس، ایتھنز اور ایکروپولس کو فتح کر کے ان شہروں پر اپنے ہلالی پرچم نصب کر دیئے تھے۔

یونان اور یورپ کے ایک حصے کو اپنے سامنے زیر اور سرنگوں کرنے کے بعد سلطان بایزید ملیرم قسطنطنیہ کا طرف بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ کا محاصرہ اس وقت تک رکھوں گا جب تک وہ فتح نہیں ہو جاتا۔

قسطنطنیہ کے یونانی بادشاہ مینوئل کو جب خبر ہوئی کہ سلطان بایزید ملیرم قسطنطنیہ کا محاصرہ اور اس پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے بڑھا ہے تو مینوئل قسطنطنیہ

۱۔ یونان کا جنوبی حصہ جو چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے جسے خشکی کی ایک چلی سی پٹی خاکائے کو انتھ سے ملائی ہے۔ جزیرہ نما پلوپ کماتا ہے۔

۲۔ یونان کا دارالحکومت جسے ایران کے بادشاہ زکسیر نے بڑی مشکلات کے بعد فتح کیا تھا لیکن بایزید ملیرم نے بغیر کسی رکاوٹ کے خسر کو فتح کر لیا تھا۔

۳۔ ایکروپولس یونان کا سب سے بلند شہر تھا۔ یہ شہر ایک بلند کوہ تانی چوٹی پر تھا جس پر سوائے ایک طرف سے حملہ نہ کیا جاسکتا تھا لیکن سلطان نے کمال حکمت سے اسے بھی فتح کیا۔ اس شہر میں قدیم پارٹھیں قوم کا معبد بھی تھا۔

کا دفاع اپنے سپہ سالار کے سپرد کرنے کے بعد خود مدد حاصل کرنے کے لیے یورپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب تک وہ مدد حاصل نہیں کر لیتا۔ اس وقت تک اس کا سپہ سالار قسطنطنیہ کا دفاع کرتا رہے گا اور یوں وہ یورپ سے مدد و کمک حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو سلطان بائزید سے بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

مینوئل نے یورپ کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن یورپ کا کوئی بھی بادشاہ اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر کوئی سلطان بائزید سے خوفزدہ اور لرزہ بر اندام تھا۔ مینوئل اور پاپائے اعظم قبیس نہم کے تعلقات ایک عرصہ سے شیدہ چلے آ رہے تھے لیکن مینوئل نے سلطان بائزید کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو اس حد تک گمراہ کیا کہ وہ عاجزانہ طور پر پاپائے اعظم قبیس نہم سے امداد کا طالب ہوا لیکن پاپائے اعظم نے بھی اس کی مدد کرنے یا سلطان بائزید کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ گزشتہ صلیبی جنگ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگلی صلیبی جنگ کا انجام اس سے بھی ہونٹاک ہوگا۔ اب ایک طرف مینوئل یورپ سے مدد حاصل کرنے میں سرگرداں تھا۔ جب کہ سلطان بائزید یلدرم قسطنطنیہ کا محاصرہ تنگ سے تنگ کرنے چلے جا رہے تھے۔





سلطان بایزید یلدرم ابھی قسطنطنیہ شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ تیمور نے ملت فروشی فروشی، اسلام دشمنی، انخوت کشی اور مسلم بیزاری کا مظاہرہ کیا اور اس نے عیاری و کالی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیتے ہوئے سلطان بایزید یلدرم کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تیمور اپنی پوری مالی اور عسکری قوت سے سلطان بایزید کی مدد کرتا کہ وہ اسلام کے فروغ کے کام میں مصروف تھا لیکن تیمور اُلٹا اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس ظالم اور فریب کار انسان نے سلطان بایزید کی مملکت پر حملہ آور ہونے کی بھی اس وقت ٹھانی جب قسطنطنیہ کے محاصرہ میں آگے بڑھتے ہوئے سلطان بایزید یلدرم ایک ایسے نقطہ پر پہنچ چکا تھا۔ جہاں قسطنطنیہ اس کے سامنے نہ لگ سکتا تھا۔

سلطان بایزید کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کرنے کے لیے تیمور نے سلطان کے لشکر سے کئی گنا بڑا لشکر تیار کر کے پیش قدمی کی اور ایشائے کوچک میں

لے ایشینے لیے پول بھی نصرانی ہو کر تسلیم کرتا ہے کہ اگر تیمور حملہ آور نہ ہوتا تو سلطان بایزید ہلا یقیناً قسطنطنیہ کو فتح کر چکا تھا۔

سلطان بائزید روم کے ایک سرحدی شہر سید اس کی طرف بڑھا۔ اس شہر کا حاکم سلطان بائزید ہونہار بیٹا سلیمان تھا۔

اس شہر سے باہر تیمور نے پڑاؤ کیا اور اپنے بیٹے شاہرخ اور سارے پوتوں کو اس نے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب شاہرخ، محمد سلطان، پیر محمد اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تب تیمور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے میرے عزیزو! اس وقت ترکوں کا سید اس شہر ہمارے سامنے ہے اور تھوڑی دیر تک ہم اس کا محاصرہ کر لیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد اس شہر کو ہم فتح کر لیں گے۔ جب بائزید کو اپنے شہر کے سقوط کی خبر ہو گی تو وہ ضرور قسطنطنیہ کا محاصرہ ترک کر کے ادھر کا رخ کرے گا لیکن اس کا بندوبست کرنے کے لیے بھی بہر حال میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہے اور وہ یہ کہ بائزید کا لشکر اس وقت زیادہ تر دو گر و ہوں پر مشتمل ہے۔ ایک عثمانی ترک اور دوسرے سلجوقی تاتار جو ہماری ہی نسل سے ہیں۔

پس میں آج ہی اپنے لشکر سے چند سلجوقی سالاروں کو روانہ کروں گا۔ یہ بائزید کے لشکر میں شامل سلجوقیوں کو اس امر پر آمادہ کریں گے کہ جب ہماری اور بائزید کی جنگ ہو تو وہ بائزید کا ساتھ چھوڑ کر ہم سے آملیں اور اس مقصد کے لیے میں بائزید کے لشکر میں شامل سلجوقی سالاروں کو بہت بڑا لالچ بھی دوں گا۔ اس طرح مجھے اُمید ہے کہ ہم اپنا کام نکلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

تیمور چند لمحوں کے لیے رکا پھر راز دارانہ آواز میں بولا۔ اے میرے بیٹے شاہرخ!

۱۔ اس کا قدیم نام سباسکلے تھا۔ پہلے ایران کا ایک صوبہ تھا۔ پھر رومنوں نے چھین لیا۔ رومنوں سے آخر کار ترکوں نے حاصل کر کے انچی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۲۔ تاتاریوں میں اس سلیمان کا نام ارطغرل بھی لکھا گیا ہے۔

۳۔ لین پول بھی تصدیق کرتا ہے کہ تیمور نے ایک سازش کے تحت عین جنگ کے موقع پر

سلجوقیوں، تاتاریوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

اور اے میرے پوتو! جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اس کی خبر کسی کو نہ ہونے پائے چھوٹے سالار تو ایک طرف، سیف الدین، نور الدین اور آق بوغاتک کو بھی اس کی خبر نہ ہونے پائے اور انہوں میں سے خلیل کو بھی ہمارے ان انتظامات کی خبر نہ ہو ورنہ وہ بھی بات کو آگے نکال سکتا ہے۔ اس لیے کہ خلیل صیرف میرے ہی لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے بھی قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔

اس لیے یہ راز کہ ہم بایزید کے خلاف اس کے لشکر کے سلجوقیوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ میرے اہل تمینوں کے درمیان ایک سنگین اور مدفون راز ہو کر رہ جانا چاہیے۔ اب تم تینوں کے یہاں سے جانے کے بعد میں اپنے چند بھروسے کے سلجوقی سرداروں کو طلب کروں گا اور انہیں بایزید کے خلاف حرکت میں لاؤں گا۔

اے میرے عزیزو! یہ بھی سن رکھو۔ بایزید یونان کے علاوہ یورپ کے ایک حصے کو اپنے سامنے کھنگال چکا ہے۔ بڑے بڑے صلیبی لشکروں کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے اور اگر ہم نے اس کے خلاف کسی اندرونی سازش اور مفید تدبیر سے کام نہ لیا تو یاد رکھو بایزید کے ہاتھوں ہماری حالت یورپ کے صلیبیوں سے مختلف نہ ہوگی گو ہمارے پاس ایک ایسا لشکر ہے جو عددی لحاظ سے بایزید کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم نے کسی سازش سے کام نہ لیا تو عددی برتری کے باوجود بایزید ہمیں رگید کر بھس کر دے گا۔ لہذا جس کام کی ہم ابتدا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لیے ضروری اور اہم ہے۔

یہ معاملہ تو اب طے ہو چکا ہے۔ اے شاہ رخ! میرے بیٹے! تم یہاں سے نکلنے کے بعد نور الدین کو اپنے ساتھ ملا کر سید اس شہر کا محاصرہ کرو اور شہر کو فتح کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے لشکر کو شہر کے مشرق میں رکھنا۔ نور الدین کو شمال میں۔ محمد سلطان کو مغرب اور میر محمد کو جنوب میں رکھنا۔ یک بارگی شہر پر حملہ کر کے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اور جب شہر پر تمہارا قبضہ ہو جائے تو شہر کے اندر مرد و عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور علماء و فقیہا کی تمیز کیے بغیر شہر کے اندر قتل عام کرو۔ نور الدین اس قتل عام کے خلاف

اگر کوئی مداخلت کرے تو اس کے ساتھ ہرگز نہ الجھنا بلکہ اسے آرام اور پیار سے مطمئن کر کے خاموش کر دینا۔ میں جانتا ہوں مسلمانوں کے خلاف ہماری جنگیں اسے گراں گزرتی ہیں۔ لیکن وہ ایک ایسا جرنیل ہے جس کے بغیر میں اپنے آپ کو ادھورا سمجھتا ہوں۔

ملکی ملکی مسکراہٹ میں شاہ رخ نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے میرے باپ! آپ نور الدین سے متعلق زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ اول تو مجھے اُمید ہے کہ سیواس کے قتل عام کے خلاف وہ کوئی زوردار احتجاج کرے گا ہی نہیں اور اگر اس نے کیا بھی تو میں اسے پیار اور شفقت کے ساتھ سمجھا بکھا کر خاموش کرادوں گا۔ اگر ہم سیواس شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایک طرح سے ترکوں کے دلوں پر تاتاریوں کا عیب بیٹھ جائے گا کہ تاتاری ان سے جنگ کرنے کی ہمت و سکت رکھتے ہیں۔"

شاہ رخ کے خاموش ہونے پر تیمور نے فیصلہ کن انداز میں کہا: "اچھا اب تم جاؤ اور میری ہدایات کے مطابق ترکوں کے شہر سیواس کا محاصرہ کر لو اور جس قدر ممکن ہو اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔" اس کے ساتھ ہی شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد تیمور کے خیمے سے نکل کر اپنے اپنے لشکر کی طرف جا رہے تھے۔

نور الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد نے چاروں طرف سے سیواس شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ سلطان بایزید کے بیٹے سلیمان نے انتہائی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طریقے سے مغلوب ہونے سے بچالے لیکن اسے ناکامی اور مایوسی ہوئی کیونکہ نور الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکروں کی تعداد اس لشکر سے بیس گنا سے بھی زیادہ تھی، جو سلیمان کے پاس سیواس شہر کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نور الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد مختلف سمتوں سے سیواس شہر کی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر اس کے بعد انہوں نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس جنگ میں شاہ رخ نے سلطان بایزید کے بیٹے سلیمان کو زندہ گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد شاہ رخ نے سیواس شہر کے اندر لوٹ مار کا بازار گرم کرنے اور لوگوں کا قتل عام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

جس وقت شاہ رخ کے حکم پر سیواس کے شہریوں کا قتل عام ہونے لگا اس وقت نورالدین تیزی کے ساتھ شاہ رخ کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔ ”کیا سیواس شہر کے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بجائے ہم انہیں اللہ کے حال پر نہیں چھوڑ سکتے۔“ نورالدین کے اس سوال پر شاہ رخ چونکا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پہلے اپنائیت کا اظہار کرنے کے لیے اس نے نورالدین کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر نرم و شیریں آوازیں اور سمجھانے کے انداز میں اس نے کہا۔ ”اے نورالدین! یہ سب کچھ ایک مجبوری کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اب جب کہ ترکوں کے ساتھ ہماری جنگوں کا سلسلہ شروع ہو ہی گیا ہے تو سن رکھو! اگر کسی شہر کو فتح کر کے ہم وہاں کے محافظوں اور رہنے والوں کو چھوڑتے ہیں تو یہی لوگ بعد میں دوسری جنگوں میں ہمارے لیے مصیبت پریشانی اور ابتلا کی وجہ بنتے رہیں گے۔ لہذا اے نورالدین! تم ان لوگوں کی حالت پر فکر مند نہ ہو۔ ان کا قتل کیا جانا ہی سو مند ہے۔“

شاہ رخ کی اس گفتگو کے بعد نورالدین خاموش ہو گیا اور سیواس میں قتل عام شروع ہو گیا۔ شہر فتح ہونے کی خوش خبری سن کر تیمور بھی سیواس شہر کے قریب اس جگہ آیا، جہاں نورالدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد اکٹھے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ سلطان بایزید کا بیٹا سلیمان بھی تھا جسے شاہ رخ نے جنگ کے دوران گرفتار کیا تھا اور جس کے ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

شکر کے اندر جو عورتیں شامل تھیں وہ بھی ایک بہت بڑے گروہ کی صورت میں فتح ہونے والے اس شہر کو دیکھنے چلی آئی تھیں۔

قریب آ کر تیمور نے نورالدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد چاروں کو سیواس شہر کی فتح پر مبارک باد دی۔ پھر تیمور نے شاہ رخ کے قریب کھڑے سلطان بایزید کے بیٹے سلیمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“ جس کے ہاتھ تم لوگوں نے اس کی پشت پر باندھ رکھے ہیں۔ کیا یہ کوئی خطرناک مجرم ہے؟“

شاہ رخ کے چہرے پر تحقیر آمیز سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور سلیمان کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ”اے میرے باپ! یہ خطرناک مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ اس فتح ہونے والے شہر سیواس کا حاکم بھی تھا۔ اے میرے باپ! اس کا نام سلیمان ہے اور یہ سلطان بایزید کا بیٹا ہے۔“

تیمور کے چہرے پر کسی بھڑکے اور شکار پر چھپٹ پڑنے کا ارادہ کر لینے والے چیتے جیسے اثرات ظاہر ہو گئے تھے۔ نورالدین بھی تیمور کی اس حالت کو بھانپ گیا تھا۔ لہذا اس نے فوری طور پر دخل اندازی کی اور تیمور کو مخاطب کر کے بولا۔

”اے آقا! سلطان بایزید یلدرم کے اس بیٹے سلیمان کو آپ میرے حوالے کر دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسے میں اپنا حامی بنالوں گا۔“

تیمور نے سخت اور گڑبڑاتی آوازیں کہا۔ ”اس سانپ کے سپور لیے کو میں تیرے حوالے کر دوں، تاکہ پیتیری گردن کاٹ دے اور آنے والے دنوں میں اپنے باپ کے ساتھ مل کر یہ ہمارے لیے ایک خطرناک طوفان کی صورت اختیار کرے۔“

اس کے ساتھ ہی تیمور نے اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ پھر اس نے اپنی تلوار بلند کی، گرائی اور سلیمان کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

تیمور کا یہ رویہ وہ پہلی ضرب تھی جو اس کے خلاف نورالدین کے دل میں شک و شبہات پیدا کر گئی تھی لیکن نورالدین کمال صبر اور ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اس کے اپنے چہرے کے تاثرات سے تیمور پر کچھ بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ پھر تیمور نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”تم چاروں اب اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو۔ سیف الدین بھی ادھر ہی آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے اسقف یوحنا کو بلایا ہے اور ان دونوں کے ساتھ مل کر میں شہر کا نظم و نسق سنبھال لیتا ہوں۔“ تیمور کی اس ہدایت پر وہ چاروں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

نورالدین جب اپنے خیمے کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا سامنے کی طرف سے حسین اینجلینا آ رہی تھی۔ وہ بے حد خوش اور شاداں لگتی تھی۔ نورالدین کے قریب آ کر اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں آپ کے خیمے کی صفائی کر کے ہی لوٹ رہی ہوں۔ میں

آپ کو سید اس شہر کی فتح پر مبارک باد دیتی ہوں۔“

نور الدین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اُداس تھا سنان زندان کی طرح افسردہ تھا شام کے دھواں دھواں آسمان کی طرح، پریشان تھا بے اساس اُمیدوں کی طرح دیران تھا بے دھواں خاتقا ہوں کی طرح۔ وہ بے چارہ اس سہمے بکھرا بکھرا تھا بھاگتی رات کی بے ترتیب سانسوں کی طرح۔

نور الدین کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اینجیلینا بے چاری خود بھی مغموم اور پریشان ہو گئی۔ اتنی دیر تک وہ دونوں خیمے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

اس موقع پر اینجیلینا کو نہ جلنے کیا سوجھی کہ بھاگ کر نور الدین کے سامنے جا کھڑی ہو گئی اور اس کی راہ روکتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آپ کو کیا ہوا ہے۔ میں نے آپ کو مبارک باد دی ہے اور آپ نے قبول ہی نہیں کی؟“

اینجیلینا کے یوں بے باکی کے ساتھ سامنے آنے پر نور الدین اپنی جگہ پر دُک گیا پھر اس نے روتی، بین کرتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیسی مبارک باد قبول کروں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے بہنے والے خون پر مبارک باد قبول کروں؟ کیا ان معصوم بچوں بے آسرا بوڑھوں، پاک دامن عورتوں اور کرپیل مسلمان جوانوں کے قتل عام پر مبارک باد قبول کروں۔ جنہیں وحشیوں اور جلاوطن کی طرح بے وجہ سید اس شہر میں کاٹا جا رہا ہے۔“

کیا اس انکشاف پر مبارک باد قبول کروں کہ ہم نے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے خون سے ہی وضو کیا ہے؟ اے اینجیلینا! اب تم بھی مسلمان ہو۔ کہو میں ان میں سے کس واقعے پر تمہاری طرف سے مبارک باد قبول کروں۔

مسلمانوں کا ایسا قتل عام پر میری عقل مجھول، نگاہ آوارہ گرد زبان بے مفہوم، سماعت معطل اور بصارت بے کار ہو جاتی ہے۔ کاش کوئی عاقل و فرزانہ، کوئی مصلح و درومند انہیں بتاتا کہ مسلمانوں کے خون پر اپنے رحیمین خوابوں کے نشیمن تعمیر کرنے والو! اپنے انجام پر بھی نگاہ رکھو۔ فیصلے کی دستاویزات خدا کی دسترس میں ہوتی

ہیں۔ اخوتِ بین المسلمین کے شمنو! اپنے تو سن فکر پر حکمت و عظمت کو بھی موار ہونے دو۔ دہر کے عقیدت مندو! یہ دہر ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اس دہر کی زندگی عارضی ہے۔ اپنی آخرت کے لیے بھی کوئی کھیتی تیار کرو۔ اس دہر کے تکبر و فخر سے نکل کر حرم میں سجدہ کناں ہونے کا لطف بھی حاصل کرو۔ یہاں پر کوئی ایک دوسرے کو انیسان خوش خیال تصور کرتا ہے۔ پر ایسے قتل عام کے خونی فیصلے یک طرفہ ہی کر دیے جاتے ہیں۔ نور الدین کی آنکھیں اس کے آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے دیکھا اس کے سامنے کھڑی انجیلینا کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے میزی کے ساتھ آنسو زمین پر گر رہے تھے اور وہ بے چاری اپنی سسکیوں اور ہچکچوں کو اپنے گلے میں روک دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

نور الدین چند ثانیوں تک بڑے غور و انماک سے انجیلینا کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور انجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گہری ہمدردی اور کمال نرمی میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

”اے بنتِ سمرقند! تیرے میرے آنسو سیوا اس شہر کے اندر مسلمانوں کے قتل عام کو تو نہیں روک سکتے تیری میری آہیں اس کاخوں بپا پیش نہیں کر سکتیں جو سیوا اس کے گلی کوچوں کو زلین کر رہا ہے۔ ہم دونوں مل کر وقت کے ساز پر اپنے دکھ اپنی ذلت کا نوحہ تو گا سکتے ہیں پر اس قابل نہیں کہ بھڑیے کے سامنے کھڑے ہو کر اسے اس کی خونخواری سے باز رکھ سکیں۔

اے بنتِ سمرقند! اس کبر نفس، خونی اشتہا اور بندگیِ نفس کے خلاف اپنے منعم حقیقی سے التجا تو کر سکتے ہیں اس کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔ کاش سیوا اس شہر کے مسلمانوں کی یاس بھری نگاہوں، قلب کی معصوم دھڑکنوں اور لمحہ بہ لمحہ پھٹتے آنچلوں کا کسی کو تو خیال ہوتا۔

آہ سیوا اس شہر کے اندر لڑنا نازک پکیڑ پتھروں کے اندر ہیرے کی طرح رسوا ہو رہے ہوں گے۔ دستِ محنت کٹ رہے ہوں گے۔ ضعیف مائیں اپنے فرزندوں کی

کو، جوان بہنیں اپنے بھائیوں کو۔ بوڑھے باپ اپنے زندگی کے سہاروں کو اور بے بس بیویاں بد بختی کے دوشالوں میں لپٹی اپنے شوہروں کو رو رہی ہوں گی۔ ہر کوئی کبر نفس کے لہو اور اہرن کی تلوار کی ضربوں کا شکار ہو رہا ہوگا۔ سیوا اس کی گھنی چھاؤں میں خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگین رتوں کے خیمہ خیال ایذا پسندی کی آگ میں جل رہے ہوں گے۔ حرم کے فرشتوں کے سر جھکے ہوں گے۔ اہلیس خون کی آن آبشاروں پر خوش ہوگا اور اس کے بدی کے گماشتے سیوا شہر کے اندر قاصد اہلیس کر رہے ہوں گے۔ آہ سیوا اس کے مسلمان طوفانی اور خوفی دھاروں کے بہاؤ کے اندر قیامت کے مراحل سے گزر رہے ہوں گے۔

نور الدین جب کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا۔ تو اینجلینا نے چونک کر اپنی گردن سیدھی کی اور اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے چاری اور زیادہ پس کر اور تحلیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دیکھا نور الدین بُری طرح اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ شاید زبان اس کا سٹھ ندے رہی تھی اور اس کے اور الفاظ کے درمیان ایک کش مکش شروع ہو گئی تھی۔ اس موقع پر اینجلینا کا جی چاہا کہ زور زور سے بہن کر کے روئے۔ بلند آوازوں میں دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ماتم کرے، شور و دوا دیا کھڑا کر دے۔ پر نور الدین کی خاطر اس بے چاری نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنی ہچکیاں اور سسکیاں اس نے روک لیں۔ اپنے آنسو اس نے پونچھ لیے۔ اپنی آوازیں رُس اور شہد بھرتے ہوئے اس نے نور الدین سے کہا۔

”اے امیر! کاش میں بے بس اور لاچار لڑکی اس قابل ہوتی کہ آپ کے سارے غم چھین کر زندگی کو چار سو آپ کے لیے زمزمہ خواں کر دیتی۔ آپ کی ان بے صوت کراہوں کو حسین خوابوں کی غزل میں بدل سکتی۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ چہروں کی رعوت کو آنکھوں کی شفقت میں بدل سکتی۔ اے امیر! آپ کے خیمے کی صفائی کرنے کے بعد میں آپ کا کھانا لے کر آئی تھی اور اب میں آپ کا کھانا آپ کے خیمے میں رکھ کر آپ کو بلانے جا رہی تھی۔“

نور الدین نے غور سے اینجلینا کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ اے اینجلینا! کیا تو کھانا

کھا چکی ہے؟“

انجیلینا نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ میرے بابا کو امیر تیمور نے بلایا ہے لہذا میں نے ارادہ کیا تھا کہ واپس لوٹیں گے تو پھر کھانا کھاؤں گی۔“

نور الدین نے دکھی سی آواز میں کہا۔ ”اے بنتِ سمرقند! آؤ سیواس کی اس خونریزی کے سوگ میں دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“ پھر نور الدین اپنے خیمے کی طرف چل دیا اور انجیلینا چپ چاپ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔



سلطان بایزید کو جب اپنے بیٹے سلیمان کے قتل، سیواس کی شکست اور وہاں کے مسلمانوں کی تیمور کے ہاتھوں قتل و غارت گری کی خبریں پہنچیں تو اس نے بادلِ نخواستہ قسطنطنیہ کا محاصرہ ترک کر دیا اور تیمور سے نمٹنے کے لیے انہوں نے اپنے اس لشکر کے ساتھ سیواس کا رخ کیا جس لشکر کے ساتھ وہ یورپ کے شہر ویدین، اسٹوا، ملٹریا، نائیکوپولس، ایٹھنز، ایکروپولس اور پلوپ پر قبضہ کیا تھا۔ تیمور کو جب خبر ہوئی کہ سلطان بایزید اپنے لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے سیواس کی طرف روانہ ہو چکا ہے تو وہ فکر مند ہو گیا۔

گو سلطان بایزید کی ایک لاکھ سے کچھ زائد سپاہ کے مقابلے میں تیمور کے پاس سات لاکھ سے بھی زیادہ کا لشکر تھا لیکن اس نے سلطان بایزید یدرم کا سامنا کرنے کی جرأت نہ کی۔ بجائے اس کے کہ وہ سیواس شہر میں رُک کر سلطان بایزید کا انتظار کرتا رہ اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بھاگ گیا تھا۔

سیواس سے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اس لیے بھاگ کھڑا ہوا تھا کہ اس نے اپنے سلجوقی سالار جو بایزید کے لشکر کی طرف روانہ کیے تھے کہ وہ بایزید کے لشکر میں مل سلجوقیوں کو اپنے ساتھ بلا لیں۔ تو تیمور کو ابھی تک اپنے انہی سلجوقی سرداروں کی کارگزاری کا انتظار تھا اور ان کا انتظار کیے بغیر تیمور جنگ کی ابتداء نہ کرنا چاہتا تھا اس

لیے کہ وہ جانتا تھا اس کا سامنا بائزید کے اس بہترین تربیت یافتہ لشکر سے ہو گا جنہوں نے یورپ اور یونان کے وسیع خطوں کو اپنے گھوڑوں کے سامنے سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ لہذا اپنے لشکر کی عددی برتری کے باوجود تیمور نے سیواس کے وسیع میدانوں کے اندر سلطان سے ٹکرانا پسند نہ کیا اور وہاں سے وہ ہٹ گیا تھا اور مناسب وقت آنے کے انتظار میں اس نے اپنے لشکر کو کسی اور سمت مصروف رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سیواس سے بھاگ کر تیمور نے جنوب میں ملطیہ شہر کا رخ کیا۔ اپنے جوش انتقام میں اس نے ملطیہ شہر کے اندر جو ایک مختصر سا لشکر تھا اسے تباہ و برباد کر کے ملطیہ کو دیران کھنڈر کر کے رکھ دیا۔

اس کے بعد تیمور نے زخمی سانپ اور ٹوٹی بھیرٹیے کی صورت اختیار کر لی تھی وہ حلب شہر کی طرف بڑھا اور اپنے سات لاکھ سے زائد لشکر کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہو کر شہر کو فتح کر لیا۔ یہاں بھی اس نے خونی کھیل کھیلا۔

حلب شہر کے اندر پہاڑ کے اوپر جو قلعہ بنا ہوا تھا۔ اسے بھی زیر کر کے اس پر اپنا علم فتح نصب کیا۔ شہر کو اس نے لوٹا۔ گلی کوچوں کو رنگین کیا اور پھر یہاں سے بھی وہ نکل کھڑا ہوا۔

حلب کے بعد تیمور نے ارض شام کے مرکزی شہر دمشق کا رخ کیا۔ شاید اس نے مذہب و ملت اور اسلام و مسلمان ہونے کا احترام و جذبہ ہی اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ اس کی حالت اس سانپ جیسی ہو رہی تھی جو ہر ایک کو ڈس لیتا ہے۔ وہ اس بچھوکی سی صورت اختیار کر گیا تھا جس کا ڈنگ اپنا کام کرنے کے لیے ہر وقت اٹھارتھا ہے۔

ملطیہ، حلب اور اس سے پہلے بغداد کا انجام و دمشق والوں کے سامنے تھا۔ لہذا انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ اس بھیرٹیے سے صلح کر لی جائے۔ لہذا اہل دمشق نے تیمور سے صلح کی درخواست کی اور اس کے سامنے صلح کی شرائط پیش کیں۔

لیکن تیمور تو اسلامی شہروں کے اندر لوٹ مار اور کشت و خون کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ اسلامی اخوت اور جذبہ ملت پروری سے یکسر محروم ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے اہل دمشق کی صلح کی درخواست اور ان کی پیش کی ہوئیں شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بہر حال اپنی ٹوٹی ٹوٹی کا اتباع کرتے ہوئے تیمور نے دمشق شہر پر حملہ کر دیا۔ حملہ ہی تیمور شہر پر قابض ہو گیا اور شہر کے اندر جو کچھ اس نے کیا وہ لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے اپنے لشکر کو کھلی اجازت دے دی کہ وہ دمشق شہر کی لوٹ مار کر لیں۔

جب تیمور اور اس کے لشکریوں کا مسلمانوں کے قتل عام اور شہر کی لوٹ مار سے جی بھر گیا۔ تب اس ٹوٹی امیر نے دمشق شہر کو آگ لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ شہر کے بازاروں اور دمشق شہر کی قدیم و جدید مسجدوں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا تھا دمشق شہر کے آگنت مسلمان جل جل کر گرتے مکانوں تلے دفن ہو کر رہ گئے۔ دمشق شہر کی عظمت اور اس کے تقدس کو تیمور نے خاک و خاکستر بنا کر رکھ دیا تھا۔

دمشق شہر میں قیام ہی کے دوران ایک نوجوان نے تیمور پر اپنے خنجر سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اگر یہ نوجوان کامیاب ہو جاتا تو تیمور خود بھی خاک و خون ہو جاتا لیکن یہ حملہ آؤ لو جو ان پکڑا گیا اور تیمور نے اس کے جسم کا ایک ایک حصہ کٹوا کر اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ دمشق شہر کو لوٹ کر آگ لگانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر لمبہ رن ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے وہ دو سہجوقی سردار خیمے میں داخل ہوئے جنہیں اس نے بایزید کے لشکر میں شامل سہجوقی سرداروں کے ساتھ ساز باز کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

تیمور کو دمشق کی جلتی ہوئی ایک مسجد کا گنبد بڑا پسند آیا۔ اس کی شکل اتنا عجیبی تھی اور گولائی میں اس کی چوٹی نوک دار تھی۔ بعد میں اسی طرح کے گنبد اس نے سمرقند کی عمارتوں کے بھی بنوائے۔ جہاں سے اس گنبد کے نمونے ماسکو جا پہنچے۔

جب وہ دونوں سردار جیسے میں آئے تو ان دونوں کو تیمور نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور پوچھا۔ اے میرے عزیزو! تم دونوں جس کام کے لیے گئے تھے۔ اسے تم دونوں نے مل کر کہاں تک پہنچایا ہے۔ اس لیے کہ بائزید سے میری آئندہ جنگ تمہاری ہی اس مہم پر انحصار رکھتی ہے۔ اب کہو تم دونوں کیا کر کے آئے ہو۔ اگر تم دونوں کامیاب ہو تو میں بائزید سے سکڑاؤں گا اور اگر تم دونوں اپنے اس کام میں ناکام رہے ہو تو مجھے اپنا آپ بچانے کی خاطر سمرقند کا رخ کرنا پڑے گا۔

ان دونوں میں سے ایک سردار نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ اے امیر! آپ مطمئن اور بے فکر رہئیے، ہم دونوں اپنی اس مہم میں کامیاب لوٹے ہیں۔ لہذا آپ کو اپنا آپ بچانے کی خاطر سمرقند کا رخ نہ کرنا پڑے گا۔

آپ نے ہمیں جو جواہرات کی تھیلیاں دی تھیں انہوں نے بڑا کام کیا ہے! ان تھیلیوں کے عوض بائزید کے لشکر میں شامل سلجوقی سرداروں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ جب کبھی بھی سلطان بائزید یلدرم اور امیر تیمور کے درمیان جنگ ہو گی تو وہ اپنے سارے سلجوقی جنگجوؤں کے ساتھ عین جنگ کے عروج کے موقع پر سلطان بائزید کے لشکر سے نکل کر امیر تیمور کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک تشویش کی بات بھی ہے اور وہ یہ کہ یورپ اور یونان کے ان علاقوں کے عیسائی جنہیں سلطان بائزید نے فتح کر رکھا ہے آپ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ سلطان بائزید کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں۔

اور ہمیں تشویش ہے کہ اگر یورپی اور یونانی جنگجو ایسے ہی سلطان کے لشکر میں شامل ہوتے رہے تو وہ سلطان کی عسکری قوت میں بہت اضافہ کر دیں گے۔ تیمور نے چند ثانیوں تک گردن جھکائے رکھی پھر اس نے مطمئن سے انداز میں کہا۔ اب یورپی اور یونانی عیسائیوں کا بھی یکن بندوبست کر لوں گا۔ اب تم دونوں جا کر آرام کرو اور اسقف یوحنا کو میری طرف بھیج دو۔ میں آج ہی اسقف یوحنا کی سربراہی میں ایک وفد روانہ کروں گا جو تمہاری طرح یورپی اور یونانی عیسائیوں کو اس امر پر آمادہ

کر لیں گے کہ وہ عین جنگ کے موقع پر بائزید کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ تیمور کے اس فیصلے پر دونوں سلجوقی سردار مطمئن دکھائی دینے لگے تھے۔ پھر وہ اُٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔



سیواس کے بعد ملطیہ پھر حلب اور اس کے بعد دمشق کے قتل عام اور آتش زنی پر نور الدین اپنے خیمے میں اکیلا اور اُٹاس بیٹھا ہوا تھا کہ انجیلینا اور اس کا باپ اسقف یوحنا دونوں اس کے خیمے میں داخل ہوئے۔ نور الدین ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اسقف یوحنا نے آتے ہی کہا۔

”اے امیر! مجھے آقا تیمور نے طلب کیا ہے۔ شاید وہ مجھے کسی مہم پر باہر بھیج رہے ہیں۔ اس لیے میں انجیلینا کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اے امیر! انجیلینا کے معاملے میں صرف آپ پر ہی بھروسہ کر سکتا ہوں۔ لہذا میری غیر موجودگی میں انجیلینا کا ہمہ آپ کے خیمے کے ساتھ ہوا کرے گا اور آپ ہی اس کی حفاظت اور سلامتی کے ذمہ دار ہونا کریں گے۔“

نور الدین نے کہا۔ ”آپ انجیلینا سے پوچھ لیں، اگر اُسے قبول ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

انجیلینا نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میرا عندیہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تو خود بابا سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میرا خیمہ آپ کے خیمے کے ساتھ ہو۔“ نور الدین نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یوحنا وہاں سے چلا۔ جب کہ انجیلینا آگے بڑھ کر خاموشی کے ساتھ نور الدین کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد یوحنا پھر نور الدین کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چرمی تھیلی بھی تھی۔ یوحنا آہستہ آہستہ نور الدین کے قریب آیا اور وہ چرمی تھیلی اٹھانے اس کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! اس تھیلی میں وہ نقدی ہے۔ جو

ان جنگوں میں میرے جتنے کے طور پر مجھے ملی ہے۔ یہ آپ امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں۔ میں واپس آکر آپ سے لے لوں گا۔“

اس تھیلی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی نور الدین نے کہا۔ آپ یہ تھیلی اینجیلینا کو دے دیں۔“

یوحنا نے فوراً کہا۔ ”اینجیلینا اگر اس کی حفاظت کر سکتی تو میں آپ کو زحمت کیوں دیتا۔“

نور الدین نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ آپ کر کے تو دیکھیں۔ یہ تھیلی آپ اینجیلینا کو دے دیں۔ پھر دیکھیں اس کی حفاظت کیسے ہوتی ہے۔“

یوحنا نے تھیلی فوراً اپنی بیٹی اینجیلینا کی گود میں رکھ دی اور ساتھ ہی نور الدین کے سامنے وہ بیٹھ گیا اور صہمی نرم آواز دار زدارانہ لہجے میں اس نے کہا۔

”یا امیر! میرے بعد اینجیلینا کا خیال رکھیے گا۔ میں اسے اس لیے آپ کی نگرانی اور حفاظت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ یہ صرف آپ پر ہی اعتماد کرتی ہے اور اس کا اعتماد آپ پر ہے بنیاد بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی ماں مانتھس مرنے سے پہلے اسے آپ ہی کے حوالے کر چکی ہے۔ زندگی کے ایک ساتھی کی حیثیت سے یا ایک لونڈا کی حیثیت سے اس کا فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ بہر حال میں یہ گزارش کروں گا کہ جہاں اینٹ کی جگہ ہوتی ہے وہاں اینٹ ہی اچھی لگتی ہے اور جہاں پتھر کی جگہ ہوتی ہے پتھر ہی بہتر اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔“

اے امیر! آپ جانتے ہیں میں نے زندگی بھر کسی بھی بات کی وجہ سے اینجیلینا پر کبھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ اپنی زندگی کے ساتھی کے سلسلے میں بھی اسے میں نے آزاد رہنے دیا ہے اور اس کا فیصلہ ہی میرے لیے آخری فیصلہ ہو گا اور اب جب کہ یہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کے اس فیصلے کی اہمیت و ضرورت پہلے کی نسبت زیادہ ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یوحنا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نور الدین

کے ساتھ اس نے پُر جوش مصافحہ کیا۔ ایک میٹھی اور شفقت آمیز نگاہ اس نے اپنی بیٹی اینجیلینا پر ڈالی پھر وہ نور الدین کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

یوحنا کے جانے کے بعد اینجیلینا نے پریشان سے لہجے میں پوچھا۔ ”اے امیر! آپ نے یہ تھیلی خواہ مخواہ ہی مجھے تھموا دی ہیں کیسے اور کیونکر اس کی حفاظت کریں گے؟“ نور الدین نے پہلی بار اینجیلینا کو ازراہ مسخر مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے اینجیلینا! یہ نقدی کی تھیلی زیادہ قیمتی ہے یا تمہاری اپنی ذات؟“

اینجیلینا نے فوراً کہہ دیا۔ ”میں اپنی ذات کو اس تھیلی سے زیادہ قیمتی اور اہم سمجھتی ہوں۔“

اس پر نور الدین نے جھٹ کہا۔ ”جب تم اپنی ذات کو اس تھیلی سے زیادہ قیمتی تصور کرتی ہو اور تم اپنی ذات کی حفاظت بھی کر سکتی ہو۔ تو پھر اس تھیلی کی حفاظت کیوں نہیں کر سکتی؟“

اس پر اینجیلینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”آپ اس طرح مجھے قائل نہیں کر سکتے۔ اپنی ذات کی حفاظت ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اس میں میرا کیا کمال ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے اپنے باپ سے تھیلی تولے لی تھی لیکن اس کی حفاظت کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔“

نور الدین نے اس بار سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔ ”اے اینجیلینا۔ اس تھیلی کو تم فیحے کے اندر کہیں بھی رکھ دو۔ دن کے وقت تم یہاں ہو کر روگی تو اس کی حفاظت کر لیا کرو گی اور رات کے وقت میں اس کا محافظ ہوں گا۔“

اینجیلینا کچھ مطمئن سی ہو گئی، پراچانک ہی اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ ”اے امیر! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک گزارش کروں۔“

نور الدین نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور استفہامیہ انداز میں کہا۔ ”کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بُرا نہ مانوں گا بلکہ تمہاری بات غور سے سنوں۔“ اینجیلینا نے گہری اور سنجیدہ سی آواز میں پوچھا۔ ”اے امیر! میں اس لڑکی کا

نام تو جانتی ہوں جسے آپ پسند کرتے ہیں اور جسے آپ اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ اس کا نام اریہ ہے۔ پر اے امیر! کیا آپ یہ نہ بتائیں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ سمرقند کے کس حصے میں اس کا مکان ہے۔ تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے مجھ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اے امیر! میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اس لڑکی کو کیوں اپنا ساتھی بنایا۔ میں تو صرف یہ خواہش رکھتی ہوں۔ اس لڑکی کو دیکھوں، جو ایسی خوش قسمت، ایسی بلند نعت ثابت ہوئی ہے۔ یقیناً وہ مجھ سے زیادہ حسین اور پرکشش ہوگی۔ اسی لیے

نور الدین نے درمیان میں ہی بولتے ہوئے کہا۔ "اے اینجیلینا! ابھی اس لڑکی کے ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا اور جب ایسا وقت آیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اریہ کے گھر کا پتہ تمہیں بتا دوں گا بلکہ میں تمہیں اس سے ملا بھی دوں گا۔ وہ تمہارے سارے حالات سے آگاہ ہے اور وقتاً فوقتاً میں تمہاری باتیں بھی اس سے کہتا رہتا ہوں۔"

نور الدین کے اس جواب پر اینجیلینا کی گردن جھک گئی اور وہ تکلیف دہ یادوں میں کھو گئی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اور اینجیلینا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے نور الدین نے گویا اینجیلینا پر ایک نیا انکشاف کرنے کے انداز میں کہا۔ "اور اے اینجیلینا! اریہ نے تو تمہیں دیکھا بھی ہوا ہے۔"

اس پر اینجیلینا بے چاری چونک سی پڑی "اریہ نے مجھے دیکھا ہوا ہے؟ مگر کہاں اور کس جگہ؟"

نور الدین نے اس پر بے بسی کے سے اظہار میں کہا۔ "اس کا مجھے بھی علم نہیں کہ اس نے تمہیں کہاں دیکھا ہے۔ پر وہ بتا رہی تھی کہ اس نے تمہیں دیکھا ہوا ہے۔" اس پر اینجیلینا نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔ "اے امیر! کیا آپ مجھے اریہ سے ملا نہیں سکتے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے ملنے کے بعد میری ساری اذیتیں

اور کلفتیں جاتی رہیں گی۔

نور الدین نے دھیمی مگر نرم آواز میں کہا۔ "اے انجیلینا! انتظار کرو اس وقت کا جب ایسا ممکن ہو گا۔ اس وقت میں خود ہی تمہیں ارلیہ سے ملا دوں گا۔ اے انجیلینا! امیر تمہیں بھی مجھ سے کئی بار اس خواہش کا اظہار کر چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تمہارے حوالے سے چونکہ ارلیہ اب میری بیٹی ہے۔ لہذا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پر میں نے اسے بھی کہہ دیا تھا کہ ایسا میں مناسب وقت پر ہی کروں گا۔

انجیلینا نے اس بار اپنی آواز میں نور پیدا کرنے ہوئے کہا۔ "ایسا وقت کب آئے گا۔ اے امیر! کیا اس وقت جب مرجلی ہوں گی اور میری ہستی مٹی میں مل چکی ہوگی۔ کاش میں ارلیہ کو دیکھ سکتی۔ کاش میں آپ کی نفرت کا شکار نہ ہوتی۔

اے امیر! میری زندگی اس لمحہ بھر کے فکر جیسی ہے جو پریم رنگوں کو ترس گیا ہو۔ میری زندگی تنہائیوں کے اس گیت جیسی ہے جس کا کوئی سامع، کوئی قدردان نہ ہو۔ میری حالت اس شاعرِ آوارہ مزاج جیسی ہو کر رہ گئی ہے جو صبح و شام گرد و پیش کے ہنگاموں سے بے نیاز پیہم سکوت میں ڈوب رہتا ہو۔

اے امیر! میری حالت ایسے بے بس انسان جیسی ہے جو اپنی عزیز و محبوب شے کے پیار کی حسرت میں مگن و مطمئن تو رہتا ہو، پر ایسے حالات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر یہ اندازہ نہ لگا سکتا ہو کہ کوئی کس قدر اس سے نفرت اور اجنباب کرتا ہے اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

اے امیر! آپ کے سمرقند آنے سے قبل میں خوابوں سے بوجھل مولسری کے پھولوں جیسی چپ اور خاموش تھی۔ میں سحر کے ماتھے پر رکھے شبنم کے قطرے جیسی پد سکون تھی۔ میں دل میں اٹھنے والی دھنک حسرتِ قرب اور ترکِ مطلب کے غمِ پیہم سے بے خبر تھی۔ میں ان جذباتوں سے خالی تھی جو دل میں محبتوں کی تمازت، شعور میں چاہتوں کا گداز اور رُوح کے بجتے تاروں کے اندر سرشاری کی ٹھنڈی سانس اور بے نام مسرت کی بیداری پیدا کر دیتے ہیں۔

اے امیر! کاش میں پھولوں کی مہک ہوتی۔ ایک بے حس شوخ چمک ہی ہوتی۔
 نہ کسی کو میرا خیال نہ مجھے کسی اور کا احساس ہوتا۔ یا میں آئینہ فطرت کے اندر مقید کوئی غیر
 آباد رُوح ہی ہوتی اور اپنے لبِ خنداں پر بے وقار تبسم بکھیرے اس کائنات کے ابھرتے
 خدو خال صبح کے رُوپ، رات کی لذتِ تخلیق اور قوسِ فزح کے رنگوں کو ہی دیکھ دیکھ
 کر گزر بسر کرتی رہتی۔ کم از کم اس حالت میں مجھے سکون تو ملتا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اینجیلینا نے اپنی رُوح کے سارے
 غموں کو اپنی آواز میں بھرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! کیا میں اس نفرت، اس بیگانگی
 اس گھن اور بیزاری اور اس تلخی و غیریت کا اندازہ لگا سکتی ہوں جو آپ کو مجھ سے ہے؟“
 اینجیلینا کے اس استفسار کے جواب میں نور الدین نے گہرے تبسم میں کہا۔
 ”اے اینجیلینا! میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔ اے اینجیلینا! میں زندگی میں صرف ایک
 ہی بیوی رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس بیوی کا میں انتخاب کر چکا ہوں۔ اے اینجیلینا!
 میری زندگی میں اگر کوئی ایسا موڑ آگیا کہ میں نے دوسری بیوی کی ضرورت محسوس کی تو یاد
 رکھو وہ تم ہوگی۔“

نور الدین کے ان الفاظ پر اینجیلینا خاک نشینوں کے عروج جیسی حسین و دلنواز
 عارضوں سے پُرانی ہوئی تازگی جیسی خوشگوار اور ہونٹوں سے چھپنی ہوئی تازگی جیسی
 طرب انگیز ہو گئی تھی پھر اس نے انتہائی لطیف و نرم لہجے میں بولتے ہوئے کہا۔
 ”اے امیر! میری زندگی میں یہ پہلا موقع آیا ہے کہ میرا باپ مجھے اپنے مقام سے
 اُترا ہوا دکھائی دیا ہے۔ اے امیر! تمہور کسی اہم کام کے تحت روانہ کر رہے ہیں۔ اس
 کے لیے انہیں مکمل احکامات بھی مل چکے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے آپ سے جھوٹ
 بولا ہے کہ انہیں امیر تیمور نے طلب کیا ہے اور شاید وہ انہیں باہر بھیجنا چاہتے ہیں۔
 حالانکہ انہیں اس سلسلے میں سارے احکامات مل چکے ہیں۔“

اے امیر! میں نہیں جانتی کہ میرا باپ کس خطرناک مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ
 اس نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ تاہم ان کی واپسی پر میں ان سے کسی نہ کسی طرح

ہو چھ کر آپ کو ضرور آگاہ کر دوں گی۔“

اس پر نور الدین نے پُر سکون لہجے میں کہا: ”اگر تم ایسا کرو تو میں تمہارا ممنون ہوں گا۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ”اے اینجلینا! تم بیٹھو! میں اپنے اور تمہارے کھانے کا کمرہ آتا ہوں۔“ اور پھر نور الدین خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



پاکستانی
دارُ اِلَمِ
یادگارِ قلم



دشمن شہر کی تباہی و بربادی کے بعد تیمور نے بغداد کا رخ کیا۔ بغداد کے سلطان احمد کو جب خبر ہوئی کہ تیمور بغداد پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے دمشق سے روانہ ہو گیا ہے تو وہ بغداد کا دفاع اپنے سپہ سالار فراج کے حوالے کرنے کے بعد خود بھاگ کر سلطان بایزید یلدرم کے پاس چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے پناہ لے لی تھی۔

تیمور اُونٹ کے کجاوے پر بٹھا جنوب کی طرف تیزی سے منزلیں مارتا ہوا بغداد کے سامنے آنکھوں مار ہوا۔ بغداد کے سپہ سالار فراج نے ڈٹ کر تیمور کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بغداد کے اندر تیمور کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد تو تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ تاہم اسے دو چیزوں کی وجہ سے قوی اُمید تھی کہ بغداد کا دفاع کرنے میں کامیاب رہے گا۔

اول یہ کہ بغداد کی شہر پناہ کی سنگین دیواریں بڑی مضبوط اور سخت تھیں اور انہیں توڑ کر بغداد میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔ دوم یہ کہ بغداد میں ان دنوں غیر معمولی گرمی پڑ رہی تھی۔ اس لیے فراج کا خیال تھا کہ اگر وہ محاصرے کو طول دے گا تو تیمور اپنے تاتاری لشکر کے ساتھ بغداد کی گرمی برداشت نہ کرتے ہوئے محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہو جائے گا لیکن دوسری طرف تیمور بھی محتاط تھا۔ وہ زیادہ عرصہ تک بغداد کے

محاصرے میں اپنے آپ کو مصروف نہ رکھنا چاہتا تھا۔ ۱۔
اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے بغداد کو فتح کرنے میں زیادہ دن لگا دیے تو ہو سکتا ہے اہل بغداد کی حمایت میں سلطان بایزید ملیرم اس پر حملہ آور ہو جائے۔
لہذا اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بغیر کسی تاخیر کے بغداد کو اپنے سامنے زیر کرے گا۔
تاکہ سلطان بایزید کے خطرے سے بچ جائے۔

بغداد پہنچنے کے بعد تیمور نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ بغداد کی فصیل کے قریب اس نے اپنے لاکھوں گھڑ سواروں کو صف آرا کیا۔ پھر طبل، نقارے اور شہنائیاں بجائی گئیں اور باشندگان بغداد کو متاثر کرنے کے لیے ان لاکھوں گھڑ سواروں نے جنگی قواعد کا مظاہرہ کیا۔ لیکن تیمور کی یہ ترکیب ناکام رہی۔ اسے اُمید تھی کہ اہل بغداد خوفزدہ ہو کر شہر آپ سے آپ اس کے حوالے کر دیں گے لیکن اہل بغداد نہ تو متاثر ہوئے اور نہ ہی انہوں نے شہر تیمور کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا۔

اہل بغداد کی اس ہمت و جرات پر تیمور بڑا غضب ناک اور سیخ پا ہوا اور وہ بغداد کو تباہ و برباد کرنے کے دوسرے ذرائع سوچنے لگا۔ سب سے پہلے تیمور نے بغداد شہر کے جنوب میں دریائے دجلہ پر کشتیوں کا ایک پُل بنوایا تاکہ اس کے لشکر بغداد شہر کا محاصرہ کرتے وقت دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف آسانی کے ساتھ آجاسکیں اور یہ کہ جب وہ اپنے حملوں میں شدت پیدا کرے تو اہل بغداد کو آسانی سے بھاگ جانے کا موقع نہ ملے۔

ایسا کرنے کے بعد تیمور شہر کے مضافاتی علاقے پر حملہ آور ہوا۔ شہر کے اطراف میں تقریباً بارہ میل دور دور تک تیمور نے ساری سبقتوں کو لوٹ کر آگ لگا دی اور تباہی و بربادی کا وہ سماں پیش کیا جہاں اس سے قبل دیکھا نہ گیا تھا۔

شہر کے اطراف کو دیران اور کھنڈر کرنے کے بعد تیمور نے چاروں طرف اپنے لشکر کو پھیلا دیا تھا۔ اس کے بعد تیمور نے اپنے منصوبے کی ابتدا کی۔ اس نے قریبی جنگل سے درختوں کے بڑے بڑے تنے کٹوائے اور ان تنوں سے بغداد شہر کے

اطراف میں بلند ٹیلوں پر سوجی احرام تعمیر کرائے اور ان احرام کے اوپر اس نے منجیقین نصب کرنا شروع کر دی تھیں تاکہ سنگ باری کر کے بغداد شہر کی مضبوط فصیل کو توڑنے میں کامیابی حاصل کی جائے۔

اسی اثناء میں تیروں کی چھاؤں کے اندر تیمور نے اپنے نقب زن بھی کام پر لگا دیئے تھے تاکہ وہ شہر پناہ کی بنیادیں کھودنے کا کام شروع کر دیں۔ چند ہی دن کے اندر شہر پناہ کے اندر جگہ جگہ رخنے دکھائی دینے لگے تھے اور ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بغداد شہر اب تیمور کے سامنے فتح ہونے میں زیادہ دیر نہ لگائے گا لیکن بغداد کے سپہ سالار فراج نے انتہائی دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بغداد کی شہر پناہ کے پیچھے پتھر اور سونے کی کئی دیواریں کھڑی کر کے رکھ دی تھیں۔

اس طرح تیمور کو اپنے نقب لگانے کے کام میں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا تنگ آ کر تیمور کے سارے سالاروں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ جب تک شہر پر عام بھہ نہیں بولا جاتا اس وقت تک شہر فتح نہ ہوگا۔

تیمور نے اس ترکیب کو قبول کر لیا۔ نور الدین کو اس نے اس کے لشکر کے ساتھ بغداد کے صدر دروازے کی طرف رکھا اور ایک روز جب کہ معمول کی نسبت گرمی زیادہ پڑ رہی تھی اور عین دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے آنکھیں چنپ صائی جاتی تھیں اور شہر کا دفاع کرنے والے پاسبان فصیل پر سوکرا رام کر رہے تھے۔ تیمور نے بغداد شہر پر چاروں طرف سے حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

سب سے پہلے جو بغداد کی فصیل پر پہنچا وہ نور الدین تھا۔ اپنے چہیدہ چہیدہ دستوں کے ساتھ وہ فصیل پر قدم جانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس قبضے کو دراز کرتے ہوئے اس نے شہر کے صدر دروازے پر نور الدین نے تیمور کے گھوڑوں کی دُموں والا تاتاری پرچم گاڑ دیا تھا۔ پھر کیا تھا۔ جنگی طبل اور نقارے گرجنے لگے

یہاں تک کہ تفصیل سے نیچے اتر کر نور الدین نے شہر پناہ کے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا۔ اور صدر دروازے کے راستے اس کا سارا لشکر بغداد شہر میں داخل ہو گیا تھا لیکن شہر کے صدر دروازے پر تیمور کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین شہر پناہ پر پڑھنے کے بعد بغداد شہر کے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا ہے تو اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ اس سمت آیا۔

اپنے لشکر کو آگے بڑھنے سے روک کر نور الدین تیمور کی طرف آیا اور صدر دروازے کے قریب ہی اس نے اس کے گھوڑے کی باگیں پکڑتے ہوئے کہا۔

”اے اُقا! اب جب کہ اس صدر دروازے پر قبضہ کر کے ہم نے بغداد شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوا اگر ہم شہر کے اندر اپنی اسلامی روایات کا احترام کریں۔ اور اہل بغداد کو ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے انہیں معاف کر دیں۔ کیا ان کے لیے اس قدر ہی کافی نہیں ہے کہ ہم نے اُن کے نہ چاہنے کے باوجود شہر کو بڑا شیر فتح کر لیا۔“ اس پر تیمور اپنے گھوڑے سے اُترا اور نور الدین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

اس نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ ”اے نور الدین! میں تیری اس کارگزاری پر بھی خوش ہوں۔ کیا تو چاہتا ہے کہ ہم تیری اس ساری محنت کو اکارت، الا حاصل، بے کار اور ضائع ہی جانے دیں۔ نہیں نور الدین ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بغداد شہر کے اندر ہم اسلامی روایات نہیں بلکہ اپنی اور تاتاری جنگی روایات جاری کریں گے۔ تاکہ اہل بغداد کو خبر ہو کہ جو ہمارے سامنے محصور ہو کر ہمارا مقابلہ کرتے ہیں ان کا ہم کیا شہر کرتے ہیں۔“

نور الدین بے چارہ تو اپنی جان بھیلی پر رکھ کر بغداد کی تفصیل پر چڑھا اور شہر کے صدر دروازے پر قبضہ کرنے کے بعد اُسے اُمید تھی کہ تیمور نہ صرف اس کی اس کارگزاری پر خوش ہو گا بلکہ اس کے کہنے پر اہل بغداد کے لیے عام معافی کا اعلان بھی کر دے گا۔ لیکن تیمور نے نور الدین کی بات ماننے اور اہل بغداد کو معاف کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر نور الدین بے چارہ نہ کچھ کر سکا اور نہ کہہ سکا۔

تیمور نے صدر دروازے کے راستے داخل ہو کر شہر کے سارے دروازوں پر قبضہ کر لیا۔ شہر پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد تیمور نے وہی اعلان کیا جس کی اس سے

امید کی جاسکتی تھی۔ اس نے اعلان اپنے لشکر کو حکم دے دیا کہ بغداد شہر کو لوٹنے کے بعد اسے آگ لگا دی جائے۔

نور الدین بے چارہ انتہائی دکھ کے ساتھ اس اعلان کو سن رہا تھا تھا جب بغداد شہر کی لوٹ مار شروع ہوئی تو ایک کونے میں جا کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بغداد جو دارالاسلام کہلاتا تھا۔ اس روز تیمور نے اسے جہنم بنا کر رکھ دیا تھا۔ فرار آگے تھی میں بھاگ نکلا تھا۔ اس پر تیر اندازی کر کے اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

تیمور کے لشکر ہی ہر گھر کو لوٹ لوٹ کر اہل بغداد کو ذبح کرتے جا رہے تھے کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔ بغداد کے اندر اس روز نوے ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور مسلمانوں کے سروں کے پیس مینا رہائے گئے۔

تیمور کے حکم پر شہر کی تفصیل کو گرا دیا گیا اور شہر کو آگ لگا دی گئی تھی۔ یل بغداد صفحہ تاریخ سے تیمور نے مٹا کر رکھ دیا۔ گو اس کے کھنڈرات کو بعد میں پھر سے آباد ضرور کر لیا گیا لیکن دنیا کے اندر اس کی وہ اہمیت نہ رہی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔

تیمور نے اپنی مملکت کے اندر جگہ جگہ مٹا دھجوا کر بغداد کی فتح کر منادی کرائی اور ازراؤ مسخر اس نے ایک قاصد کے ہاتھ اس فتح کی خبر سلطان بایزید یلدرم کو بھی بھجوائی۔ سلطان بایزید یلدرم نے اس مبارک باد کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے بغداد کی اس تباہی پر دکھ اور غم کا اظہار کیا۔



بغداد کی تباہی و بربادی کے بعد تیمور نے اپنے ہزار لشکر کے ساتھ انقرہ کے ان میدانوں کا رخ کر لیا۔ جہاں ان دنوں سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ

لے ماحوذ از کتاب امیر تیمور

لے ہیر لڈلیم نے تیمور کے ہاتھوں بغداد کے اندر قتل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد نوے ہزار ہی لکھی ہے۔

خیمہ زن تھے اور جن میدانوں کے اندر سلطان بایزید یلدرم خیمہ زن تھا۔ وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے لشکر مستفید ہوتا تھا۔ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اسی چشمے کے دہری حصے پر خیمہ زن ہوا۔

تیمور نے یہاں ایک انتہائی بدترین اور غیر انسانی فعل یہ کیا کہ جس روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو کر فیصلہ کن جنگ کی ابتدا کرنا تھی۔ اسی دن کا سورج طلوع ہونے سے قبل رات ہی کو اس نے اپنے لیے توپانی کی کافی مقدار ذخیرہ کر لی۔ پھر اس نے ایسا کیا کہ چشمے میں اس نے انتہائی ہلک زہر ٹلوا دیا تھا۔ انہی فتنہ کو یقینی بنانے کے لیے تیمور بد سے بدترین حرکتوں پر اتر آیا تھا۔

تیمور کو سلطان بایزید یلدرم کے مقابلہ میں فتح کا بالکل کوئی یقین نہ تھا۔ اس کی غیر یقینی کا یہ عالم تھا کہ بغداد تک اس کے حرم کی عورتیں اور ملکہ برائے خاتم کے علاوہ اس کی بہو خانزادہ بھی اس کے ساتھ تھی لیکن بغداد سے انقرہ کی طرف روانگی سے قبل اس نے اپنی ساری خواتین کو حفظ ماتقدم کے طور پر سلطانیہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ بہر حال اپنے لیے سلطان بایزید کے خطرے کو ٹالنے کے لیے تیمور انسانیت

سے گری ہوئی ہر حرکت پر اتر آیا تھا۔ چشمے میں زہر ملا دینے کے باعث سلطان بایزید کے کافی لشکر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہذا سلطان بایزید کے لشکر نے اس چشمے سے پانی حاصل کرنا ترک کر دیا تھا۔ سلطان بایزید کا خیال تھا کہ وہ سورج طلوع ہونے کے بعد اپنے لشکر کے لیے پانی کا انتظام کریں گے کیوں کہ ان کے لشکر کا ایک بڑا حصہ پیاسا تھا لیکن نفس پرست اور شرپند تیمور نے تو ان ہی حالات سے فائدہ حاصل کرنے

کی ٹھان لی تھی۔ لہذا دوسرے روز اس نے سلطان بایزید کو اپنے لشکر کے لیے پانی حاصل کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور جنگ کے لیے اپنے لشکر کو صف آرا کر لیا۔ مگر سلطان بایزید یلدرم بھی اپنے پیاسے اور پانی کی بندوبزد کو ترستے لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے صف آرا ہو گئے تھے۔

تیمور اپنے لشکر کے وسط میں رہا۔ میمنہ پر اس نے نور الدین کو رکھا۔ میمہ

محمد سلطان اور اس کے علاوہ اس نے ایک فالتو لشکر تیار کیا جو اس نے پیر محمد کی کمانداری میں رکھا تھا۔ اپنے بیٹے شاہرخ کو تیمور نے اپنے ساتھ قلب میں رکھا۔ بہر حال جنگ کی ابتدا ہوئی۔

تیمور نے سب سے پہلے پیر محمد کے لشکر کو آگے بڑھایا۔ دوسری طرف سلطان بایزید یلدرم نے اپنے ہونا را اور قابل ترین بیٹے شہزادہ محمد کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔

بایزید کے بیٹے شہزادہ محمد کا یہ حملہ ایسا دلیرانہ اور فیصلہ کن تھا کہ شہزادہ محمد کی کمانداری میں لڑنے والے ترکوں نے پیسا ہونے کے باوجود ایسا جان لیوا حملہ کیا کہ لمحوں کے اندر پیسا سے ترکوں نے پیر محمد کی کمانداری میں لڑنے والے تاتاریوں کو چیر کاٹ کر رکھ دیا تھا اور شہزادہ پیر محمد بڑی طرح پیسا ہو کر واپس بھاگا تھا۔

پیر محمد کے ساتھ تقریباً چالیس ہزار کا لشکر تھا اور اس لشکر کی ساری ہی صفوں کو سلطان بایزید کے بیٹے شہزادہ محمد نے اکثر کو کاٹ کر رکھ دیا اور باقی کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان بھاگنے والوں میں تیمور کا پوتا پیر محمد بھی شامل تھا۔ سلطان بایزید کے دوسرے بیٹے موسیٰ اور عیسیٰ اپنے بھائی محمد کی طرح تیمور کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ محمد کے مقابلے میں پیر محمد ناکام رہا تھا اور بایزید کے بیٹے عیسیٰ کے مقابلے میں محمد سلطان بھی ناکام رہا تھا۔

تیمور کے لشکر میں صرف نور الدین ایک ایسا سالار تھا جو بایزید کے بیٹے موسیٰ کو پیسا کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ مجموعی طور پر پیسا سے ترک چنگاڑتے طوفانوں تقدیر کے عذاب، سطوت و جبروت، اندھیروں کے خوابوں، سلگتی ریت کے صحرا۔ کرب کے بے کراں ساسلوں اور موجوں کے تھپیڑوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ ترکوں کی حالت تاتاریوں کے سامنے ایسی ہی تھی جیسے وہ ظالم کے سامنے

دبنا اور متکبر کے سامنے جھکنا نہیں جانتے۔ وہ راستوں کو ڈھانپتی شام کی دھند کی طرح دشمن کے اندر پھیلتے جا رہے تھے۔ تیمور کے لشکریوں کی انیٹھی گرویں بڑھی ہوئیاں اُترنے اور ڈھلنے لگی تھیں۔

بہر حال ترک صحرا کی غیر محدود وسعتیں، آغاز زندگی کے اسرار و رموز، ہولناک طاقت و رقت اور خوفناک سیاہ رات کی طرح تاتاریوں پر چھانے لگے تھے۔ جنگ اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ اطاعت پیشہ غلاموں کی طرح دونوں طرف سے سپاہی کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ موت کے نیچے منور آندھی کی طرح ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے تھے۔ عمل اور تمناؤں کے درمیان ایک کش مکش کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ زندگی اور زیست کے ابھیر اور اُجالے ایک دوسرے کے خلاف دست و گریبان ہو گئے تھے۔

اپنے لشکر کی حالت دیکھتے ہوئے تیمور کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی شکست یقینی ہے۔ اسی لمحہ اس کے لشکر کے سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑتے ہی بھاگنے لگے۔ اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھ کر تیمور بھی وہاں سے بھاگ نکلنے کی فکر میں تھا۔ لیکن اُسی لمحہ سلطان بایزید کے لشکر سے فدا ر سلجوقی نکل کر تیمور کے لشکر میں آئے۔ یورپ کے رضا کار دستے بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان کے علاوہ سلطان بایزید کے لشکر میں شامل سیٹھیں اور پارٹھین اسقف یوحنا کے ساتھ پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق سلطان بایزید کا لشکر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اب تیمور کے لشکر کی تعداد بایزید کے لشکر کے مقابلے میں بیس گنا کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ تاہم سلجوقیوں، یورپی، نصرانیوں، سیٹھیں اور پارٹھین کے لشکر سے نکل جانے کے بعد گو سلطان کے لشکر کی تعداد انتہائی کم ہو کر رہ گئی تھی لیکن پھر

۱۵ بحیرہ حزر کے جنوب مشرق کی ایک وحشی قوم۔

۱۶ وسط ایشیا کی ایک غیر مذہب قوم تھی جو بحیرہ اسود کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئی تھی۔

بھی انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔

لیکن خداوند کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سلجوقیوں، پارٹھین اور ستیجیوں کے غداری کرنے کے بعد تیمور نے سلطان بایزید کے لشکر پر عام حملہ کر دیا تھا۔ بایزید کا لشکر اب بالکل ہی مختصر ہو کر رہ گیا تھا، تیمور کے اس یک بارگی اور زوردار حملے کو ترک برداشت نہ کر سکے۔ لہذا تیمور کو فتح نصیب ہوئی۔ سلطان بایزید کو شکست ہوئی۔ لہذا سے زندہ گرفتار کر لیا تھا۔

جس وقت تیمور کو اس فتح کی خوشخبری دی گئی تھی۔ اس وقت تیمور اپنے بیٹے شاہین کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ جب سلطان بایزید کو سیلوں میں جکڑ کر تیمور کے سامنے پیش کرنے کو لایا گیا۔ تیمور نے اپنے غیصے سے باہر نکل کر بایزید کا استقبال کیا اور سلطان بایزید کی طرف دیکھتے ہوئے تیمور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

سلطان بایزید نے تیمور کی اس متکبرانہ مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔
اے تیمور تاتاری! جس پر میرے خدا نے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے مصیبت ڈالی ہو اس پر کسی بھی صورت میں ہنسنا نہ چاہیے۔

اس پر تیمور نے پھر طنزیہ انداز میں سلطان بایزید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
اے بردہ کے قیدی سلطان! میں تسلیم کرتا ہوں کہ تو نے یورپی قوتوں کو اپنے سلف مجبور و بے بس کیا۔ پر کیا تو اب خود ویسا ہی میرے سامنے مجبور اور بے بس نہیں ہے اسکا تم تسلیم نہیں کرتے ہو کہ جنگی فنون اور عسکری مہارت میں تمہیں مکمل طور پر میں نے اپنے سلف زیر کر کے رکھ دیا ہے اور تو یہ بھی دیکھتا ہے کہ تیرے بیٹے بھی میدان جنگ سے فرار ہو گئے ہیں، ہاں تیرا ایک بیٹا کہ جس کا نام موسیٰ ہے تیرے ساتھ ہی گرفتار ہو چکا۔ تو کیا تو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ میں نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر تیرے لشکر کو تباہ کر دیا اور میں یہ بھی گمان کرتا ہوں کہ تمہاری اس ہولناک اور بدترین شکست کے ساتھ عثمانی سلطنت کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے۔

بایزید نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا۔ اے تیمور تاتاری! تو لے

جنگی مارستا اور فنون سپہ گری کے بل بوتے پر مجھے اپنے سامنے زیر نہیں کیا۔ تو نے عیاری اور دھوکہ دہی سے کام لیا۔ تو نے اندر ہی اندر مسکوتہ قیوں احمدیہ کی نصرائیوں کے ساتھ ساز بازی کی اور وہ عین اس وقت مجھ سے علیحدہ ہو کر تمہارے ساتھ مل گئے جب تمہارے انگریکے قدم اکھڑ چکے تھے اور تھوڑی ہی دیر بعد تمہارے لشکر میں فرار، افراتفری اور جگمگ رنج جانی تھی۔

قسم خداوند کی اگر تم مکاری اور دغا بازی سے کام نہ لیتے تو میں یقیناً تمہارا نقاب کرتا۔ تم سے بغاوت کے مسلمانوں کا خون بہا وصول کرتا۔ تم سے دشق اور حلب کے بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کا حساب طلب کرتا۔

اے تیمور! تو مکر و فریب کاری سے کام نہ لیتا تو جس طرح آج میں تمہارے سامنے رسیوں میں جکڑا کھڑا ہوں۔ ایسے ہی تم میرے سامنے لاچار دبے بس کھڑے ہوتے۔

اے تیمور! جو مکر و فریب کاری تو نے کی ہے۔ ایسی فریب کاری تو صلیبی جنگوں میں استعمال کرنا تو دور کی بات ہے میں نے ان سے متعلق کبھی سوچا تک نہیں ہے۔ اے تیمور! تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ذرا عالم اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑا۔ کیا تجھے کوئی ایسا حکمران دکھائی دیتا ہے جو تیری طرح مکر و فریب سے کام لینے والا ہو اور وہ بھی اپنے مسلمان بھائی کے خلاف ربا سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ سے متعلق تیرا گمان تو سن رکھ، قوموں کا یہ دوج و زوال میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اللہ میں کے مقتدر میں چاہتا ہے ذلت بھر دیتا ہے۔

یہ بھی سن رکھ اے تیمور! تیرا اور تیری حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا جب کہ عثمانی سلطنت پہلے سے بھی زیادہ پُر قوت ہو کر دنیا کے سامنے آئے گی۔

سلطان بایزید کی اس گفتگو کا تیمور کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے سلطان بایزید کے رسیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں کھلوا دیئے اور پھر لوہے کے ایک مضبوط پنجرے میں بند کر دیا تھا۔

انقرہ کے میدانوں میں سلطان بایزید ملیدرم کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے ساتھ ہی تیمور نے نورالدین کو بروصہ شہر فتح کرنے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ محمد سلطان کو بھی وہ نورالدین کے ساتھ روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن انقرہ کی اس جنگ کے دوران شہزادہ محمد سلطان چونکہ زخمی ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ شاہی طبیبوں کے زیرِ علاج تھا۔ اس لیے نورالدین اکیلا ہی اپنے لشکر کے ساتھ بروصہ شہر کی طرف بڑھا تھا۔

تیمور کی روایات کے خلاف نورالدین نے بڑی شرافت اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ بروصہ شہر کو فتح کر لیا اور بغیر کسی خون ریزی، بغیر کسی لوٹ مار اور قتل و غارت کے اس نے شہر پر قبضہ کیا اور پھر انقرہ کے میدانوں کی طرف لوٹ گیا تھا جہاں تیمور ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

انقرہ کی فتح کے بعد تیمور نے ایک اور بدترین کام کیا اور وہ یہ کہ اس فتح کے چند روز بعد اس نے فتح کا جشن منانے کا اہتمام کیا۔ کھلے میدان کے اندر شامیانے نصب کیے گئے تھے۔ اپنے لشکر کے سارے سالاروں، کمانداروں اور رؤساء اور اُمراء کو اس نے اس جشن میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔

اس کے علاوہ اس شامیانے کے اندر اس نے ایک شہ نشین بھی تیار کی۔ اس شہ نشین پر اس نے لوہے کے پنجرے میں بند سلطان بایزید کو رکھا اور اس کے قریب ہی اس کے اسیر بیٹے کو بٹھایا۔

اس جشن کے اندر اُن گنت تعداد میں عمدہ اور نفیس شراب کے ٹکے، گھڑے اور جام صراحیاں رکھی گئی تھیں۔ پھر تیمور نے سب سے بڑی بدتمیزی یہ کی کہ سلطان بایزید کی بیویوں اور شاہی خاندان کی اسیر لڑکیوں کو اس نے وہاں طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ شراب کی صراحیاں اٹھائیں اور شراب کے جام بھر بھر کر اس کے سرواقل کو پیش کریں۔

نورالدین عین اس شہ نشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جس پر سلطان بایزید اپنی پنجرے کے اندر بند تھا۔ اس کے دائیں طرف تیمور اور اس کا بیٹا شاہ رخ تھے جب کہ

بائیں طرف خنزادہ پیر محمد اور پھر دوسرے تاتاری سالار تھے۔

سلطان بایزید کے شاہی خاندان کی ایک انتہائی خوب صورت اور نوعمر لڑکی بغل میں شراب کی صُراحی لیے اور ایک باریک جالی مار کپڑے میں ڈھیر سارے خوبصورت جام لیے ان کی طرف بڑھی۔

پہلے اس نے جام بھر کر تمیور کو پیش کیا اور اس نے لے لیا۔ پھر شاہ رخ کو پیش کیا۔ شاہ نشین پر اپنی پنجرے میں بند سلطان بایزید اور ان کے بیٹے موسیٰ نے یہ کر بناک اور شرمناک منظر دیکھتے ہوئے انتہائی بے بسی کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

جب اس نے تیسرا جام بھر کر نور الدین کو پیش کیا تو نور الدین نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ ”اے میری بہن! میں شراب نہیں پیتا۔“

وہ لڑکی رُک گئی۔ چند ثانیوں تک وہ حیرت و پریشانی میں جذبات میں نور الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ”اے میرے تاتاری بھائی! کیا تاتاریوں کے اندر بھی ایسے جوان ہیں جن کی نگاہوں میں ملت کی بیٹیاں بہنیں ہیں۔“

نور الدین نے اپنی نگاہوں کو جھکائے ہی جھکائے پہلے کی نسبت بلند اور واضح آواز میں کہا۔ ”اے میری بہن! تاتاریوں کے اندر بھی ملت کا درو رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اے میری بہن! تم صرف ترکوں اور تاتاریوں کی بیٹی نہیں ہو بلکہ ہر مسلمان عورت دہلی سے نائیکو پولس اور طنجہ سے لے کر سمرقند تک کسی کی بہن، کسی کی بیٹی اور کسی کی ماں ہو۔“

سو اے میری بہن! تو صرف ایک میری ہی نہیں لاکھوں بھائیوں کی بہن ہے۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ اس وقت حالات نے تجھے اپنے ہی بھائیوں اور اپنے ہی سر پتوں کے سامنے بے بس و مجبور بنا کر رکھ دیا ہے۔

نور الدین کی اس گفتگو پر وہ لڑکی رونے لگی تھی۔ شاہ نشین پر بیٹھے سلطان بایزید

اور ان کا بیٹا موسیٰ دونوں اب آنکھیں کھول کر غور سے نور الدین کی طرف دیکھنے کے علاوہ ان دونوں کی گفتگو بھی بڑے انہماک سے سُن رہے تھے۔ جب کہ اس گفتگو پر تیمور نا پسندیدہ لگا ہوں سے نور الدین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اب وہ لڑکی نور الدین سے آگے بڑھ کر پیر محمد اور دوسرے تاناری امراء کو شراب کے جام بھر بھر کر پیش کرنے لگی تھی۔

نور الدین نے ایک گہری نگاہ اپنے سامنے ڈالی جہاں تیمور کے اندھے حکم پر سلطان بایزید کی بیویاں، بیٹیاں اور اس کی بہوئیں شراب کی صحرا حیاں اٹھائے لوگوں کو جام بھر بھر کر پیش کرتی ہوئیں ساتی و معضل کا کام سرانجام دے رہی تھیں۔

اس بھیانک منظر کو نور الدین برداشت نہ کر سکا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے اپنی گردن اپنے گریبان میں ڈال دی تھی۔

نور الدین کے پاس سے گزر کر ذرا آگے جانے کے بعد وہ حسین اور سلطان بایزید کے شاہی خاندان کی لڑکی جس وقت تاناری سرداروں کو شراب کے جام بھر بھر کر پیش کر رہی تھی تو اچانک ایک تاناری سردار نے اس لڑکی سے جام لینے کے بعد اس کا بازو پکڑ لیا اور بڑی بے باکی سے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس نے کہا: ”اے بنتِ حوا! کافسوں! اے سراپا قیامت! اس ارغوانی شراب کی نسبت ہم تو تیری ضرورت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔“

وہ لڑکی بے چاری اپنا بازو چھڑانے کے علاوہ مدد کے لیے چیخ پکار بھی کرنے لگی تھی۔ شرہ نشین پر بے بس و مجبور بیٹھے سلطان بایزید اور موسیٰ دونوں بے چین و بیتاب ہو کر اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

تیمور کے چہرے پر اس لمحہ معنی خیز اور طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ کچھ ایسے انداز کی مسکراہٹ جیسے اسے اپنے اس رئیس سے اس لڑکی کے لیے ایسے ہی رویے کی اُمید تھی۔

نور الدین نے جب اس لڑکی کی درد بھری آوازیں اور اس کا نالہ و بکا سنا تو وہ

بے چین و مضطرب اور بے قرار سا ہو کر بلاتامل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جب دیکھا کہ ایک تاتاری سردار نے اس لڑکی کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے اور وہ لڑکی اپنا بازو چھڑانے کی ناکام جدوجہد کر رہی ہے۔

نورالدین نے فوراً اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ جہنم سے زیادہ آتش ناک اور تلخی و تاریکی کے رازہائے سر بہتر کی طرح وہ اس تاتاری سردار کی طرف بڑھتا تھا۔ اس تاتاری سردار نے بھی نورالدین کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہذا اس نے فوراً اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ قوس قزح کے رنگوں، تاروں کے گیتوں اور موجِ نگہت جیسی حسین و پرکشش لڑکی صراحی بر بغل اور جام بکف ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

اس وقت نورالدین کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اس لڑکی کی چیخ و پکار نے اس کی رگوں میں بجلیاں، سینے میں انگارے، دل میں تڑپ اور نگاہوں میں چنگاریاں بھر دی ہوں۔ نورالدین کو اپنے قریب آتے دیکھ کر وہ تاتاری سردار بھی پریشان اور فکر مند ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس تاتاری سردار کے سامنے آکر چند ثانیوں تک نورالدین نے اسے غور سے دیکھا پھر ہزاروں سلگتی ساعتوں، تیز غزائی موجوں اور جنونی دنگ دینے والی آندھیوں کے سے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے نورالدین نے پوچھا۔

”اے مورکھ انسان! اے بد نخت ابلیس زادے! کیا تیرے گھر پر تیری کوئی بہن، کوئی ماں، کوئی بیٹی نہیں ہے جو تُو نے اس معصوم لڑکی کو بدی اور گناہ کی دعوت دی ہے۔ تُو نے کیا سمجھ کر اس کا ہاتھ پکڑا کہ تقدیر کے اندھے گڑھوں میں اور پھرے ہوئے تن طوفانوں کے اندر کوئی اس کا پرسان حال، کوئی وارث نہیں ہے۔“

سن رکھ! یہ لڑکی ایک ملت، ایک قوم کی بیٹی! تُو نے کیا سمجھ کر اسے دعوتِ گناہ دی کہ یہ ایسے سلطان کی اولاد ہے جسے حالات اور ناموافق تقدیر نے زیر دست بنا کر رکھ دیا ہے۔ اے نامراد انسان! تیرے جیسے گمراہ ہی جہالت و گمراہی کے لحاف میں ملت کی آبرو اور قوم کے درد کو فراموش کر دیتے ہیں۔ تیرے جیسے انسان ہی مکاری

کو ذہانت، کمزوری کو نرم دلی اور بزدلی کو بے نیازی کا رنگ دینے والے ہوتے ہیں۔
 ذرا رک کر نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ تیرے جیسے عصمتوں کے بیوپاری کو زندہ رہنا
 کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے گرائی اور اس سزا
 کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

فتح کے جتن میں حصہ لینے والے لوگوں کے دلوں میں اس حادثہ کے باعث ایک خوف
 و ہراس طاری ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اپنے اپنے جام اپنے ہاتھ سے رکھ دیئے تھے۔ شاہی
 خاندان کی جن خواتین سے ساتی گری کا کام لیا جا رہا تھا وہ بدک کر اور خوف زدہ ہوتی
 ہوئیں ایک جگہ کھڑی ہو گئی تھیں۔

شہ نشین پر پڑے سلطان بایزید اور موسیٰ کی نگاہوں میں اطمینان تھا اور وہ
 داد دیتی ہوئی نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں تیمور اپنی جگہ پر
 اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت نفس نفس کے بیاباں میں خزاں کی پیاس جیسی ہو رہی تھی پھر
 اس نے اپنے محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے چلا کر کہا۔ "نور الدین ایک عظیم تاناری سردار
 کو قتل کر چکا ہے۔ لہذا اس قاتل اور سرکش کو بیڑیاں پہنا کر میرے حضور پیش کرو۔"

نور الدین نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے تیمور کی
 طرف دیکھے بغیر کہا۔ "صرف بیڑیاں نہیں اجل کی بیڑیاں پہنا دو۔ میں یہیں کھڑا ہوں و
 اس وقت تک حرکت نہ کروں گا جب تک بیڑیاں نہ پہنا دی جائیں۔"

نور الدین جب خاموش ہوا تو شہ نشین پر آہنی پنجرے میں بند سلطان بایزید
 نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے عزیز! میرا نام نور الدین لیا گیا ہے میں
 نہیں جانتا تو کون ہے اور اس تیمور تاناری کے شکر میں تیری کیا حیثیت اور کیا مقام ہے
 لیکن میں اہلیسوں کے اندر ایک فرشتہ، بھڑکیوں کے اندر ایک مہینہ، جہنم کی آتش نالی میں
 ایک پھول، بھوک کی تنگی تہذیب کے اندر چپ کا ایک گہرا بھید۔ ظلمت کے زندان کے
 اندر ایک زندہ ضمیر اور ذلت و پستی کے انباروں کے اندر فطرت کی پاکیزگی اور نظامت
 دیکھ رہا ہوں۔ اے میرے عزیز! قسم خداوند کی بے حس کی لمبی راتوں اور بارود کی صلیبوں

کے اندر تیری صورت میں طرزِ مسلمانِ دیکھ رہا ہوں۔

اے نور الدین! کاش تو میرے لشکر میں شامل ہوتا اور میں تیری قدر مافی کرتا۔ جو کام تو نے سرانجام دیا ہے۔ اس پر تجھے اجل کی بیڑیاں نہ پہناتا۔ تجھے فطرت کا جلال اور دلوں کا سکون جان کر نسلوں اور صدیوں کی آہ و بکا، زندگی کے اندھیرے اُجالوں اور دشمنوں کی نفرتوں کی کوری دھوپ سے تیری حفاظت کرتا۔

اے میرے عزیز! تو اس وقت میرے سلمنے آیا۔ جب میں اس آہنی پنجرے میں بند ہوں۔ میں اس حالت میں نہیں کہ گدھوں کی خوشی چونچوں، ظلم کی کالی گارٹھی چپ لہل نہریلی ہواؤں کی مار اور موت کی دیمک سے تیری حفاظت کر سکوں۔

اے میرے عزیز! اگر تو میری اس بے بسی سے پہلے میرے پاس آیا ہوتا، تو قسمِ خدائے واحد کی میں بد نصیبی کے سایوں اور مہنگا مہ مرگ سے تیری خوب حفاظت کرتا۔ سلطان بایزید کی اس گفتگو کے جواب میں نور الدین نے جھکی جھکی گودن کے ساتھ کہا۔

سلطان محترم! پانی رواں ہو تو پانی رہتا ہے۔ ورنہ غلاطت بھل جو ہڑبن کر رہ جاتا ہے۔ ہماری حالت بھی اس گندے جو ہڑ جیسی ہے جو اوروں کو بدبو اور تعفن کے علاوہ کچھ نہیں دیتا۔

سلطان محترم! ہم راہ گم کردہ مسافر ہیں اور الم پندی کی زندگی بسر کرتے کرتے ہم لوگ اپنے پرانے کی تمیز بھول چکے ہیں۔

سلطان محترم! کاش میں اس قابل ہوتا کہ آپ کو اس آہنی پنجرے سے نجات دے سکتا۔ کاش میں اس قابل ہوتا کہ آپ کو صدیوں جیسے بے کسی کے لمحات اور سگستی انتہائے زندگی سے رہائی دلا سکتا۔ کاش میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا۔

نور الدین اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ کیوں کہ اس کی آواز ڈوب گئی تھی اور گردن اور زباہ جھک گئی تھی۔ اس موقع پر سلطان بایزید یلدرم نور الدین سے کچھ کہنا چاہتا تھا پر خاموش ہی رہے۔ اس لیے کہ تیمور کے محافظ وہاں آگئے تھے اور وہ نور الدین کو آہنی

بیڑیاں پہنانے لگے تھے۔ کچھ محافظوں نے نور الدین کی کمر سے اس کی تلوار اور خنجر کی پٹی بھی اتار لی تھی۔

نور الدین کو پکڑ کر جب تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو چند ثانوں تک تیمور اُسے ایک آمر کی پوری رعونت کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کیا۔
 ”اے نور الدین! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے ایک ترک لڑکی کی خاطر اپنے ایک عظیم تاتاری سردار کو کیوں قتل کیا۔ کیا تیرے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔“

نور الدین نے آہستہ آہستہ اپنی گردن سیدھی کی، تیمور کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنی چھاتی تان لی اور انتائی بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اے آقا! اقل بات یہ کہ وہ لڑکی ترک نہیں مسلمان ہے۔ کہ مسلمان ترک و تاتاری کی تمیز سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے اور پھر جس سردار کو میں نے قتل کیا ہے، وہ تاتاری ضرور تھا پر مسلمان نہ تھا۔ کیا اسلام اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی ہی بیٹی کا بازو پکڑ کر اس کو بدی پر مائل کرے۔“

اے آقا! اگر اسلام اس کی اجازت دیتا ہے تو میں ہلزا کے لیے حاضر ہوں اور اگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تو پھر میں حق پر ہوں۔

اے آقا! آپ کے سوال کے جواب میں میری ایک بات ختم ہوئی۔ اب میں اپنی دوسری بات کی ابتدا کرتا ہوں۔ اے آقا! تو نے ہندوستان کی سرزمین میں تلنبہ اور شہر شامہ نواز کے بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ گھروں کو لوٹا، کھیت کھلیا توں کو جلایا۔ اے آقا! تو نے بلادِ جہ دہلی میں قتل عام کیا۔ گلی کوچوں میں خون بہایا۔ بے گناہوں کے حلقوم کاٹے۔

اے آقا! تو نے دمشق شہر کو لوٹ کر اسے آگ لگا دی۔ مسجدوں تک کو جلایا کر خاکستر کر دیا اور ان گنت مسلمانوں کا خون بہایا۔ اے آقا! تو نے حلب شہر میں خونخواری اور غارت گری کا مظاہرہ کیا۔ اے آقا! تو نے ملطیہ شہر کو لوٹا اور وہاں آتش زنی کا بدترین مظاہرہ کیا۔ اے آقا! تو نے اسلام کے مرکز اور دارالسلام بغداد

کے ساتھ ہلاک و خاں سے بھی بدترین سلوک کیا۔ شہر کو تو نے جی بھر کر لوٹا۔ گھروں اور عبادت گاہوں کو جلایا اور وہاں تو نے بغیر کسی وجہ کے نوے ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

اے آقا! اگر کوئی انسان تجھ سے تیرے ان بھیانک جرائم کا حساب اور وجہ طلب نہیں کر سکتا تو حشر کے روز خدا تو اس کی جواب طلبی کرے گا۔ اس لیے کہ وہ امیرون کا امیر، بادشاہوں کا بادشاہ اور سلطانوں کا سلطان ہے۔

اے آقا! میں نے اپنی ملت کی ایک بیٹی کی عزت و عصمت کی حفاظت میں ابلیس کے ایک نمائندے اور بدی کے ایک گماشتے کی گردن کاٹی ہے اور تو نے مجھے آہنی بیڑیاں پہنا کر اپنے سامنے پیش کر لیا۔ میری ان ساری قربانیوں اور کارکردگیوں کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے جو میں نے تمہارے ساتھ کیں۔ پر اے آقا! نیکی کے فروغ میں ایک ستر قلم کرنے کی میری اگر یہ سزا ہے تو پھر ذرا سوچو، تم نے بھی تک جو لاکھوں بے گناہوں کے ستر قلم کیے ہیں، گلی کوچوں میں جو خون بہایا ہے اور آتش زنی کی ہے اس کی میرے رب کے ہاں کیسی بھیانک اور عبرت نیز سزا ہوگی۔

نورالدین دم لینے کو رکا پھر وہ بے روک آندھی کے سے انداز میں کتا چلا گیا اے آقا! تم میرے لیے جو چاہے سزا جاری کرو۔ مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا۔ میرا ضمیر اور میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے ایک ملت فروش، ایک قوم دشمن اور ایک بدکار انسان کو قتل کیا ہے۔

اے آقا! میرے لیے تم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہو کہ میری گردن کاٹ سکتے ہو۔ لیکن ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے دل اور ضمیر کو بے دار کر کے اپنے لیے بھی کوئی سزا تجویز کرو کہ تم نے ان گنت عورتوں کو بیوہ کیا، بچوں کو یتیم اور ہنستے بے شہرہ اور بستیوں کو تباہ و برباد کیا۔ تو نے ان غیار سے نہیں اپنے ہی مسلمانوں سے خون کے نذرانے طلب کیے۔

اے آقا! قسم مجھے اپنے رب اور اس کے جلال کی، تیری پنچتہ عمری کی

دانش مندی میں باغیانہ ہنگامے، تیرے بڑھاپے کی دانائی میں ذہانت پر مکاری کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ تیرا نفس خون کا پیا سا ہے۔ تیری باتوں کی دل کشی کے ساتھ کراہت، تیرے سلوک کی نرمی کے ساتھ خباثت اور تیری مہمردیوں کے ساتھ اذیت ناک خرخراہٹ بھری ہوئی ہے۔ جب تک کوئی تیرے ساتھ اطاعت پیشہ غلام اور پابہ زنجیر قیدی کی طرح کام کرتا رہے تو اس سے خوش رہتا ہے جب تک کوئی اپنی گردن کو بوجھ تلے دبا کر اور اپنی کلائیوں کو باندھ کر تیرے حضور خمیدہ رہے تو اس سے مطمئن رہتا ہے۔ پر جب کوئی تیرے سامنے اپنی گردن سیدھی کرے اپنی چھاتی تلے اور تیرے ناپسندیدہ اعمال پر انگشت نمائی کرے تو اس کے لیے تو اندراجن جیسا کڑوا، کچھے انگوروں جیسا ترش رو، بھسپی کے سایوں جیسا بے برگ و بے بار انسان بن کر رہ جاتا ہے۔

نور الدین خاموش ہو گیا۔ تیمور نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ابھی وقت ہے، کچھ اور بھی کہنا چاہو تو میرے خلاف کہہ لو۔ شاید پھر تمہیں اس کا موقع نہ ملے۔ اس کے بعد میں تمہارے لیے سزا تجویز کروں گا۔“

نور الدین نے تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! اب جب کہ میرے مقتدر میں تیرے ہاتھوں میری موت لکھی ہی جا چکی ہے تو میں ضرور تیرے کہنے پر تیرے خلاف اور بہت کچھ کہنا پسند کروں گا۔ تیرے ہاں ماتھے کے پسینے اور پلکوں کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہیں ہے۔ تو اپنوں پر ہی بد بختی کے سمندر، منحوس جہڑے کھولے موت، جبر و ستم کی چٹان اور سوگ کا عصا بن کر نمودار ہوا۔ اپنوں کو ٹوٹنے، محکومیت کی قید، دل گرفتگی میں جکڑا۔ تیرے اعمال سیاہ اور بے سایہ ہیں۔ تیرے حُسن میں کوئی عمل اور تیرے عمل میں کوئی حُسن نہیں ہے۔“

یہ جو ٹوٹنے زد و جاہرات سے بھری تھیلیاں، طلائی مٹکے، نفرتی سکے اور سونے چاندی کے اتبار حاصل کیے ہیں۔ یہ سارے ٹوٹے مسلمانوں کے گھرا جارا کر

حاصل کیے ہیں۔

تو نے مسلمانوں کے دامان و آستین کو خون آلود کیا ہے۔ پھر اے آقا! یہ تو بتا تیموریت، چنگیز خاں کی چنگیزی اور ہلاکو خاں کی ہلاکت میں کیا فرق رہا۔ وہ دونوں دادا پوتا بھی اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے قاتل، تو بھی اسلام کا بدترین دشمن اور مسلمانوں کا قاتل ہے۔

تیرے لشکر میں نصرانیوں کی بھرمار ہے اور تو ان کا ہی کہاں کر چلتا ہے۔ تو نے ماسکو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن تیرے لشکر کے نصرانی تیری اس مہم پر خوش نہ تھے کیونکہ انہوں نے ماسکو کے نصرانیوں کے ساتھ ساتھ باز کر رکھی تھی۔ تو نے ان کے کہنے پر ماسکو کی مہم ترک کر دی۔ حالانکہ ماسکو کو ہم دنوں کے اندر اپنے سامنے زیر اور تسخیر کر سکتے تھے۔ اُلٹا تو نے مسلمان مغلوں پر جنگ مسلط کر دی تو نے مسلمان باشکیریوں اور ازبکوں کو کاٹا۔

حالانکہ یہی لوگ روس کی قوت کے سامنے ایک مضبوط بند باندھے ہوئے تھے۔ تو نے یہ سارے بند کاٹ توڑ دیے اور روسی نصرانیوں کے مقابلے میں ان مسلمان حکومتوں کو کمزور کر دیا، تاکہ آنے والے دنوں میں روس ایک خوفناک عفریت کی صورت اختیار کر کے مسلمانوں کے ان سارے علاقوں کو مہرپ کر جائے۔ روس کی مہم ترک کر کے تو نے ایران میں خون ریزی کی۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اور وہاں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا کر اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

سلطان بایزید نے یورپ اور یونان کے اندر کامیا بیاں حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بجائے اس کے کہ تو سلطان بایزید کی مدد کر کے دشمنوں کے سامنے اس کے ہاتھ مضبوط کرتا لیکن یہاں بھی تو نے مسلمانوں کے بجائے نصرانیوں ہی کی مدد کی۔ تو نے سید اس پر حملہ کر کے سلطان بایزید کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیا۔

اے آقا! ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو، کما تو نے اسلام کے

کے مقابلے میں نصرانیت کے فروغ کے لیے کام نہیں کیا۔ میں نے حلب، دمشق، بغداد اور دیگر شہروں میں مسلمانوں کا قتل عام نہ کرنے کے لیے تیری منت سماجت کی لیکن تُو نے ہر بار میری التجا کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ میں نے تم سے گزارش کی کہ سیواس شہر پر نہ تباہی اور بربادی مسلط نہ کرو اور وہاں سلطان بایزید کے بیٹے کو قتل نہ کرو۔ کیا تُو نے میری بات مانی۔

اور سن رکھو میرے آقا! انقرہ کے ان میدانوں کے اندر سلطان بایزید کے مقابلے میں تیری فتح مندی اور کامیابی کا راز بھی میں نے پایا۔ تُو نے سلجوقیوں اور نصرانیوں سے اندر ہی اندر ساز باز کر لی تھی جو سلطان بایزید کے لشکر میں شامل تھے۔ اگر تو ایسا نہ کرتا تو قسم خداوند کی سلطان بایزید ہمیں شکست دینے کے بعد سمرقند تک ہمارا تعاقب کرتے۔

اے آقا! اس جنگ میں میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہمیں شکست ہو۔ سلطان بایزید ہمارا تعاقب کریں اور ہمیں رسیوں میں جکڑ کر ہمارے سر قلم کریں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا خون بہانے اور انہیں قتل کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا چاہیے تھا۔ اگر تو سلجوقیوں اور نصرانیوں سے ساز باز نہ کرتا اور سلجوقی اور نصرانی عین اس وقت سلطان بایزید کا ساتھ چھوڑ کر تمہارے لشکر میں نہ آتے، جب ہمارا لشکر بھاگنے والا تھا اور سلطان بایزید کی فتح واضح بلکہ یقینی ہونا شروع ہو گئی تھی تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے اور ان عیاروں پر تم نے مزید ظلم یہ کیا کہ اسلام کے محسن اور صلیبی جنگوں کے فاتح سلطان بایزید کو تُو نے آہنی پنجے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا مسلمانوں کا مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی خیاد اور سلوک رہا ہے۔ ایسا سلوک تو ظالم تاتاریوں نے بھی کسی کے ساتھ نہ کیا تھا۔

خدا کی قسم! میں اس وقت ہی تیرے خلاف بغاوت و سرکشی کرنے والا تھا، جب تُو نے بغداد میں نوے ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اپنی فتح کے اظہار کے طور پر تُو نے مسلمانوں کے سروں کے مینار تعمیر کیے۔

اے آقا! ذرا اپنے ان امور، ان مظالم پر نظر ڈالو، کیا یہ سارے کام فطرت و رسوائی، ریاکاری اور مظالم سے بھرپور نہیں ہیں۔ زمین کا ہر خطہ ایک تصویر کی طرح، اس ارضِ فانی کا ہر ذرہ ایک آئینے کی طرح اور ہر قطرہ ایک آئینے کی طرح قیامت کے روز اپنے رب کے روبرو تمہارے مظالم اور تمہاری تاخت کی کہانیاں بیان کرے گا۔ اس لیے کہ جہاں جہاں بھی کوئی انسان بدی اور گناہ کرتا ہے۔ خداوند قیامت کے روز ہر شے کو قوتِ گویائی دے گا اور یہ سب چیزیں انسانی اعضاء و جوارح کے ساتھ گناہگاروں کے خلاف گواہی دیں گی۔ پس اے آقا! سلطان بایزید کو رہا کر کے اپنے گناہوں اور اس کے نقصانات کی تلافی کر اور اپنے رب سے معافی کا خواستگار ہو۔

ورنہ یاد رکھ زمین کا ہر ذرہ جہاں جہاں بھی تو نے مظالم کیے اپنے رب کے حضور تیرے خلاف گواہی دے گا۔ اے آقا! کیا تو نے سورۃ زلزال میں نہیں پڑھا کہ اس روز زمین اپنے سارے بوجھ زکال پھینکے گی اور انسان حیرت سے چلا اٹھیں گے کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے۔

اے آقا! یہ رزمگاہوں سے حاصل کیے ہوئے سونے چاندی کے ظروف، جواہرات لگے، بخورے، موصل کے ریشم، دمشقِ اطلس اور دیگر قیمتی دنیاوی اشیاء تمہارے کسی کام نہ آئیں گی۔ خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ گے۔ کام آئیں گی تو وہ نیکیاں جو اس دنیا میں تم کرو گے۔

خدا کی قسم! جب قیامت برپا ہوگی تو جہنمی لوگ چلا چلا کر اپنے ربؐ کوارش کریں گے کہ اے ہمارے خدا! صرف ایک بار ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ تاکہ ہم نیک اعمال کر کے جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کا سامان کر سکیں۔ پر اس وقت ایسی خواہش کرنے سے کیا فائدہ کہ اس وقت تو دارالعمل ختم ہو چکا ہوگا اور طلا و جواہر کی ابتدا ہو چکی ہوگی۔

اے آقا! تو نے مسلمانوں پر جو قہر و جبر کیا، ان کے خلاف جو قوتِ قاہرہ استعمال کی، ان کے خلاف جو بربریت کے پھینٹے اڑائے۔ ان کے ہاتھوں سے جو

پیار و اخوت کا امرت چھین کر انہیں نفرت کا زہر دیا۔ ان کے سینوں میں جو دہکتی آگ بھری۔ ان کے اعتماد کو پارہ پارہ کر کے جو ان کی زندگیوں کو دشت و ویرانہ بنایا اسی لیے ان کے پرانے رشتوں کو منقطع کر کے نفرت کے گیت دیئے، اندھیروں میں جو ان کی عزت و ناموس کو ریزہ ریزہ کیا۔ آقا! اپنے دل کی عدالت میں کھڑے ہو کر بولو۔ کیا کرنے والے مؤرخ تاریخ کی لکیروں پر تیرے نام کے ساتھ جاہر و قاهر، ملت دشمن اور اسلام دشمن نہ لکھیں گے۔

اے آقا! میں نے جو کتنا تھا کہہ چکا۔ اب تو مجھے وہ فیصلہ سنا جو تو میرے لیے تجویز کر چکا ہے۔ تاکہ کہ مجھے اپنے انجام کی خبر ہو۔

تیمور چند ثانیوں تک غور سے نور الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ اے نور الدین! تو ضرور تسلیم کرے گا کہ میں نے تیری اس تقریر کو انتہائی صبر اور ضبط کے ساتھ سنا ہے اور میں بھی یہ تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ جنگوں میں دُور اندیشی، جملہ آور ہونے میں جفاکشی، مصیبت میں ثابت قدمی، ضرورت میں مستعدی، رزم گاہوں میں بے مثال جرات مندی اور ہر بار میرے حق میں جانثاری سے کام لیا۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تو نے میرے دشمنوں اور ان کے حیوانی جذبات کو قصہ پارینہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ دشمنوں کے لیے تو ہمیشہ شمشیر رواں اور تیر ہلک ثابت ہوا۔ تو نے رگستانی دیرانوں میں آموں کی طویل و عریض دادیوں میں، ہر جگہ میری کامیابیوں کی خاطر تو اپنی طبعی ترنگ اور ابرو بالوں کے طوفانوں کی طرح لڑا۔

اے نور الدین! تو نے جب میری خاطر اس قدر قربانیاں دیں اور تجھے کوئی قتل کو دے تو کیا میں اسے معاف کر دوں گا، ہرگز نہیں، اسی طرح تو نے جس تا تاری سردار کو قتل کیا۔ اس کا قتل بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

نور الدین نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ اے آقا! اگر آپ کا کوئی سردار سو بار قوم کی بیٹیوں کی عصمت و عفت کو میلی نگاہ سے دیکھتے تو قسم خداوند کی میں اسے سو بار قتل کر کے سو بار مصلوب ہونے پر فخر کروں گا۔

اے آقا! سلاسل کی گرانباری، آہنی بیڑیوں کی اذیت، زنداں کے گھور شب اندھیروں کی خوفناک تنہائیاں مجھے بدی کے ایسے سوا گروں کی گردن کاٹنے سے روک نہیں سکتیں۔ میں اگر رزم گاہوں میں آپ کے فاقی دشمنوں پر تلوار اٹھا سکتا ہوں تو میں ملت کے دشمنوں اور اسلام کی عظمت پر شب خون مارنے والوں پر ناپسندیدہ اور بے ضمیر لوگوں کے خلاف تلوار بلند نہیں کر سکتا۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے بلند آواز میں کہا۔ اے نور الدین! فی الوقت میں تمہیں تمہارے خیمے میں نظر بند کرتا ہوں تمہارے لیے مناسب سزا بعد میں تجویز کروں گا۔

پھر تیمور نے پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں اپنے محافظوں کو مخاطب کر کے کہا۔ نور الدین کو اس کے خیمے میں لے جا کر بند کر دو۔ خیمے کے چاروں طرف چار مسلح پہریدار مقرر کر دو اور سنو! نور الدین کی حالت اس وقت ایک اسیر کی سی ہے اور اس اسیری میں سیف الدین اور اسقف یوحنا کی بیٹی انجیلینا کے علاوہ اسے کوئی اور نہیں مل سکتا۔

تیمور کے اس حکم پر اس کے محافظ نور الدین کو وہاں سے اس کے خیمے کی طرف لے گئے تھے۔ جب کہ تیمور بھی جشن کے خاتمے کا اعلان کر کے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔



نور الدین کو اس کے خیمے میں بند کر کے اس کے چاروں طرف پہرہ بٹھادیا گیا تھا۔ اور سیف الدین اور انجیلینا کے علاوہ کسی اور کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ نیکوں کے نیک لگائے نور الدین اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیف الدین اور انجیلینا اس کے لیے میں داخل ہوئے۔

انجیلینا کھانے کے برتن بھی اٹھائے ہوئے تھی اور وہ بے چاری اس سے یادوں کے تابوت اور خیالات کے بن باس کی طرح اداس تھی۔ شام بھر اور پاب زنجیر کسی قیدی

کی طرح وہ بے چاری بکھری بکھری سی تھی۔ اس کے چہرے پر نزااں کے نغموں کا سوگ اس کی آنکھوں میں غم کے ٹپالے سپرے قص کنان تھے۔ وہ بے چاری چپ اور خاموش خاموش سی تھی جیسے آرزوؤں کے جنگل میں کوئی بے صدا شہر۔ سیف الدین اور انجیلینا دونوں نور الدین کے سامنے بیٹھ گئے۔ انجیلینا نے کھانے کے برتن نور الدین کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کے لیے کھانا لائی ہوں، پہلے کھانا کھائیے پھر میں آپ سے بات کرتی ہوں۔“

نور الدین بے چارہ منہ سے کچھ نہ بولا اور خاموشی سے وہ کھانا کھانے لگا تھا۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو انجیلینا نے اسے پانی پلایا۔ پھر انجیلینا نے ایک کرب انگیزی اور شام ہجراں کے درد جیسی ملی جلی آواز میں نور الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”آپ نے اس تاتاری سردار کو قتل کر کے امیر تمیور کے ساتھ جھگڑے اور تکرار کی کیوں ابتدا کر دی ہے۔“ سیف الدین نے انجیلینا کو اپنی بات مکمل نہ کرنے دی اور درمیان میں بولتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے انجیلینا! نور الدین نے ٹھیک کیا ہے قسم خداوند کی اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ میں جانتا تھا کہ فتح کے اس جشن کی تہنیزیاں اور بد مستیاں دیکھنے میں آئیں گی۔ لہذا میں نے امیر تمیور سے ناسازی طبع کا بہانہ بنا کر اس جشن میں شرکت کرنے سے اپنی جان بچھڑالی تھی۔“

اے انجیلینا! قسم خداوند کی، جس تاتاری نے سلطان بایزید کے خاندان کا بازو کپڑ لیا تھا، اسے قتل کر کے نور الدین نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور ملت و قوم پرور ہونا ثابت کر دیا ہے۔

اے نور الدین! بخدا تو نے اپنے آپ کو مذہبیوں کے جھڑپ میں محصور ایک دریا اور چنچروں کے کھرام میں ایک جاں فزا خاموشی ثابت کر دیا ہے۔ اے نور الدین! لاکھوں مواقع کے بعد ہی کہیں ایسا باسعادت موقع ملتا ہے جس سے فائدہ اٹھانے والا بھی شرف قیمت ہوتا ہے۔

اے نور الدین! تو نے اپنے عمل اور تیمور کی خواہشوں کے درمیان کیا خوب اور دلچسپ کش مکش کی ابتدا کر کے رکھ دی ہے۔ کاش میں بھی اس وقت وہاں موجود ہوتا جب تو نے اپنے کاٹتے الفاظ سے تیمور کو اس کے اعمال اور اس کی مسلم دشمنی کا شیشہ دکھایا۔ کاش میں بھی وہ منظر دیکھ سکتا جس وقت تیمور سر جھکائے تمہاری باتیں سن رہا ہوگا۔ جو کچھ وہاں ہوا مجھے سب خبر ہو گئی ہے بیٹے! اور میں تمہارے اس طرز عمل سے خوش بھی ہوں۔

اے نور الدین! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو قسم خداوند کی میں بھی اس تاری سردار کا حلقوم کاٹ کر رکھ دیتا جس نے ایسی ناقابل برداشت حرکت کی تھی۔

سیف الدین کے خاموش ہونے پر انجیلینا نے بے چین ہو کر اس سے پوچھا۔ اے علم! کیا آپ بھی ان کے طرز عمل کی تائید کر رہے ہیں۔ جب کہ میری روح تو یہ سوچ سوچ کر مضطرب اور بے چین ہو رہی ہے کہ امیر تیمور نہ جانے اب ان کے لیے کیا سزا تجویز کریں۔ پھر انجیلینا نے سیف الدین کے جواب کا انتظار کیے بغیر نور الدین کی منت کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ امیر تیمور سے اپنے رویے کی معافی مانگ لیں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کو معاف کر کے آپ کی بیڑیاں کھلوا دیں گے۔“

نور الدین نے شکووں سے بھر پور انداز میں انجیلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اسے غالب کر کے کہا۔ ”اے انجیلینا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو کہ میں تیمور سے اپنی رہائی کی خاطر معافی مانگ لوں۔ نہیں ہرگز نہیں، میں نے جو کچھ بھی اسے کہا ہے مبنی پر حقیقت ہے اگر میں اس سے معافی طلب کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے جو کچھ میں نے کہا تھا غلط تھا اور اس طرح تو میں حقیقت کو جھٹلا بیٹھوں گا۔“

اے انجیلینا! اس موقع پر تیمور سے معافی مانگ لینا ایسا ہی ہے جیسے ایک بھیڑیا اور زندہ نما انسان ایک عرصہ سے ایک قوم کا خون پیتا رہا ہو۔ ایک شخص نے اٹھ کر اس کے اس گھناؤنے فعل کے خلاف آواز بلند کی ہو اور پھر وہی آواز بلند کرنے والا شخص اس خونخوار انسان کے پاس جا کر کہے۔ حضور! میں نے آپ کے خلاف غلط

آواز بلند کی تھی۔ آپ حق اور سچائی پر تھے۔ قوم کی رگوں میں ابھی کافی خون ہے لہذا آپ اپنی خون آشامی کا کھیل جاری رکھیے۔ ۱

لہذا تیمور سے اب معافی طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ جو کچھ میں نے اس سے کہا ہے وہ نہ صرف میرے دل میرے ضمیر کی آواز ہے بلکہ ایسی حقیقت ہے جو جھٹلائی نہیں جاسکتی۔“

اینگلیٹن ابے چاری نے مضطرب اور بے قراری آواز میں کہا۔ ”پرہم لوگ آپ کو ان آہنی بیڑیوں اور اس اسیری کی حالت میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اگر آپ نے امیر تیمور سے معافی طلب نہ کی تو ہو سکتا ہے وہ آپ سے متعلق کوئی ایسا فیصلہ صادر کر دے جو ہم سب کے لیے مشیت کی چکائی میں پس جانے کے مصادیق ہو۔“

اس پر نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”اے اینگلیٹن! تیمور زیادہ سے زیادہ میری جان لینے کا حکم دے سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ میرے خلاف کیا کر سکتا ہے اور یہ جان تو ایک دن جانی ہی ہے۔ آج نہ سہی کل۔ ایک روز موت کے سامنے سرنگوں ہونا ہی ہے۔ پھر موت کے اس فیصلے سے ڈر اور خوف کیسا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی امید ہے کہ ایک نہ ایک روز تیمور کا مردہ دل اور بے حس عقل و ضمیر ضرور بیدار ہوں گے۔ اس روز اسے مسلم قوم کے اندر برپا کیے ہوئے اپنے گھناؤنے کردار کی سزا نذر عموں ہوگی اور اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ جس مقصد کے تحت میں نے تیمور کے خلاف آواز اٹھائی تھی میں اس میں کامیاب رہا۔“

اے عم سیف الدین! اے اینگلیٹن! میں تم دونوں کا ممنون ہوں کہ تم دونوں نے میری خبر گیری کی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں کے علاوہ کسی اور کو مجھ سے ملنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ یہ بھی سن لو کہ میں تیمور کی بواہوسی اور خطا کاری اور ظلم و خونخواری کے خلاف اپنے اس معاملے کو اپنے رب کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ جو علیم و خبیر ہے میرے معاملے میں تیمور کو عقل و شعور کا عصا تھامنے کی توفیق ضرور دے گا۔“

سیف الدین شاید نور الدین اور انجیلینا کو آپس میں کھل کر گفتگو کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ لہذا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "اے انجیلینا! تم ابھی نور الدین کے پاس ہی بیٹھو میں جاتا ہوں۔ میری طبیعت دیسے بھی کچھ ناساز ہے۔ میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر ضرور نور الدین کے سلسلے میں تیمور سے بات کروں گا۔" اس کے ساتھ سیف الدین آہستہ آہستہ چلتا ہوا خیمے سے نکل گیا تھا۔

انجیلینا چند ثانیوں تک گردن مجھ کلے نور الدین کے سامنے بیٹھی رہی۔ اس وقت وہ بے چاری تنہا اُفاس لمحوں جیسی چُپ چُپ اور بیکراں ٹھہرے سائوں جیسی یران ہو رہی تھی۔ اس کی فکر و احساس کے زاویے نہ جانے کہاں بھٹک رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں صدیوں کی اُن گنت اُفاس داستانیں اُتر آئی تھیں۔

نور الدین کو آہنی بیڑیوں میں جکڑا دیکھ کر وہ بے چاری دکھ کی ایسی دیک میں مبتلا ہو گئی تھی جو بدن سے رُوح تک کو بھی چاٹ جاتی ہے۔ اس کی حالت اس سے اس معصوم بچے جیسی ہو کر رہ گئی تھی جو ظلمتوں کے بسیط طوفانوں کے اندر گم صُحُما اس چاند کو اپنا آخری سہارا، اپنی آخری پُوئے نچی اور اپنی رُوح کی تو نگری سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو۔ پھر انجیلینا نے جھکی ہوئی گردن سیدھی کی اور حیات و موت کی کش مکش میں مبتلا اپنی آواز میں بولی۔

اے امیر! تیمور سے کسی بھی غلط اور گناہوں کے عکس سے بھرپور فیصلے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کے ان حالات نے مجھے زندگی کے بدترین دورا ہے پر لاکھڑا کیا ہے۔ آپ کو ان آہنی بیڑیوں اور اپنے خیمے میں اسیری کی حالت میں دیکھتے ہوئے میں اپنے آپ کو ایسا محسوس کر رہی ہوں جیسے کسی نے مجھے جہنم کی عبور تنہائیوں کے اندر سلگنے پر مجبور کر دیا ہو۔

بچھا میری حالت اس وقت مشیت کی چپکلی میں پڑے مجبور دبے بس ذروں جیسی ہے۔ کاش میں اس حالت میں ہوتی کہ آپ کی مدد کر سکتی۔ کاش میں اس پر قادر ہوتی کہ آپ کو کہیں لے آؤں اور ایسی جگہ لے جاتی جہاں گیر شناس نگاہیں ہوتیں۔ جہاں انقلاب نو کی

علامات ہوتیں۔ جہاں پیڑ کے ٹھنڈے سایے جیسی قیمت کا ساتھ اور سنگ ہوتا۔ جہاں کسی اندھی اور خوفناک قوت کی طرف سے ہمارے لیے دلوں کی کدورت اور قلبِ ضمیر کی قید نہ ہوتی۔ جہاں زمین پر ایک آسمانی رُوح کی طرح ہر سوا ایک کیسوئی ہوتی۔ آہ! آپ کی فتح نصیب تلوار کو کس کی نظر کھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی اینجیلنا کھل کر رونے لگی۔ اداس کے آنسو ساون مجاہدوں کی بارش کی طرح گرنے لگے تھے۔

شاید اینجیلنا اب تک سیف الدین کی موجودگی کی وجہ سے اپنے آپ کو روکے ہوئے تھی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھٹ پڑی اور اب وہ بے چاری نور الدین کے سلمنے بیٹھی سسکیوں اور جھکیوں میں اس معصوم بچے کی طرح رو رہی تھی جسے وقت کے ظالم اور ستم گر ہاتھوں نے تنہا اور مجبور بنا کر رکھ دیا ہو۔

نور الدین خاموشی سے چند ثانیوں تک اپنے سلمنے بیٹھ کر روئی اینجیلنا کو ایک حسرت اور دردمندی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چاہتوں سے بھر پور آواز میں کہا۔ ”میں تیری چاہتوں تیری جان نثاری، تیری ہمدردی اور تیری غم خواری کا کیسے شکر یہ ادا کروں جس کا اظہار تو میرے ساتھ کر رہی ہے۔“

اے بنتِ سمرقند! وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا۔ کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی سکھ کبھی ابتلا و مصائب، کبھی انسان وقت کو اپنے قدموں کی دھول بنا کر رکھ دیتا ہے اور کبھی یہی وقت انسان کو عناصرِ فطرت کا غلام بنا دیتا ہے۔ زندگی کبھی قوت و عمل کا موزن گر اسنہ رہے اور کبھی ظلمتِ جہل و باطل جس کا کوئی حاصل کوئی مفہوم نہ ہو۔ اے اینجیلنا! یوں اپنی اور میری بے بسی پر آنسو نہ بہا۔ حالات کبھی موت کے شعلوں

کا پیرا بن پناتے ہیں اور کبھی آفاق آشنا کر کے عظمت کی رفعتوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اے اینجیلنا! بابل و نینوا شہر گو تباہ و برباد ہو گئے مگر تہذیب کے اُجلے موسموں اور تاریخ کے میالے قرطاس میں ان کے کھنڈرات اب بھی ان کی عظمت و رفعت کے گواہ اور معنی ہیں۔ اے اینجیلنا! تیرے یہ کانپتے حنائی دستِ نازک اور تیری یہ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں میرے دل پر گراں گزرتی ہیں۔

اے انجیلینا! اپنے آنسو پونچھ لے اور اپنے آپ کو سنبھال۔ تیمور سے اب کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی۔ وہ اپنی ذات کے زنداں میں موت کے پچھاڑے جسموں پر منڈلاتے بگڑھلوں کی طرح۔ اس کی روح کی ساری سمیتیں ٹیڑھی اور وہ اپنے فیصلوں میں بیسٹ صحرا کے بگولوں جیسا متکون المزاج انسان ہے۔

اے انجیلینا! تیری موجودگی میں کتبہ لحد جیسی کیوں ادا اس اور ویران ہوتی ہے۔ آؤ دونوں مل کر ان حالات، ان افتاد کا مقابلہ کریں۔

نور الدین کی اس گفتگو پر انجیلینا نے فوراً اپنے آنسو پونچھ کر اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ گو یا اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو اور وہ ویران تہوج کو پھلانگ کر جان بخش خوشبوؤں میں کود گئی ہو۔

اچانک انجیلینا کو کوئی خیال گزرا اور اس نے راز داری کے ساتھ نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! آپ مجھے اریسہ کا پتہ ہی بتادیں۔ اسے جب آپ کی اسیری کی خبر ہوگی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ میں کم از کم اسے مل کر تسلی اور ٹھہارس تو دے سکوں گی۔ اگر تیمور نے آپ سے متعلق کوئی غلط فیصلہ کیا تو ایک نہ ایک روز اریسہ کا بھی لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔ اس طرح آپ کی نسبت سے ہو سکتا ہے تیمور اسے بھی اپنے ظلم اور قربانیت کا نشانہ بنائے۔

ایسی صورت میں اے امیر! میں اریسہ کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلی جاؤں گی۔ میں ان خونخوار کتوں سے اس کی حفاظت کروں گی جو اپنے شکاری کے ہر اشارے کی تعمیل کرتے ہیں۔"

نور الدین نے ٹھنڈے سانسوں سے لبریز خاموشی کے بعد کہا۔ "اے انجیلینا! تم ٹھیک کہتی ہو لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اریسہ سے متعلق تمہیں بتا سکوں۔ ہاں اگر میری قسمت میں صلیب و الطار ہی لکھے جا چکے ہیں تو اپنی زسیت کے آخری لمحات میں تمہیں اریسہ سے متعلق میں تفصیل سے بتا دوں گا۔"

انجیلینا تھوڑی دیر کے لیے اپنی گردن جھکا کر گہری سوچوں میں کھوئی رہی پھر تازہ

بھرے لہجے میں اس نے کہا۔ ”آہ! تخریب و موت کے یہ سائے بھی عجیب ہیں۔ تفرات زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ وہ شخص جو کل نفع و نصرت کے مینار کرے کرنے والا تھا۔ جس کی نفع نصیب تلوار زمین کی تقدیر کا اعلان کرتی تھی، آج اس کی قوتِ حیات و نمود پر پہرہ ہے اور وہ ایک ایسا اسیر ہے جس سے ملنے پر بھی پابندی ہے۔ کاش۔ کاش! میں وقت کی لپکتی نونی زبان پکڑ کر اس کے نیصلے تبدیل کرنے پر قادر ہوتی ہے تو۔۔۔۔۔۔ ایجنلیا کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیوں کہ نور الدین کے خیمے کے دروازے پر ایک پہریلا نمودار ہوا اور ایجنلیا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے غام! باہر اسقف یوحنا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم دونوں کو امیر تیمور نے طلب کیا ہے۔“

اس موقع پر ایجنلیا نے فوراً نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”یہ بھی اچھا ہوا مجھے اور بابا کو امیر تیمور نے طلب کیا ہے۔ میں ضرور اس سے آپ کے سلسلے میں بات کروں گی۔“ نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔

”اے ایجنلیا! پہلے اپنی حالت تو سنارو۔ تمہاری حالت سے ایسا لگتا ہے، جیسے برسوں سے روتی رہی ہو۔ محترم یوحنا تمہاری یہ حالت دیکھتے ہوئے کیا سوچیں گے۔“ نور الدین کی خواہش پر ایجنلیا نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ اٹھ کر خیمے سے ملحقہ طہارت خانے میں گئی اور منہ ہاتھ دھو آئی۔ اب اس نے واقعی اپنی آنکھوں میں ہاروں کی مستی اور اپنے سفید برف لباس میں ڈھکے ہر خط جسم میں چاہتوں کی شوق انگیزیاں بھری تھیں۔ وہ تتلی کے پروں اور نیلے رنگوں جیسی خوش کن دکھائی دینے لگی تھی۔ اس کی دو بولتی آنکھیں جن میں ڈوب کر کوئی اپنے تن مفلوج میں بھی شکستی بھر سکتا تھا۔ وہ اب رونقِ کائنات و دلکش کمال کا محور بنتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے شامل کا جمال پھولوں کی مہک کی طرح لہراٹھا تھا۔ پھر ایجنلیا نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے ندیوں کے ترنم جیسی آواز میں پوچھا۔ ”اے امیر! پہلے تو میری حالت نزاں کے ادا اس نعموں جیسی تھی۔ پر اب بتائیں میں آپ کو کیسی لگ رہی ہوں۔“

نور الدین نے گہرے تبسم میں کہا۔ ”اب تم واقعی بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

پر میرے سلسلے میں امیر تیمور کے ساتھ ذرا عطا طرہ کر گفنگو کرنا۔ کیوں کہ وہ اپنے سود اور دوسروں کے زیاں کا شوقین ہے۔ انسانیت کی عُریانی پر وہ خوش اور خوشنوازی و خوریزی پرمطعن ہوتا ہے۔ اس کی ایک آنکھ میں شفقت اور دوسری میں رعوت ہے اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں ساغر ہے۔ انسان جب حقیر کیڑوں کی طرح کچلے جاتے ہیں تو وہ خوشیاں مناتا ہے اور منعم حقیقی کے احکامات کو فراموش کر کے وہ اپنے کبر نفس اور روح و دل کی گلکاریوں میں کھو جاتا ہے۔

نور الدین جب خاموش ہوا تب انجیلینا نے مسکراتے ہوئے اور خانقاہوں کے پاس انگوروں کے باغیچوں جیسے پُرسکون انداز میں کہا۔ "اے امیر! آج میں اپنی زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو خوش قسمت محسوس کر رہی ہوں۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ ایک عرصہ بعد میں آپ کو بھی اچھی لگی ہوں۔ کاش یہ وقت رُک گیا ہوتا۔ کاش یہ لمحات ساکت ہو گئے ہوتے۔"

پھر انجیلینا نور الدین کی طرٹ مڑی اور پوچھا۔ آپ کو اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو کہیں، میں آتی دفعہ لیتی آؤں گی۔"

نور الدین نے کہا۔ "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تم اب جاؤ۔ تمہارے بابا تمہارے منتظر ہوں گے۔" اس کے ساتھ ہی انجیلینا جیسے سے نکل گئی تھی۔



تیمور اپنے خیمے میں لکڑی کی شہ نشین پر بچھے گدوں پر اور ایک طرف رکھے گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف اونٹ کے پٹھوں کے کباب اور شہد چُبری ہوئی موٹی موٹی روٹیاں رکھی تھیں۔

اس کے سامنے خیمے کے اندر بچھے ہوئے دیہیز قالین پر ادھیڑ عمر کا ایک مفنی بیٹھا چھتا رہا تھا اور اس چھتا رہے کی دھیمی دھیمی دھن پر ایک گلابی کونپل اُبلے چہرے اور خوشبو میں گھٹی حلاوت جیسی خوب صورت اور پرکشش لڑکی قہقہہ کر رہی تھی۔ تیمور سحر کی آنکھوں جیسا ساکت اور سحر زدہ شہر کی طرح خاموش بیٹھا اس لڑکاں خوشبو

سحر کی گلابدنی، ساغر کی دھکتی جبین اور بادہ گلنار جیسی لڑکی کا قصہ دیکھنے میں محو تھا۔ وہ لڑکی اپنے اعضاء و جوارح اور اپنے جسمانی خطوط کا ایسا قصہ پیش کر رہی تھی جیسے وہ ویران استوں کی دشتوں کو مثل مہر و ماہ اور ردحوں کی سرخ خاموشیوں کو قصہ برق و باران میں تبدیل کر کے رکھ دے گی۔

تھوڑی دیر تک تیمور بڑی محویت اور انہماک کے ساتھ اس مندی اور میں تن لڑکی کا قصہ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے معمر اور چھتا رہ بجاتے مغنی کی طرف دیکھتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔ ”کچھ گاؤ، کچھ کہو، تمہاری آواز کے بغیر یہ قصہ یقیناً اُدھور ہے۔ گاؤ کہ تمہاری آواز اس قصہ کی تکمیل کر دے گی۔“

اس مغنی نے اپنا گلا دو ایک بار صاف کیا۔ پھر وہ اپنی پاٹ دار آواز میں کچھ اس مفہوم کا گیت گارہا تھا۔

اے مخاطب! آزادی ہماری صفت خانہ زاد ہے۔

ان ہواؤں، ان بھونکوں کی طرح آزاد ہو
مقفل گھروں کے در و دیواروں پر دستک دیتے ہیں۔

ہم اپنی ذات کے ازل سے اب تک آزاد ہوتے ہیں۔

برق کے ان نادیدہ پسکوں کی طرح
جو بجھسی ہوئی لاشوں کے ڈھیر اور
آندھیوں کے غضب ناک جھکڑوں کی پرواہ کیے بغیر
اپنی تخلیق کا حق ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔

ہم اپنے ارادوں اپنے عزم میں
قسمت جیسے اٹل، زمین کی زرخیزی جیسے خوش کن
رات کی نبض جیسے رواں اور موت کی مہک جیسے بیدار ہیں۔

آنکھوں کی تھکن، نیند کے رنگوں کی آگ
اور سرد ہواؤں کے بھاری بھونکے ہم پر اپنا اثر نہیں چھوڑتے۔

اے رقا صہ ناچ !

قبل اس کے کہ سانسوں میں آگ بھڑک جائے
اور یادوں کی شاخیں مرجان ہو کہ گہ پڑیں
قبل اس کے کہ بہاروں کی میٹھی آگ بجھ جائے
اور رات کی نیلم پریاں سُست گام عناصر کے سامنے مغلوب ہو جائیں
قبل اس کے کہ درختوں کی دفت، بجائی پیاں
کلیوں بھرے اور پھولوں لے پیرٹ۔

دل کے جزیروں میں نایافت ہو جائیں
ناچ کہ تیرا رقص ہی تیری زندگی ہے
قبل اس کے کہ اشکوں کے نیلم آنکھوں میں
تھر تھرتاتے لبوں کے ساتھ گونگے رشتوں میں کھو جائیں
بیدار لذتیں، گہری میٹھی نیند اور سنہری عریانیاں
آسمان کے سخت جان رازدوں کے ساتھ مل کر
دن بھر اُٹھتے گبولوں اور وسعت گہ دلوں کی کمکشاں ہو جائیں
ناچ اے رقا صہ !

ناچ کہ شگفتہ دلکش چہرے پر رونق ہوں
رس برساتی آنکھیں خاموشی کے نغمے الاہیں
کچھ ایسے انداز میں جیسے طوفان اُمدنے کو کہتے ہیں
رقص نالیدن ! اے رقا صہ ! رقص نالیدن !
کہ آپ رواں کی طرح میرے سبک نغمے
اپنے سایل کی کھوج اور تلاش میں ہیں
کہ یہی نغمے ! افلاس کے دھبے دور کرتے ہیں۔
اور میرے عہدِ گزشتہ اور حال مستقبل کے رفیق ہیں۔

اے رقاصہ! تیری تیکھی نظریں

تیرا زردوزی کا لباس - تیرے لبوں کی آرزو مندی
تیرے جسمانی خطوط کا عکس اور تیرا گلہابی پن
تیرے جسم کے ساتھ میرے نعموں کو بھی رقص کناں کرتے ہیں
اپنے رقص سے

ساری کائنات کو خاموش اور جہاں کو دم بخود کر دے
کش کش کی دُنیا اور دیوانوں کے ارمان میں فرق
حکمت و عظمت اور خانقاہوں میں
رندانِ مے کش کے ہجوم میں امتیاز کر کے رکھ دے -
اے رقاصہ !

تُو تو تلوار بدست قاتل کے مانند ہے
چاہے تو اپنے لطیف اقرار سے اور چاہے
دلوں کو زخار رنگوں جیسا نہاں کر دے
چاہے تو اپنی شوخی انکار سے تُو
لوگوں کی کائنات کو مبہم عکس بنا کر رکھ دے
ناچ کہ

انسان کا آغاز رحمِ مادر اس کا انجام قبر
دونوں ہی سرے تاریک پھر خوف کیونکر
اپنی نیم محبوب آنکھوں میں طربِ خیال بھر
اپنی رُوح کو بیا کی کا تر جہاں بنا
بے کیف لمحوں کو منفعت بخش بن
ناچ اے رقاصہ! ناچ

کہ تیرا رقص ہی تیری زندگی ہے

وہ مغنی خاموش ہو گیا اور چھتارہ بجانا بھی اس نے بند کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آبِ جمعے کے ترنم جیسی پرکشش اور چاندنی کے لباس میں کمرنوں کے هجوم مہیبی اس لڑکی کے رقص کرتے ہوئے پاؤں بھی رگ گئے تھے۔ اپنے تکیے کے نیچے سے نکال کر تیمور نے ان دونوں کو نقدی کی ایک ایک تھیلی دی اور انہیں چلے جانے کا اشارہ کیا اس پر وہ دونوں تیمور کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

اس رقاہ اور مغنی کے جلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد استقف یوحنا اور انجیلینا دونوں باپ بیٹی تیمور کے خیمے میں داخل ہوئے۔ تیمور نے دونوں کو خوش آمدید کہا۔ دونوں کو اس نے قالین پر رکھے گاڑتکیے کے پاس بیٹھنے کو کہا اور خود بھی وہ لکڑی کی شہ نشین سے اتر کر ان کے قریب ہو بیٹھا تھا۔ پھر اس نے یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ 'اے یوحنا! میں تمہیں فرانس بھیجنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تم جلتے ہو کہ فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کے ساتھ ہمارے تعلق انتہائی خوش گوار اور ذاتی ہیں۔ لہذا تم فرانس جا کر چارلس کو بازیید کے خلاف ہماری فتح کی خوش خبری سناؤ۔

اے یوحنا! اس کے علاوہ بھی میں بہت سے فیصلے کر چکا ہوں۔ مثلاً آق بونا آج ہی ہرات روانہ ہو جائے گا کہ میں اسے ہرات کا والی مقرر کر چکا ہوں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ ہندوستان کے حالات درست نہیں ہیں لہذا پیر محمد بھی آج ہی اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کی طرف کوچ کر جائے گا۔ محمد سلطان جو انقرہ کی اس جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اس کے زخم کچھ بہتر ہو گئے ہیں اور وہ بھی آج ہی سلطانیہ شہر کی طرف کوچ رہا ہے۔ وہ وہاں چند ہفتے اپنی ماں خانزاہ کے پاس رہے گا۔ اے یوحنا! میں چاہتا ہوں تم بھی آج ہی فرانس روانہ ہو جاؤ اور ہاں تم انجیلینا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اس لیے کہ تمہارے بغیر یہ اتنے دن اکیلی کیسے اور کیونکر رہ سکے گی۔

میراٹیم بھی تصدیق کرتا ہے کہ تیمور نے استقف یوحنا کو فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کی طرف روانہ کیا تھا۔

یوحنا کے کچھ جواب دینے سے قبل ہی انجیلینا بول پڑی اور تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "اے امیر! میں اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہ جاسکوں گی۔ اس لیے کہ اب میرے اور میرے باپ کے درمیان مذہب کی ایک دیوار ہے۔ میرا باپ نصرانی اور میں مسلمان ہوں۔ فرانس میں جب میں اپنے باپ کے ساتھ داخل ہوئی اور لوگوں کو یہ خبر ہوئی کہ ایک اسقف کی بیٹی مسلمان ہو چکی ہے تو آپ ہی اندازہ کیجیے وہاں میرے باپ کی کیا عزت اور کیا وقار رہ جائے گا۔ لوگ انہیں اپنے اعتماد میں لینے کے قابل نہ سمجھیں گے اور ساتھ ہی ساتھ مجھ سے نفرت بھی کریں گے۔ لہذا اے امیر تیمور! یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہ جاؤں گی۔ اور پھر ایک مسلمان لڑکی کیوں اور کس لیے فرانس جانا چاہے۔"

تیمور نے حیرت و فکر مندی میں انجیلینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اے انجیلینا! تمہارا اپنے باپ کے ساتھ فرانس جانا ضروری بھی ہے اور ایک مجبوری بھی۔ یہاں تم اکیلی کہاں اور کس کے پاس رہو گی۔ ہاں اگر تمہاری ماں مالتھس زندہ ہوتی تو میں یوں تمہارے فرانس جانے پر اصرار نہ کرتا۔ کیوں کہ تم اپنی ماں کے ساتھ اپنی حویلی میں رہ سکتی تھی۔ پر اب تم اکیلی وہاں کیسے رہو گی۔"

تیمور کے خاموش ہو جانے پر انجیلینا فوراً بول پڑی: "اے امیر! اپنے باپ کے فرانس چلے جانے کے بعد میں نور الدین کے پاس رہوں گی۔ میں ان کی خدمت کروں گی اور پھر اسیری کے ان دنوں میں انہیں پہلے کی نسبت میری زیادہ ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ میرے نور الدین کے ساتھ رہنے پر کوئی قدغن اور اعتراض کھڑا نہ کریں گے۔"

تیمور نے پُر سکون لہجے میں کہا: "اے انجیلینا! تم اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہیں جانا چاہتی ہو نہ جاؤ مجھے کوئی اعتراض نہیں اور سنو! اسی طرح میں تمہارے نور الدین کے ساتھ رہنے پر بھی کوئی اعتراض نہ کروں گا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں ہر لڑکی کے معاملے میں نور الدین پر کمٹل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اے انجیلینا! تم نور الدین کے پاس رہ سکتی ہو۔"

انجیلینا خوش ہو گئی اور اسی خوشی میں اس نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی پُر اعتماد آواز میں کہا - "اے امیر! میں آپ سے نور الدین سے متعلق کچھ گزارشات بھی لے کر آئی ہوں۔"

اس لمحہ تیمور نے غور سے انجیلینا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سورج کی روشنی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ پھر حجاب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کا بیٹا شاہ رخ جیسے میں داخل ہوا اور اس سے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

"اے میرے باپ! میں نے آج تک آپ سے کچھ نہیں مانگا پر آج میں کچھ مانگنے آیا ہوں اور میں یہ بھی گزارش کروں کہ جس نے کبھی کچھ نہ مانگا ہو جب وہ مانگنے کے لیے آئے تو اسے دھتکار تے نہیں ہیں اور اے میرے باپ! میرا یہ مانگنا اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ یہ اکثر دلوں کی آواز اور ہم سب کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے۔

تیمور نے شاہ رخ کو تیز نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا "کہو کیا مانگتے ہو تم؟" شاہ رخ نے بغیر کسی توقف کے کہہ دیا۔ "اے میرے باپ! امیر نور الدین کی معافی اور اس کی رہائی کا طلب گار بن کر آیا ہوں۔ اے میرے باپ شاید آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ ہندوستان کی سرزمین میں جب نور الدین اپنے پورے خلوص اور جاں نثاری کے ساتھ آپ کے لیے قلعہ بھٹنیر کو فتح کر رہا تھا تو آپ نے بلند آواز میں پکارتے ہوئے اعلان کیا تھا "اے نور الدین! اگر ٹو سات بار بھی میرے خلاف بغاوت و سرکشی کرے تو ساتوں بار میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

اے میرے باپ! ابھی تو پہلا ہی موقع آیا ہے اور آپ نے نور الدین کو ٹیڑھا پنا کر اور اسیر بنا کر رکھ دیا ہے اور ابھی تو اس نے بغاوت و سرکشی نہیں کی۔ صرف اپنے ضمیر کی پکار پر اس نے ہمارے ایک سردار کو اس کی ناپسندیدہ حرکت پر قتل کر کے سزا ہی دی ہے۔

اور اے میرے باپ! آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ نے نور الدین کو محتسب بھی مقرر کر رکھا ہے اور ایک محتسب کی حیثیت سے بھی وہ اس جرم کی ایسی سزا دے

سکتا ہے ۔

تیمور نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ ”تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم سب نور الدین کی رہائی کے پیچھے پڑ گئے ہو ۔ تھوڑی دیر قبل سیف الدین بھی مجھ سے ایسی ہی گفتگو کر کے گیا تھا ۔“ انجیلینا بھی یہی کچھ کہہ رہی تھی اور تم نے بھی آکر یہی کہا ہے اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو ، نور الدین سے متعلق میں کسی مناسب موقع پر فیصلہ کروں گا ۔ یوحنا ! تم جاؤ اپنے کوچ کی تیاری کرو ، شاہ رخ تمہارے لیے ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دے گا ۔ تمہارے کوچ سے متعلق میں اسے پہلے ہی بتا چکا ہوں ۔ اب تم لوگ جاؤ ۔ اس پر شاہ رخ ، انجیلینا اور یوحنا خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے تھے ۔





سلطان بایزید پیرم کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد اگر تیمور چاہتا تو باسانی یورپ پر حملہ آور ہو کر اپنے اور عالم اسلام کے لیے فائدہ حاصل کر سکتا تھا لیکن اس نے یورپ میں داخل ہونے کی کوشش ہی نہ کی۔ وہ چاہتا تو بحیرہ اسود کے شمال سے خشکی کے راستے وہ قسطنطنیہ پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے دل میں یورپ کے اندر داخل ہونے کا کوئی دلولہ ہی نہ تھا۔

سلطان بایزید کی شکست کے بعد وہ ترکوں کے مختلف شہروں پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹتا رہا۔ اس طرح سلطان بایزید کے شہروں سے اس نے کثیر دولت بھی میٹ لی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ تک وہ دُور دراز کے شہروں سے خراج وصول کرنے میں مصروف رہا اور نئے ہاتھ آنے والے صوبوں پر وہ اپنے والی مقرر کرتا رہا۔ اس دوران سلطان بایزید آہنی پنجرے میں ہی بے بسی کی موت مر گیا اور اس کے بیٹے موسے کو تیمور نے رہا کر دیا۔

نور الدین نے تیمور کو کھری کھری اور مہنی بر حقیقت باتیں کہی تھیں۔ شاید ان باتوں اور ان اعتراضات نے تیمور پر اثر کیا تھا۔ نور الدین نے جو تیمور پر اعتراضات کیے تھے کہ اس نے ہمیشہ مسلمانوں پر قہر و جبر اور خونخواری و خونریزی کی ہے تو شاید تیمور

نے اپنے اس داغ کو دھونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اس طرح کہ گرفتار ہونے والے ترکوں سے تیمور نے سنا کہ سلطان بایزید پلدرم قسطنطنیہ کے محاصرے اور پھر اس کو زیر کرنے کے بعد نصرانیوں کے سب سے مضبوط قلعے سمرنا کو فتح کرنے کا ارادہ کیے تھے۔ پس تیمور نے ارادہ کر لیا کہ وہ نصرانیوں کے اس قلعے کو ضرور فتح کرے گا۔

اس کے لشکری حجاب تک مختلف گروہوں کی صورت میں ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے ہوئے لوٹ مار کر رہے تھے۔ ان سب کو تیمور نے ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس لوٹ مار کے دوران تاتاری سوار سمندر کے کنارے تک جا پہنچے تھے۔ وہاں انہوں نے قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے سنہری گنبدوں کا نظارہ بھی کیا اور بڑے شہر کے ان کھنڈرات کو بھی دیکھا جہاں میلین دربار لگاتی تھی اور سمندر کے کنارے ٹھلا کرتی تھی۔ سمرنا کا قلعہ جس پر تیمور نے حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ قلعہ سینٹ یوحنا کے سرداروں اور نائٹوں کا قلعہ تھا۔ عیسائی دنیا کے اندر یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا اس لیے کہ یہ قلعہ ایک خلیج کے کنارے واقع تھا اور خشکی کی ایک تنگ پٹی اُسے سمندر سے ملاتی تھی اور اسی پٹی سے اس قلعے کے محافظوں کو یونان، یورپ اور دیگر یونانی جزیروں سے مدد ملتی رہتی تھی۔

تیمور اپنے لشکر کے ساتھ سمرنا کے قلعے سے باہر خیمہ ہوا اور قلعہ کے محافظوں کو اس نے پیغام پہنچایا کہ وہ سمرنا کا قلعہ اس کے لیے خالی کر دیں۔

قلعہ کے محافظوں نے قلعہ تیمور کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر تیمور نے ان کے قلعے کا محاصرہ کیا تو یقیناً اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ دوسری طرف تیمور بھی اس قلعے کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ لہذا سمرنا کے اس قلعے کو فتح کرنے کا اس نے ایک حیرت انگیز طریقہ اختیار کیا۔

سب سے پہلے تیمور نے پانی کے اندر چوبی ستون کھڑے کیے اور ان چوبی ستونوں پر اس نے موٹے موٹے تختے ڈال دیئے تھے۔ قلعے تک جانے کے لیے خلیج کا پانی اس قدر تھا کہ اس میں سے پیدل گزرا جاسکتا تھا اور چوبی ستون کھڑے کر کے ان پر تختے اس لیے

پھلے گئے تھے تاکہ تیمور کے لشکر کی ان تختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے اور قلعے کے محافظوں کی تیر اندازی سے محفوظ رہتے ہوئے آگے فصیل کی طرف بڑھ سکیں جب قلعے کی فصیل تک ستون گاڑنے اور تختے ڈالنے کا کام ڈھالوں کی ادٹ میں مکمل کر دیا گیا۔ تب ان تختوں کے نیچے سے گزار کر تیمور نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔

اب قلعے کی فصیل کے پاس جا کر تیمور کے لشکریوں نے دو کام شروع کیے۔ پہلا یہ کہ خشکی کی جو بٹی سمرا کو سمندر سے ملاتی تھی اس بٹی پر بڑے بڑے پتھر ڈال کر اسے سدود کرنا شروع کر دیا تاکہ قلعے کے محافظوں کو سمندر کی طرف سے کوئی امداد نہ ملنے پائے۔

دوسرا کام یہ کرنا شروع کیا کہ فصیل کو کھودنا شروع کر دیا تاکہ اس میں بارود بھر بھر کر اسے اڑا دیا جائے۔

یہ دونوں صرف دو ہفتوں میں مکمل کر لیے گئے تھے۔ جب قلعے کے محافظوں کو یقین ہو گیا کہ تھوڑی دیر تک قلعے کی فصیل کو بارود سے اڑا کر گرا دیا جائے گا اور تاتاری لشکر قلعے کو فتح کر لے گا تو قلعے کے محافظوں نے قلعہ خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سمندر میں ان کی ان گنت کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ تاتاریوں نے سمندر کی طرف جانے کا جو راستہ پتھروں سے سدود کیا ہے تو وہ ان پتھروں کے اوپر سے گزر کر اور اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ جائیں گے۔

پس یہ فیصلہ انہوں نے اہل شہر کے سامنے پیش کیا۔ شہریوں میں سے جنہوں نے ان کے اس فیصلے سے اختلاف کیا۔ انہیں انہوں نے قتل کر دیا۔ باقی کو انہوں نے ساتھ لیا اور قلعہ خالی کر کے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ اس طرح تیمور کسی بڑی جہت کے بغیر قلعہ کو فتح کرنے اور اپنے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

سمرا کی تسخیر کے اگلے روز جزیرہ رھوڈز سے ایک بڑا بحری بیڑا سمرا کے عیسائی محافظوں کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ رھوڈز کے اس بحری بیڑے کو خبر نہ تھی کہ تیمور نے قلعہ فتح کر لیا ہے اور یہ کہ قلعہ کے نصرانی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ جب یہ بحری بیڑہ

ساحل پر لگا تو قلعے کے اندر تیمور کے لشکر یوں نے عجیب طرح سے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے ایک مقتول نصرانی سردار کا سر منجھتیق کے اندر رکھا اور کٹا ہوا وہ سر انہوں نے اس منجھتیق کے ذریعے اس بھری بیڑے کے قریب ترین جہاز میں پھینک دیا۔ اس طرح رہوڈز کے بھری بیڑے کو خبر ہو گئی کہ سمرنا کے قلعے پر تاتاری قابض ہو چکے ہیں۔ لہذا وہ اپنے جہازوں کو حرکت میں لائے اور وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ اپنے لشکر کے ساتھ تیمور ابھی سمرنا میں ہی مقیم تھا کہ یہاں اس کے پاس انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم کا ایک ایلچی آیا اور بائزید کے خلاف کامیابی حاصل کرنے پر اپنے بادشاہ کی طرف سے مبارک باد کا پیغام پیش کیا۔ اسقف یوحنا جسے فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کی طرف روانہ کیا گیا تھا وہ بھی واپس آگیا اور چارلس کا پیغام تیمور کو پیش کیا۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ مینوئل جو سلطان بائزید کے خلاف امداد حاصل کرنے کے لیے یورپ میں دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ سلطان بائزید کے مقابلے میں تیمور کامیاب رہا ہے تو وہ یورپ سے واپس قسطنطنیہ پہنچ گیا اور تیمور کی خدمت میں اطاعت نامہ بھیجنے کے علاوہ اس نے خراج ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

اس کے علاوہ ہسپانیہ کے بادشاہ ہنری سوم کے دو ایلچی بھی تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان بائزید کے خلاف انہوں نے کامیابی اور فتح کی مبارکباد دی۔ غرض پورا یورپ ہی سلطان بائزید کی ناکامی اور تیمور کی کامیابی پر خوش تھا۔ اس لیے کہ سلطان بائزید نے تو پورے یورپ کو ایک طوفان کی طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس دوران تیمور کو کچھ حادثات پیش آئے۔ پہلا یہ کہ امیر الامراء سیف الدین

۱۰ ماخوذ از ہیر لڈلیم
۱۱ انگلستان، فرانس، ہسپانیہ، قسطنطنیہ اور دیگر جگہوں سے مبارک باد کے ان پیغامات سے متعلق ولیم ہیر لڈلیم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

مرگیا اور تیمور کو اس کی مرگ کا بے حد دکھ ہوا کہ ہر برسے اور اچھے وقت میں اس نے تیمور کا ساتھ دیا تھا اور اسے بہترین مشورے دینے کے علاوہ اس کے ساتھ جنگوں میں بھرپور حصہ بھی لیا تھا۔

دوسرے یہ کہ اتقی بوغا جسے تیمور نے ہرات کا والی مقرر کیا تھا وہ بھی مرگیا۔ تیمور نے نہ صرف اس کی موت پر دکھ کا اظہار کیا بلکہ اتقی بوغا کے دونوں بیٹوں کو اپنے لشکر میں شامل کرنے کا حکم جاری کیا۔

اس کے علاوہ تیمور کو احساس ہو چکا تھا کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے لہذا اس نے کچھ انتظامی فیصلے بھی کیے تھے۔ اس نے شہزادہ محمد سلطان کو اپنا ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے سارے پوتوں میں سے تیمور محمد سلطان کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس کے علاوہ تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو خراسان کا ایک خود مختار حکمران بھی مقرر کیا۔

اس کے علاوہ میں سمرنا میں قیام کے دوران تیمور کو ایک انتہائی بُری اور جان لیوا خبر بھی ملی۔ سلطانیہ سے ایک قاصد آیا۔ جس نے اطلاع دی کہ شہزادہ محمد سلطان ندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ یہ خبر سن کر تیمور بوکھلا سا گیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے فوراً سمرنا سے سلطانیہ کی طرف کوچ کیا۔

تیمور جب سلطانیہ پہنچا تو محمد سلطان واقعی مر رہا تھا۔ انقرہ کی جنگ جو اسے زخم آئے تھے۔ وہ مندمل نہ ہوئے۔ اور شہزادہ محمد کی جان لے کر رہے۔ تیمور کے لیے یغم نامقابل برداشت تھا۔ وہ بڑے صبر کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کی ماں خانزادہ کو بین کرتے اور محمد سلطان کے بچوں کو روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ تیمور نے ایک قاصد کو ہندوستان کی طرف روانہ کیا اور شہزادہ پیر محمد کو اس کے بھائی محمد سلطان کی موت کی اطلاع کر دی۔ خود تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف کوچ کیا اور جس وقت لشکر سمرقند میں داخل ہو رہا تھا اس وقت لشکر کے اندر شہزادہ محمد سلطان کی مرگ پر لشکر کے اندر سوگ کے سیاہ پرچم بلند تھے۔

محمد سلطان کے مرنے کی خبر سمرقند بھی پہنچ چکی تھی۔ لہذا فتوحات حاصل کرنے کے باوجود شکر کا استقبال نہ کیا گیا اور سمرقند شہر میں اس وقت گھوڑا شرب رنگ جیسی خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا شکر کسی شہر میں نہیں ماتم سرائے میں داخل ہو رہا ہو



تیمور نے نور الدین کو اس کی حویلی میں نظر بند کر کے اس پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ نور الدین کی خوراک اور دیگر ضروریات کی ساری ذمہ داریاں اینجیلینا پوری کر رہی تھی۔ ایک روز نور الدین سے ملنے کے لیے اینجیلینا جب اس کی حویلی کی طرف گئی۔ اس نے دیکھا حویلی میں ایک معمر خاتون داخل ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا نوجوان تھا جو لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اس نے جنگی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر آہنی خود تھا جس کا نقاب اس نے اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ پہچانا نہ جاسکتا تھا۔ اینجیلینا بڑی تیزی کے ساتھ ان دونوں کے پیچھے پیچھے ہوئی۔ جب وہ معمر عورت اور دبلا پتلا نوجوان آگے بڑھے تو نور الدین کی نگرانی پر مقرر محافظوں نے انہیں روکا اور ان میں سے ایک نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کون ہو؟ اور کیوں اس حویلی میں داخل ہوئے ہو۔“

اس معمر عورت نے کہا۔ ”ہم دونوں ماں بیٹا ہیں۔ میرا یہ بیٹا لنگڑا ہونے کے علاوہ گونگا اور بہرہ بھی ہے۔ اس لیے اپنے ان عیوب کو چھپانے کے لیے یہ ہمہ وقت اپنے سر پر خود رکھ کر اس کا نقاب اپنے چہرے پر گرائے رکھتا ہے۔ امیر نور الدین ہمارے دشمن ہیں اور ہم دونوں ان کے لیے کھانے پینے کی اشیاء لائے ہیں۔“

اس پہرے دار نے حکمانہ انداز میں اس بڑھیا سے پوچھا۔ ”یہ جو کون نے اپنے ہاتھ میں پوٹلی تھام رکھی ہے۔ اس میں کیا ہے۔“

بڑھیا نے بڑی عاجزی و انکساری کے عالم میں کہا۔ ”میں پہلے عرض تو کر چکی

ہوں کہ ہم امیر نور الدین کے لیے کھانے کی اشیاء لاٹے ہیں۔“
 اس سپاہی نے پھر ڈانٹ دینے کے انداز میں کہا۔ ”اس پوٹلی کو کھول کر دکھاؤ۔“
 بڑھیا نے فوراً زمین پر رکھ کر وہ پوٹلی کھول دی۔ ان محافظوں نے دیکھا اس
 پوٹلی کے اندر تازہ اور گرم گرم کھانوں کے علاوہ مختلف انواع کے خشک اور تازہ پھل
 بھی تھے۔

اس بار ایک دوسرے سپاہی نے اس بڑھیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر ہم تم
 دونوں ماں بیٹا کو امیر نور الدین سے منہ ملنے دیں تب؟“

اس بڑھیا نے پہلے اپنی پوٹلی دوبارہ باندھ کر سنبھالی۔ پھر اس نے ان محافظوں
 کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ہم دونوں ماں بیٹا کو امیر نور الدین کے پاس جانے سے
 ہرگز نہیں روک سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس بڑھیا نے اپنے لباس کے اندر سے
 ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور ایک محافظ کو قہمتاے ہوئے اس نے کہا۔
 ”ہم دونوں ماں بیٹا باقاعدہ امیر تیمور سے اجازت نامہ لے کر آئے ہیں۔
 انہوں نے ہمیں امیر نور الدین سے ملنے کا یہ حکم نامہ جاری کیا ہے۔ پہلے اس حکم نامے
 کو غور سے پڑھو، پھر اپنا فیصلہ دو کہ کیا تم لوگ ہم دونوں کو امیر نور الدین سے ملنے
 دو گے یا نہیں۔“

ان محافظوں نے پہلے وہ تحریر پڑھی پھر ان کے سرخیل نے معذرت طلب
 انداز میں کہا۔ ”اے خاتون! ہماری اتنی مجال کہاں کہ ہم تم دونوں کو روک سکیں۔
 تم دونوں ماں بیٹا بلا جھجک امیر نور الدین سے مل سکتے ہو۔ میرا ایک سپاہی تم دونوں
 کو امیر نور الدین کے کمرے تک چھوڑ کر آتا ہے۔“

اپنے سرخیل کے اشارے پر ایک محافظ ان دونوں ماں بیٹے کے ساتھ ہو لیا تھا
 اس محافظ نے ان دونوں کو نور الدین کے کمرے کی اس کھڑکی کے پاس لاکھڑا کیا تھا۔
 جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ انجیلینا بھی ان کے ساتھ تھی اور ان دونوں
 ماں بیٹے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

نور الدین اس وقت اپنے کمرے میں مہری پر دراز تھا۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کی اس کیفیت کا اندازہ اینجلینا نے بھی لگا لیا تھا۔ پھر اس معمر خاتون نے محافظ اور اینجلینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”ہم تنہائی اور تخیلے میں امیر نور الدین سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔“

وہ محافظ تو اسی وقت وہاں سے چلا گیا پر اینجلینا وہیں کھڑی رہی تھی اور ان دونوں کو تعجب اور شکوک ملے چلے انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔

اس پر اس بڑھیا نے اینجلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے اینجلینا! اے بنسٹ یوحنا! کیا آپ بھی تھوڑی دیر کے لیے یہاں سے چلی نہ جائیں گی کہ ہم کھل کر امیر نور الدین سے بات کر سکیں؟“

اینجلینا نے ایک طرح سے حیرت آمیز انداز میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں اور کس طرح مجھے پہچانتی ہیں۔ خدا کے لیے بتائیے آپ کون ہیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں اور امیر نور الدین سے آپ کا کیا تعلق ہے؟“

اس بڑھیا نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: ”اسقف یوحنا کی بیٹی اینجلینا کو کون نہیں جانتا جس کے امیر نور الدین کے ساتھ شادی سے انکار کے پرچے سمرقند کی ہر زبان اور کوچے کوچے میں رہے ہیں۔ اور اے میری بیٹی! رہا تمہارا یہ سوال کہ میں کون ہوں، تو اس کے لیے میں سمجھتی ہوں تمہارے لیے اس قدر ہی جان لینا کافی ہے کہ امیر نور الدین ہم دونوں ماں بیٹے کے ایک عرصہ سے محسن و مالک چلے آ رہے ہیں پس ہم دونوں اپنے محسن و مالک سے ملنے آئے ہیں اور تنہائی چاہتے ہیں۔ اینجلینا نے اس بار نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اے امیر! میں جاؤں۔“

نور الدین منہ سے تو کچھ نہ بولا، تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ اس پر اینجلینا کے چہرے پر ایک الم انگیزی اور ہیجان خیزی سی طاری ہو کر رہ گئی۔

تھی۔ تاہم وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی اور حویلی کے بیرونی حصے میں وہ محافظوں سے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور اجنبی ماں بیٹے کے جانے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

اینجیلینا کو کافی دیر تک وہاں انتظار کرنا پڑا تھا اس کے بعد کہیں جا کر وہ دونوں ماں بیٹا حویلی کے اندرونی حصے سے نکلے۔ بڑھیا نے محافظوں اور اینجیلینا کا شکریہ ادا کیا پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد اینجیلینا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہ حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوئی اور نور الدین کے کمرے کی کھڑکی میں اکھڑی ہوئی۔ اینجیلینا نے دیکھا، نور الدین کچھ اس انداز میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا جیسے وہ اسی کا انتظار کر رہا ہو۔

اینجیلینا کو دیکھتے ہی نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے اینجیلینا! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ ان دونوں ماں بیٹے کے جانے کے بعد تم ضرور آؤ گی۔“

اس موقع پر اینجیلینا نے درو کا غبار اور اندیشوں کی دھول اڑاتی ہوئی اپنی آواز میں کہا۔ ”اے امیر! آپ نے ان دونوں ماں بیٹے کے سامنے مجھے کیسا خفیف اور ہلکا کر کے رکھ دیا تھا۔ انہوں نے میرے چلے جانے کی خواہش کا اظہار کیا اور آپ نے بھی فوراً اثبات میں سر ہلکا کر اس کی تائید کر دی تھی۔“

اینجیلینا ذرا رُکی پھر شکوکوں سے بھرپور اس نے تقریباً روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”اے امیر! بس آپ کے دل میں میری اس قدر ہی اہمیت ہے کہ اجنبیوں کے سامنے آپ نے مجھے سبکسار اور کم قیمت بنا کر رکھ دیا ہے۔“

نور الدین نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے اینجیلینا! یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کس قدر بڑائی اور اپنائیت ہے اور پھر اے اینجیلینا! وہ دونوں اجنبی نہیں ہیں۔ برسوں سے میرے جلنے والے اور میرے غم گسار ہیں۔“

اے اینجلینا! کیا تمہارے دل میں میرے لیے اس قدر ہی ہمدردی اور عزت ہے کہ میں تمہیں جانے کو کہوں اور تم بُرا مان جاؤ۔“

نور الدین کے ان الفاظ نے اینجلینا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی ساری آنرز دگی اور ناراضی اور ساری ناخوشی و غصہ جاتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کائنات کی ساری رونقیں اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی کہنشاہیں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس کے لرزیدہ ہنٹوں پر پراس وقت بہاروں کی ساری مستیاں رقص کناں ہو گئی تھیں اور اس نے اپنی ساری حلاوت اپنی ساری مٹھاس کو اپنی آواز میں گھولتے ہوئے ندی کے پرکشش ترنم جیسی آواز میں کہا۔
”اے امیر! میں کیونکر آپ کی کسی بات کا بُرا مان سکتی ہوں اگر وہ دونوں ماں بیٹا آپ کو عزیز ہیں تو آج کے بعد آپ کی نسبت اور آپ کے حوالے سے وہ مجھے بھی عزیز تر ہیں۔“

صرف یہی نہیں اے امیر! بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ ہر وہ چیز جو آپ کو عزیز ہے وہ میرے لیے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ میں تو آپ سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ آج میں آپ کے لیے کھانے میں کیا لاؤں؟

نور الدین نے کہا۔ ”وہ دونوں ماں بیٹا میرے لیے کھانا لائے تھے اور اپنی موجودگی میں مجھے کھانا کھلا کر گئے ہیں۔ اے اینجلینا! اب تم میرے لیے دوپہر کے کھانے کی زحمت نہ کیا کرو نا کیونکہ میرا دوپہر کا کھانا وہ دونوں ماں بیٹا لے کر آیا کریں گے۔ وہ تو تینوں وقت کے کھانے کا اصرار کر رہے تھے پر میں نہیں مانا۔ میں نے انہیں صاف بتا دیا کہ میرے لیے کھانے کا انتظام اینجلینا کرتی ہے۔ لہذا میں تم ماں بیٹے کی طرف سے تینوں وقت کا کھانا قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر میں نے ایسا کیا تو اینجلینا ناراض ہو جائے گی اور میں کسی بھی صورت اینجلینا کو ناراض نہیں کر سکتا کہ وہ میرے محسنوں اور غم گساروں میں سرفہرست ہے۔“

نور الدین سے ایسے الفاظ سن کر وہ اپنی ذات میں یوں محسوس کر رہی تھی گویا نور الدین کے لیے وہ دنیا کی واحد قرار آفریں بستی ہو۔ اس کے لبوں پر فاختاؤں

کے پہلے ملائم پُروں جیسی نرم اور دھیرے دھیرے بڑھنے والی ہنسی تھی اور اس کے چہرے پر جو شہنشاہی جیسی ایک لاشعوری کیفیت پھیل بکھر گئی تھی۔ اس کی حالت سے ایسا لگتا تھا گویا اس کے سارے چاک دامان و نظر سل گئے ہوں اور نور کا منہج اس کی آنکھوں کے اندر چاہتوں کے ان گنت چاند طلوع ہو گئے ہوں۔ تھوڑی دیر تک اور وہ وہاں کھڑی ہو کر نور الدین سے باتیں کرتی رہی پھر وہ واپس چلی گئی تھی۔



ایجنینا اسی طرح جانفشانی کے ساتھ نور الدین کی خدمت کرتی رہی۔ دن گزرتے چلے گئے۔ تیمور کے حکم پر نور الدین کی بیڑیاں اُتار دی گئی تھیں۔ پھر دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ وہ دونوں ماں بیٹا بڑی باقاعدگی کے ساتھ نور الدین کے پاس آتے رہے اور اسے دوپہر کا کھانا کھلاتے رہے۔

اسی طرح ایک روز سہ پہر کے بعد نور الدین اپنے کمرے میں لیٹ کر آرام کر رہا تھا کہ محافظوں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور بڑی عقیدت کے ساتھ ان میں سے ایک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے امیر نور الدین! آپ ہمارے ساتھ چلیے آپ کو آقا تیمور نے طلب کیا ہے۔“

نور الدین فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان محافظوں کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا: ”کیا میری قیمت کے فیصلے کا وقت آگیا ہے جو آقا تیمور نے مجھے طلب کیا ہے۔“

ان محافظوں میں سے ایک نے پھر پاس احترام کا پورا پورا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اے امیر! ہم نہیں جانتے آپ کو کیوں طلب کیا گیا ہے پر آقا تیمور اس وقت اپنے کمرہ خاص میں اکیلے ہیں اور آپ کے منتظر ہیں۔“ نور الدین چُپ چاپ ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔

وہ محافظ جب نور الدین کو تیمور کے کمرے کے پاس لائے تو وہاں کھڑے تیمور کے ایک محافظ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اب تم سب وہاں جا سکتے ہو۔ امیر نور الدین اسی آزادی اور اپنی خواہش و مرضی کے مطابق آقا تیمور کے

جائیں گے جس طرح وہ ماضی میں جاتے رہے ہیں۔“

وہ محافظ جو نور الدین کو لے کر آئے تھے وہیں سے واپس چلے گئے تھے۔ جب کہ نور الدین نے ایک بار ادھر ادھر نگاہ دوڑائی پھر وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

نور الدین جب تیمور کے اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا تیمور اپنے اس کمرے میں دبیز قالینوں پر اور گدوں پر بچھائی ہوئی چادروں پر کمبلیوں کے سہارے اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے نور الدین کی وہ چرمی پیٹی رکھی ہوئی تھی جو تاناری سردار کو قتل کرنے کے بعد اس سے لے لی گئی تھی اور نور الدین کی اس پیٹی میں اس کی تلوار اور خنجر بھی لگے ہوئے تھے۔

نور الدین کو دیکھتے ہی تیمور کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے اپنے بائیں جانب ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”اُو نور الدین! میرے قریب آ کر بیٹھو۔“ نور الدین آگے بڑھا اور تیمور کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

تیمور نے پھر کہا۔ ”اے نور الدین! میرے عزیز! میں نے تمہیں کھڑے ہونے کو نہیں اپنے قریب بیٹھنے کو کہا ہے۔“

نور الدین نے اس موقع پر بلول، مضمحل اور سلگتی ہوئی سی آواز میں تیمور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے آقا! اگر مجھے ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو پھر بیٹھنے کے بجائے ایک مجرم کی طرح آپ کے سامنے کھڑا رہنا زیادہ پسند کروں گا۔“

نور الدین کے ان الفاظ پر تیمور گویا گھل کر رہ گیا تھا۔ اس کی حالت غم دہر کی تلچھٹ، شبِ ہجر کے زہر، دوسر کی لو، آسیب زدہ فضا، موت کے سایوں کے ہجوم اور مثالی اندھیروں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ آگے بڑھ کر اس نے نور الدین کو گلے لگایا۔ اس کی پیشانی چومی اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین! تم نہ مجرم ہو، نہ اجنبی۔ بخدا تم تو مجھے اپنے

بیٹوں جیسے عزیز ہو۔

اے نور الدین! تم جانتے ہو جس طرح کے الفاظ اور جس طرح کے اعتراضات تو نے انقرہ کے میدانوں میں جشن کے موقع پر میرے خلاف کہے تھے میں ایسے الفاظ سننے کا عادی نہیں ہوں۔ یہ باتیں مجھ سے اگر کسی اور نے کہی ہوتیں تو شاید اب تک میں اس کی گردن کاٹ چکا ہوتا لیکن اے نور الدین تمہارا معاملہ اور ہے۔ میں تمہیں اسی وقت معاف کر دیا تھا اور اتنا عرصہ تمہیں بہڑیوں اور نظر بندی میں اس لیے رکھا گیا۔ ہے کہ ایسا کرنے کے لیے میرے پاس دودھ جلات تھیں۔

پہلی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تم انتہائی غصے اور غضب کی حالت میں تھے اور میرے خلاف تم کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔ دوسری وجہ تمہیں اتنا عرصہ نظر بند رکھنے کے لیے یہ تھی تاکہ دوسرے سردار اور سالار اس سے عبرت پکڑیں اور تمہارے جیسا رویہ اختیار نہ کریں۔ انہیں احساس ہو کہ ایسی گفتگو کرنے پر اگر نور الدین جیسے ہر دلعزیز اور صفِ اول کے سالار کے ساتھ ایسا سلوک ہو سکتا ہے تو ان کی تو گردن کاٹی جا سکتی ہے۔

اے نور الدین! مجھے اُمید ہے کہ میرے معاملے میں اب تمہارا غصہ فرو ہو چکا ہوگا۔ اے نور الدین! اس دوران میں دکھ، غم اور نقصان اٹھا چکا ہوں۔ میرا قدیمی اور مخلص دوست سیف الدین مرگیا۔ آق بونا کو ہرات میں موت نکل گئی۔ میرا پوتا محمد سلطان جسے میں اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کر چکا تھا زندگی کی مصاف ہار گیا۔ اس کے علاوہ تمہارے لشکر میں تمہارے ماتحت کام کرنے والا میرا بہترین سردار جاکو برلاس بھی موت سے بغل گیر ہو چکا ہے۔

اے نور الدین! میں تسلیم کرتا ہوں کہ انقرہ کے میدانوں میں جشن کے دوران سب لوگوں کے سامنے تو نے مجھے باتیں کہی تھیں وہ سب سچ تھیں۔ میں نے بغداد، دمشق، حلب اور دیگر کئی اسلامی شہروں کو اجاڑا اور وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ میں نے مسلمانوں کی عظمت کا اظہار کرنے والی مسجدوں اور ایوانوں میں آگ لگائی۔ آہ

میں نے عالم اسلام کو آگ اور خون کے سوا کچھ نہ دیا۔ میں نے اپنے ہی بھائیوں کے شہرؤں میں لہو کی لکیروں کی داستانیں اور اپنے ہی بھائیوں کو بے ہنر و در ماندہ کیا۔ میں نے لاکھوں مسلمانوں کو جنگ کا ایندھن، طوفانی حوادث کا شکار اور موت کا اسیر بنا کر رکھا میں نے وقت کی رفتار میں تاریخ کے اوراق پر خون کے دھبوں کے سوا کچھ نہ چھوڑا میں نے ان گنت شہروں کو نذرِ آتش کیا۔ میں نے بے شمار کھیت، بنجر اور بستیاں دیران کر دیں۔ آہ نور الدین مجھے اپنے انسانیت کو جھلس دینے والے کردار کا احساس کا ہو چکا ہے۔

اے نور الدین! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں عالم اسلام کے لیے آنسوؤں کا چراغ، صحرائے آرزو کا سراب، طلب کی اندھی لگن اور تخریب کی قوت ہی ثابت ہوا۔ اے نور الدین! کاش بغداد و دمشق کو تہ و بالا کرنے کے بجائے میں نے شاخ زریں کو عبور کر کے یورپ کا رخ کیا ہوتا اور ان صلیبیوں کا سر کچلتا جو بائزید کے خلاف برسرِ پیکار ہوتے رہے۔

کاش میں نے حلب و سیواس میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہانے کے بجائے ماسکو کا رخ کیا ہوتا۔ وہاں کی حکومت کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرتا تاکہ آنے والے دور میں ماسکو کے مقابلے میں سائبیریا اور اس کے اطراف کی مسلمان ریاستیں زیادہ پر قوت اور طاقتور ہو کر دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوتیں۔

آہ! میں ظلمات کے اس سفر میں تباہ کن سیلاب اور جنگی سانڈ کی صورت میں اپنوں ہی سے ٹکراتا رہا۔ کاش اپنی دنیا سنوارنے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی آخرت کی کھیتی کے لیے بھی کچھ کام کیا ہوتا۔ اے نور الدین! میری آنکھیں کھلی بھی تو اس وقت جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔

فرازگ کر تیمور نے پوچھا۔ "اے نور الدین! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تو میرے اس سارے رویے کو فراموش کر کے مجھے معاف کر چکا ہے۔"

تیمور کی اس گفتگو پر نور الدین بے چارہ تڑپ اٹھا تھا۔ لہذا اس نے بڑی

انکساری میں کہا، اے آقا! اب جب کہ آپ کے سینے میں احساس کی ایک آگ بھڑک اٹھی ہے تو میں کیونکر آپ سے ناراض رہوں گا۔ اے آقا! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جس غیر مسلم قوت کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کریں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ نورالدین اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے جہاد کی اس داستان کو خوشنما بنا کر رکھ دے گا۔ اے آقا! آپ دیکھیں گے نورالدین ہر اسلام دشمن قوت کے خلاف ریت کے گبولوں، آندھیوں کے طوفان اور صدیوں کے غبار کی طرح حرکت میں آئے گا۔ اے آقا! اگر آپ کسی ایسی قوت کے خلاف جہاد کرنے کا عزم کر چکے ہیں تو بخدا یہ ان ترکاڑوں کا بہترین خیمازہ ہوگا۔ جو ہم ماضی میں عالم اسلام کے اندر کرتے رہے ہیں۔

نورالدین کے خاموش ہونے پر تیمور پھر کہہ رہا تھا۔ "اے نورالدین! سنو میں ارادہ کر چکا ہوں کہ میں خطا کی سرزمینوں کا رخ کروں گا اور ان غیر مسلم قوتوں کو کچل دوں گا۔ جو ماضی میں یا جوج ماجوج کی طرح نمودار ہو کر عالم اسلام کو مٹی و دل کی طرح چاٹتی رہی ہیں۔ میں عنقریب اس ہمہ پروانہ ہوں گا اور اے نورالدین! میں تمہیں اپنے عساکر کا سالار اعلیٰ مقرر کرتا ہوں۔"

تم جلتے ہو، شاہ رخ اس وقت خراسان میں ہے۔ پیر محمد ہندوستان میں اور محمد سلطان مٹی میں دفن ہو چکا ہے۔ سیف الدین سے میں محروم ہو چکا ہوں اور آق بوغا اپنا سفر آخرت طے کر چکا ہے۔ اب صرف تم ہی میرے پاس ہو جس پر مکمل طور پر میں بھروسہ اور اعتماد کر سکتا ہوں۔

اے نورالدین! تم آج سے ہی تیاریاں شروع کر دو۔ میں اب کسی بھی وقت خطا کی طرف کوچ کر سکتا ہوں۔"

نورالدین نے چھاتی تلنتے اور سمندر کی طرح سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بے فکر رہیں آقا! نورالدین کو آپ ہمہ وقت کوچ کے لیے تیار پائیں گے؟ تیمور، نورالدین کے اس جذبے پر خوش ہو گیا اور مسکراتے ہوئے کہا، اے نورالدین! میں جانتا ہوں تم آندھیوں اور زلزلوں، آہوں کے سفینوں اور موت کی

شکار گاہوں کے اندر بھی مکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ پر اے نور الدین خطا کی اس مہم پر روانگی سے قبل میری خواہش ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ اے نور الدین! میں اپنی زندگی میں ہی تمہاری حویلی کے آنگن میں تمہاری بیوی اور بچوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اے نور الدین! میں جانتا ہوں اینجیلینا کی تمہارے ساتھ محبت اب دیوانگی کی حدوں کو چھو چکی ہے۔ تم نے اگر اس سے شادی نہ کی تو وہ ایک لونڈی کی حیثیت سے بھی تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنے اور تمہاری خدمت کرنے پر کمر بستہ ہے۔

تمہارے آنے سے تھوڑی دیر قبل یوحنا اور اینجیلینا دونوں ہی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ نور الدین کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرنے کے لیے میں نے نور الدین کو بلایا ہے تو وہ دونوں باپ بیٹی بے انتہا خوش ہوئے تھے۔ اے نور الدین! وہ دونوں باپ بیٹی ابھی گھر واپس نہیں گئے۔ باہر محل کے باہر احاطے میں یا باغ میں ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ دونوں یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ میں نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ میں ابھی کچھ نہ کہوں گا۔ نور الدین کے آنے پر سب معاملات صاف ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ دونوں باپ بیٹی یہیں کہیں رُک کر تمہاری اور میری اس گفتگو کا انجام جاننے کی کوشش کریں گے۔ نور الدین! اب جب کہ اینجیلینا تم سے خلوص دل کے ساتھ معافی بھی مانگ چکی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ لہذا وہ ہر ایک سے بڑھ کر تمہاری حقدار ہے۔ لہذا میں خطا کی اس مہم پر روانگی سے قبل تمہاری حویلی کے آنگن میں بہار اور رونق دیکھنا چاہتا ہوں۔

اے میرے عزیز! میں چاہتا ہوں کہ خطا کی مہم پر روانگی سے قبل تم اینجیلینا سے شادی کر لو اور پھر وہ تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے ساتھ خطا کی مہم میں شامل ہو۔ اب بولو نور الدین! تم اس معاملے میں کیا کہتے ہو۔

تھوڑی دیر تک نور الدین نے اپنی گردن جھکائے رکھی پھر اس نے مدہم سی آواز میں کہا۔ "اے آقا! جو کچھ میں آپ سے کہنے والا ہوں شاید یہ آپ کے لیے تعجب

خیزا اور دکھ کا باعث بھی ہو۔ اے آقا! میں شادی کر چکا ہوں۔ میری بیوی اسی سمرقند شہر کی رہنے والی ہے اور اب تو اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کا نام عماد الدین ہے اور یہی نام میرے باپ کا بھی تھا۔

تیمور نے چونکتے ہوئے اور تقریباً اچھل کر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔ ”تم نے شادی بھی کر لی۔ تمہاری بیوی سمرقند شہر میں ہی رہتی ہے تمہارا بیٹا بھی ہو گیا اور مجھے یعنی تیمور کو خبر تک نہیں ہے۔ اے نور الدین! تو نے کب شادی کی تمہاری بیوی کون ہے، وہ کہاں رہتی ہے؟“

نور الدین نے اس بار گردن سیدھی کی اور کہا۔ ”اے آقا! میں نے سلطان بایزید کی ہم پر رونا گئی سے قبل شادی کر لی تھی اب تو میرا بیٹا چلنے پھرنے بھی لگا ہے۔ میری بیوی ایک غریب گننام لڑکی ہے۔ وہ کون ہے کہاں رہتی ہے یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔“ اس بار تیمور نے زور دے کر پوچھا۔ ”پر تم نے اسے چھپا کیوں رکھا ہے۔ اسے تم اپنے ساتھ اپنی حویلی میں کیوں نہیں رکھتے اور تم نے گننام طریقے سے شادی کیوں کی۔ مجھے اس میں شامل کیوں نہیں کیا؟“

نور الدین نے مدہم اور نرم آواز میں کہا۔ ”اے آقا! یہ سارے کام میں نے ایک دُور اندیشی کے تحت کیے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں آپ کے ان سارے سوالوں کے جواب کا ابھی وقت نہیں آیا۔ پر ساتھ ہی ساتھ میں آپ سے یہ وعدہ بھی کرتا ہوں کہ خطا کی اس مہم کے بعد میں تفصیل کے ساتھ آپ کو ان سوالات کا جواب دوں گا بلکہ میں اپنی بیوی اور اپنے بیٹے دونوں کو آپ کے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اب آپ اس سے متعلق مزید جاننے پر زور نہ دیں گے۔“

اے آقا! میں انجیلینا کی حالت سے بھی بے خبر نہیں ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے ساتھ بھی انصاف ہی کروں گا۔

تیمور چند ثانیوں تک گردن جھکائے سوچتا رہا پھر بولا۔ اے نور الدین! خطا کی یہ مہم ہماری گزشتہ ساری مہموں سے مختلف ہوگی۔ پہلی جنگوں میں میرا بیٹا شاہ رخ

اور میرے پوتے میرے ہمراہ ہوا کرتے تھے لیکن اس بار شاہ رخ خراسان میں، پیر محمد ہندوستان میں اور محمد سلطان تو ہمیشہ کے لیے ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ رہا حلیل تو میری لگا ہوں میں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ حالانکہ اس کی ماں اس کو شش میں ہے کہ میں خدیں کو ہی اپنا ولی عہد مقرر کر لوں جب کہ ایسا ناممکن ہے۔

اے نور الدین! اپنے سارے بیٹوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبت جہانگیر سے تھی اور اس کے بعد شاہ رخ سے ہے۔ میں نے جہانگیر کو ہی اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کیا تھا اور موت نے اسے مجھ سے چھین لیا۔

جہانگیر کے بعد میں نے اس کے بیٹے محمد سلطان کو اپنا ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پر موت نے اُسے بھی مجھ سے چھین لیا۔ اے نور الدین! اب تم ہی میرے دست راست ہو۔ لہذا میں خطا کی اس ہم پر کو جوچ کرنے سے قبل تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد پیر محمد میرا جانشین ہوگا۔ میرے اس فیصلے کو ابھی عام نہ کرنا۔ ورنہ کئی غلط فہمیاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ لہذا یہ فیصلہ فی الحال میرے اور تمہارے درمیان ایک راز کی حیثیت سے مخفی رہے گا۔

نور الدین نے پیر محمد عزم آواز میں کہا۔ اے آقا! آپ بے فکر رہیں۔ جب تک آپ چاہیں گے آپ کا یہ فیصلہ میرے اور آپ کے درمیان ایک راز ہی بن کر رہے گا۔ نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے کہا۔ اے میرے عزیز! تو پھر جاؤ اور خطا کی ہم کے لیے اپنی تیاریاں شروع کر دو۔ گو آج کل برفباری اپنے عروج پر ہے، پر اس کی پرواہ کیے بغیر ہم چند ہی یوم میں یہاں سے خطا کی طرف کوچ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

تیمور سے ملنے کے بعد نور الدین کو اپنی حویلی کے کمرے میں آکر بیٹھے کچھ بہت زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اینجیلینا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ نور الدین کے لیے کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھی۔ فرش پر اس نے چادر بچھائی اور نور الدین کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ اے امیر! آئیے کھانا کھائیے۔

ہی نے مجھے ایک آئینہ دار حقیقت اور پیکر وفا و محبت میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ آپ کی محبت نے ہی میری سانسوں میں ہلک اور میرے دل کی پھنکیوں میں حکایاتِ شبنم کی سی اُمیدیں بھر کر رکھ دی تھیں۔ اے امیر! میں نے تو اپنی تقدیر کی لوحوں تک کو آپ کے نام منسوب کر کے رکھ دیا تھا۔

پر آپ نے یہ کیا کر دیا۔ مجھے اعتبار کے قابل تک نہ جانا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اریسہ کے ساتھ آپ کی شادی پر مجھے دکھ اور غم ہوتا اور میں اس شادی کو ٹالنے کا باعث بنتی۔ نہیں! بخدا ہرگز نہیں۔ اریسہ کو تو میں نے اپنے دل میں بہنوں جیسا عزیز و محترم بنا لیا تھا۔ آپ نے مجھ پر تلخ حقیقتوں کے انبار ڈال دیئے ہیں۔ آپ کی ذات سے نسبت کی بنا پر میں اپنے آپ کو منفرد تصور کرنے لگی تھی لیکن آپ نے میری ساری ہنرمندی سارے فوقِ جمال اور میری ساری وفا کی آنچ کو مٹی کے ڈھیر میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ اے امیر! اس بے حس کائنات میں میری زندگی کو بے تاب انگوں کے جنوں دھواں دھواں اندھیری رات اور بکھر جانے والے خیالات کی طرح بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں تو ناقیامت آپ سے وابستگی کی اُمیدیں لگائے بیٹھی تھی۔ آپ نے تو مجھے راستے میں ہی غمِ زمانہ کی دھول کی طرح اڑا کر رکھ دیا ہے۔

اینگلینا بے چاری اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ کیونکہ پہلے اس کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی پھر اشکوں کے سحاب اس کی آنکھوں سے بُری طرح برس رہے تھے۔

نور الدین نے فوراً انگلینا کو تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ”اے انگلینا! ذرا یہ تو سوچو! میری اس شادی سے صرف تم ہی بے خیر نہیں ہو۔ بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ میں نے شادی کی ہے۔ حتیٰ کہ امیر تیمور کو بھی آج سے پہلے خبر نہ تھی کہ میں شادی کر چکا ہوں۔ اپنی شادی کو میں نے ایک مصلحت کے تحت صیغہِ راز میں رکھا ہے اور یہ مصلحت کیا تھی اس سے میں خطا کی مہم سے واپسی پر تمہیں اطلاع دوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ تم ضرور مطمئن ہو کر میرے اس رویے سے اتفاق کرو گی اور ہاں یہ تو کہو تمہیں میرے کس عزم سے خوشی ہوئی ہے۔“ انگلینا نے اپنے آنسو پونچھتے اپنے آپ کو سنبھالا پھر کہا۔

”آپ نے امیر تیمور سے کہا تھا کہ میں اینجلینا سے انصاف کروں گا۔ بس آپ کا
 یہی عزم میری خوشی کا باعث اور اے امیر! میں اس خطا کی مہم میں آپ کا ساتھ دینے
 کا فیصلہ کر چکی ہوں۔“

نور الدین نے غور سے اینجلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ
 نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے کہا۔ ”اے اینجلینا! آج تم میرا ایک کام کرو
 گی؟“ اینجلینا نے ایک وارفتگی سے کہا۔ آپ مجھ سے پوچھتے کیوں ہیں۔ آپ مجھے
 حکم دے سکتے ہیں۔ بخدا اینجلینا تو آپ کے لیے اپنی جان بھی بچھا کر سکتی ہے۔
 نور الدین نے جھٹ کہہ دیا۔ ”آؤ پھر آج دونوں مل کر کھانا کھائیں۔“

نور الدین کے ان الفاظ پر اینجلینا ایک دلکش وحسین حقیقت جیسی ہو کر رہ
 گئی۔ دنیا بھر کی خوشیاں اور مسرتیں اس کے چہرے پر قفس کرنے لگی تھیں۔ پھر اس
 نے شراتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ”اے امیر! اب مجھے آپ سے کوئی شکوہ، کوئی
 گلہ نہیں رہا پھر اینجلینا وہاں بیٹھ کر نور الدین ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔“





نومبر کے مہینے میں جب کہ زمین پر ہر طرف برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی تیمور نے اپنے دولاکھ کے لشکر کے ساتھ سمرقند سے خطا کی سر زمینوں کی طرف کوچ کیا۔ اپنے بعد تیمور نے اپنے ایک سردار ارغون شاہ کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا۔ اس بار لشکر کی ترتیب بھی مختلف تھی۔

تیمور نے اپنے پاس وہ لشکر رکھا جو کبھی اس کے پوتے محمد سلطان کی کمانداری میں ہوا کرتا تھا۔ میمنہ کا سالار شہزادہ خلیل کو بنایا گیا۔ میسرہ شاہ رخ کے بیٹے اور تیمور کے جواں سال پوتے الفغ بیگ کی کمانداری میں تھا

ان کے علاوہ لشکر کا قلب، مقدمہ، الجیش اور عقب لشکر تینوں کا سالار نور الدین کو مقرر کیا گیا تھا۔ گزشتہ جنگوں میں جس طرح تیمور اپنے بیٹے شاہ رخ کو ہر وقت اپنے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کوچ کے دوران وہی اہمیت اور وہی توقیر وہ نور الدین کو دے رہا تھا۔

اس مہم میں تیمور نے اپنی ملکہ سرائے خانم کو بھی اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ لشکر میں شامل دیگر سرداروں اور عام لشکریوں کی بیویاں اور بیٹیاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ یوحنا اور انجیلینا بھی حسب سابق لشکر میں شامل تھے۔

تیمور نے سب سے پہلے شہزادہ خلیل کو کوچ کا حکم دیا۔ تاکہ وہ آگے آگے رہ کر برف باری کے باعث راستوں کے دشوار اور شراب ہو جانے کی خبر دیتا رہے۔ اس کے بعد دیگر لشکر کے ساتھ تیمور نے کوچ کیا اور یہ کوچ بھی بڑا عجیب اور ہولناک تھا۔ لشکر کے اندر اتنی اتنی بڑی گاڑیاں تھیں جنہیں کسی کئی گھوڑے کھینچ رہے تھے اور یہ گاڑیاں برف کے اندر سفر کرتی ہوئیں یوں لگتی تھیں گویا ایک پورا چوٹی شہر حرکت کر رہا ہو۔ ان گاڑیوں کے اندر سامانِ رسد تھا۔ چونکہ برف باری کے باعث راستے میں کھانے پینے کی کوئی شے میسر آنے کی امید نہ تھی۔ لہذا ان بڑی بڑی گاڑیوں کو سامانِ رسد سے تیمور نے بھر دیا تھا تاکہ راستے میں لشکر کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔

سمرقند شہر سے ذرا فاصلے پر جا کر تیمور نے ایک بار پلٹ کر شہر کی طرف دیکھا اور پہلی بار اسے اپنے بوڑھے اور کمزور ہو جانے کا احساس ہوا۔ کیونکہ نگاہ کمزور ہو جانے کے باعث اسے سمرقند کے مینار اور گنبد صاف دکھائی نہ دیئے تھے۔

جب یہ لشکر مشہور درہ ”بند امیر“ سے گزر کر آگے شمالی سطح مرتفع کی طرف بڑھنا شروع ہوا تو برف باری شروع ہو گئی تھی۔ زمین کا سینہ سفید اور رخ بستہ ہو گیا تھا کچھ اس طرح گویا پوری دنیا برف سے سفید ہو گئی ہو۔ کوہستانی ندیاں جم گئی تھیں۔ چشتی منجمد ہو کر رہ گئے تھے اور راستوں پر جا بجا برف کے تودے کھڑے ہو گئے تھے۔ سردی کے باعث گھوڑے مرنے لگے تھے۔ کچھ سرداروں نے واپس جانے کا مشورہ دیا پر تیمور نے واپس جانے سے قطعی انکار کر دیا بلکہ اس نے آگے بڑھنے کے لیے وہ راستہ بھی تبدیل کر لیا جس راستے پر اس سے آگے شہزادہ خلیل میمنہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

شہزادہ خلیل اپنے میمنہ کے ساتھ اس برف باری سے بچنے کے لیے سنگ نام کے ایک سرمائی شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر چکا تھا۔ تیمور کا خیال تھا کہ وہ آگے بڑھتے ہوئے اترا شہر سے باہر کھلے میدانوں کے اندر خمیر زن ہو گا اور موسم ٹھیک ہو جانے پر وہ قاصد بھیج کر شہزادہ خلیل کو بھی اس کے میمنہ کے ساتھ ہلالے گا اور اس طرح موسم کھل جانے کے بعد پورا لشکر متحد ہو کر خطا کی سرزمینوں کی

طرف بڑھے گا لیکن برف باری کے باعث کوہستانوں کے اندر سفر بڑا دشوار ہو گیا تھا۔ کئی مقامات ایسے بھی آئے کہ برف پر نمدے پچھا کر ان کے اوپر سے گاڑیوں کو گزارنا پڑا تھا۔ کیونکہ گاڑیاں برف میں دھنس جاتی تھیں اور گھوڑے انہیں کھینچ سکتے تھے۔ بہر حال چاروں طرف پھیلی ہوئی برف کے اندر یہ گاڑیاں ایک لمبی سیاہ لکیر کی صورت میں آگے بڑھتے رہی تھیں۔

سردی اس قدر سخت اور جان لیوا ہو گئی تھی کہ آگے بڑھنا ناممکن لگتا تھا۔ بہر حال تیمور آگے بڑھتا رہا اور دریائے سیر کے اوپر برف کی اس قدر موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ کہ لشکر اس کے اوپر سے گزر کر اترار شہر کی طرف بڑھا۔

تیمور نے اترار شہر سے باہر کھلے میدانوں کے اندر پڑاؤ کر لیا اور آناً فاناً وہاں خیموں اور لکڑی کے چھکڑوں کا ایک شہر سا آباد ہو کر رہ گیا تھا۔ تیمور کا ارادہ تھا کہ وہ چند یوم تک ان میدانوں کے اندر قیام کرے گا اور جب برفانی طوفان تھم جائیں گے تو وہ دوبارہ خطا کی طرف کوچ کرے گا لیکن تیمور کو اس سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا کیوں کہ اترار کے میدانوں میں وہ بیمار ہو گیا اور یہ بیماری موت کی بیماری تھی جو دن بدن بدستور ہوتی چلی تھی۔ آخر ملک الاطبار مولائے تبریز نے یہاں تک کہہ دیا کہ ابن پچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

تیمور کی بیوی ملکہ سرائے خانم، ایجنلینا اور کچھ دیگر قریبی عورتیں ہمہ وقت تیمور کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئی تھیں۔ تیمور بھی جان گیا تھا کہ اب اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ لہذا اس نے نور الدین اور شاہ رخ کے بیٹے بالغ بیگ کو طلب کیا۔

جس وقت نور الدین اور بالغ بیگ تیمور کے عظیم نشان خیمے میں داخل ہوئے اس وقت تیمور کے پاس ملکہ سرائے خانم، ایجنلینا اور شاہی طبیب مولائے تبریز بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور اس وقت اپنے بستر پر آنکھیں بند کیے بستر پر بے سہ پڑا ہوا تھا۔ ملکہ سرائے خانم نے جب اسے نور الدین اور بالغ بیگ کے آنے کی اطلاع کی تو تیمور نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور اشارے سے اس نے دونوں کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔

نور الدین اور النغ بیگ اس کے قریب بیٹھ گئے۔

چند ثانیوں تک تیمور انکھیں بند کر کے کچھ سوچا رہا۔ پھر بولا۔ اے نور الدین! میری حالت مجھے بتاتی ہے کہ میں بچوں گا نہیں۔ لہذا تمہاری اور النغ بیگ کی موجودگی میں اپنی موت سے پہلے میں اپنے بیٹے جہانگیر کے پسر پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ نور الدین! آج اور ابھی چند قاصد ہندوستان کی طرف بھجواؤ اور پیر محمد کو میرا یہ پیغام دو کہ وہ فوراً سمرقند پہنچے تاکہ فوجی اور انتظامی معاملات پر اسے مکمل اختیار حاصل ہو۔ میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی زندگیاں اس کی خدمت کے لیے وقف کر دینا۔ ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کرتے رہنا اور سمرقند کی طرح مملکت کے دور دراز صوبے بھی اس کے ماتحت ہونے چاہئیں۔

اے نور الدین! اگر تم نے پیر محمد کی پوری طرح مدد و اعانت نہ کی تو یاد رکھو تخت و تاج کے حصول کی خاطر میرے اقربائیں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہو جائے گی۔ راکش اس وقت شاہ رخ یہاں ہوتا اور میں اسے آخری بار دیکھ ہی سکتا چند ساعتوں تک تیمور پھر خاموش رہا۔ پھر دوبارہ اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے مہم اور بکھری بکھری آواز میں کہا۔

اے نور الدین! تم دیکھتے ہو چار سو برف کی چادر پھیلی ہے۔ سیم پکیر آبشاریں اور چشمے منجمد ہو چکے ہیں۔ اونچے کھاروں کے سینے برف سے روپوش ہیں۔ موت کے سلے مجھ پر گھمبیرات، ہیبت ناک سناٹوں اور شب کے سودا گروں کی طرح وارڈ ہونے والے ہیں۔ میری روح بندش کے ہراظہار کا خاتمہ کر کے جسم کی قید سے آزاد ہونیوالی ہے۔ آہ! وقت کے منجمد ہار میں تغیرات کی ان رصد گاہوں کے فیصلے بھی کیا عجیب فیصلے ہیں۔ انسان ساری زندگی اپنے مقدرات سے جنگ کرتے کرتے آخر تاریک ساگر میں ڈوبنے والے ستاروں کی مانند کھو جاتا ہے۔ بکھری تیوں کے لاشوں، دیر لگن گزر گاہوں اور دیک لگے دروہام جیسا ہو جاتا ہے۔

اے نور الدین! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ خطا کی مہم سے واپسی پر تو

مجھے اپنی بیوی سے متعلق ساری تفصیل بتا دے گا۔

اے میرے عزیز! اب جب کہ موت کے بے عکس میوے مجھ سے تانک جھانک کر رہے ہیں مجھے تفصیل کے ساتھ اپنی بیوی سے متعلق کہو کہ مجھے اطمینان ہو۔ نور الدین کی گوردن چند ساعتوں تک بھکی رہی۔ پھر اس نے کنا شروع کیا اے آقا! جب سمرقند شہر میں ایک غلام کی حیثیت سے پہلی بار مجھے آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور میں نے آق بونگ سے مقابلہ جیتا تو میں بے حد خوش اور پرسکون تھا، کہ آپ نے میری قدر شناسی اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ پر جس وقت آپ نے میری اور اینجلینا کی منگنی کی بات کی اور اینجلینا نے مجھے غلام ابن غلام کہہ کر میری زندگی کا ساتھی بننے سے انکار کر دیا تب میرا دل ٹوٹا۔

اور مجھے احساس ہوا کہ اصل میں آزادی ہی آزادی کا جو ہر ہے اور یہ کہ غلامی زسیت کی بدترین اور تکلیف دہ دھند ہے جس میں ایک انسان اپنی زندگی کی راہیں خود متعین کھنے پر قادر نہیں ہے۔ ان خیالات نے میرے ذہن میں قسمت کے پیالوں کا زہر سا بھر دیا۔ اور میں سکون کی تلاش میں اکثر سمرقند شہر کے مضافات میں چلا جاتا تھا۔

اے آقا! ایک روز میں سمرقند کے مغربی جانب کوہستانی سلسلے کی طرف گیا، تو میں نے دیکھا دو جوان ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑے کچھ ساز باز کر رہے تھے۔ ان دونوں کے گھوڑے بھی ان کے قریب ہی گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑے تھے اور وہ دونوں بار بار چٹان کے اوپر سے کسی کو دیکھنے کی بھی بیتا بانہ کوشش کر رہے تھے۔

مجھے تجسس اور جستجو ہوئی کہ آخر یہ دونوں اوٹ میں رہ کر کیسے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا میں نے بھی وہاں گھنے درختوں کے ایک جھنڈ کے اندر اپنے گھوڑے کو باندھ دیا اور ان دونوں سے دائیں جانب ذرا فاصلے پر ایک چٹان کی طرف بڑھا۔

میں نے جب چٹان کے اوپر سے اس سمت دیکھا جدھر وہ دونوں دیکھ رہے تھے۔ تو میں نے دیکھا وہاں وادی کے اندر ایک لڑکی بھیڑوں کا ایک

بہت بڑا ریوڑ چر رہی تھی۔ وہ لڑکی اکیلی ہی تھی۔

وہ لڑکی آئینے میں ڈھلے عکس اور پانی میں جلتے چراغ جیسی حسین تھی۔ وہ کچھ اس انداز میں اپنے ریوڑ کی بھیڑوں کے اندر ادھر ادھر بھاگ رہی تھی گویا اس کی آنکھوں میں منزلوں کا غبار اور پاؤں میں امیدوں کے سراب بندھے ہوئے ہوں۔ وہ نوید صبح جیسی خوشگوار اور فطرۂ سیاب جیسی چنچل تھی۔ وہ تخیل کے نقش و نگار اور سنگم کی سنہری رات جیسی خوب صورت تھی۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی کس ہی تھی۔ پر پھر بھی اس کا نفس طوفان اور ہر قدم زلزلہ لگتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آگ کا کوئی شعلہ ہو جو ادھر ادھر لپکتا پھیر رہا ہو۔

بحر کے موتی جیسی وہ خوب صورت حسین اور پرکشش لڑکی ان پرندوں جیسی پرسکون دکھائی دے رہی تھی جو آبِ کے سایوں میں اپنی پرواز پر مطمئن رہتے ہیں مجموعی طوع پران وادیوں کے اندر وہ لڑکی اک زمزمہ سیال، تخلیق کا بہترین شاہکار عارضوں کی رعنائی اور جمالِ اقصیٰ کی تابکاری لگ رہی تھی۔

میں جان گیا کہ وہ دونوں جوان اس لڑکی پر بُری نگاہ کا الودہ رکھتے ہیں۔ لہذا میں وہاں رُک کر انتظار کرنے لگا۔ میں ہر حال میں اس لڑکی کی مدد کرنے کا عہد کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ معصوم بھولی بھالی اور کسن لڑکی اپنی بھیڑوں کے اندر ادھر ادھر بھاگتی ہوئی اس چٹان کے قریب آئی جس کے نیچے وہ دونوں جوان چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے تو وہ دونوں اوٹ سے نکلے اور دونوں نے آگے بڑھ چھپ کر دوستی اس لڑکی کے بازو پکڑ لیے۔ وہ لڑکی بے چاری انتہائی بے بسی اور لاجپارگی میں رونے اور شور کرنے لگی تھی۔ پر اس وادی میں کوئی بھی اس کی مدد کرنے والا نہ تھا۔

وہ محرومیوں کی داستان اور مسمار خوابوں کی سی حالت میں چیخ دیکار کرنے کے ساتھ بار بار ہاتھ جوڑ کر اسے رحم کی دریوزہ گری بھی کرتی جا رہی تھی۔ آہ آقا!

اس وقت اس لڑکی کی حالت ، اس کی بے بسی ، اس کی لاپرواہی پر میں بڑا روایا تھا۔ نور الدین نے دیکھا۔ تیمور ، مولائے تبریز اور ملکہ سرائے خانم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو چکے تھے۔ جب کہ اینجلینبے چاری کھل کر نعرہ زور سے ہچکیوں میں رورہی تھی۔ مولائے تبریز نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ”اے امیر نور الدین ! کون تھی لڑکی اور آپ نے اس وقت کیا کردار ادا کیا۔“

ذرا رک کر نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ ”جس وقت وہ دونوں جوان اوٹ سے نکل کر اس لڑکی کی طرف بڑھے تھے۔ اس وقت مجھے ایسا لگا تھا جیسے دو درندے ایک ساتھ کسی غزال پر حملہ آور ہونے کو لپکے ہوں۔“

اس وقت میرے اندر کا انسان جو کسی بھی دور میں غلام نہ تھا وہ اس منظر پر ایک وحشی جلاوکی صورت اختیار کر گیا۔ پس میں اپنی تلوار سونت کر آگے بڑھا اور انہیں لڑکی کو چھوڑ دینے کے لیے کہا۔ اس پر وہ دونوں سنبھل گئے۔ لڑکی کو انہوں نے چھوڑ دیا اور مجھ سے نمٹنے کے لیے انہوں نے اپنی تلواres کھینچ لی تھیں۔ لڑکی کو جب یہ احساس ہوا کہ میں اس کی مدد کو آگیا ہوں تو وہ مطمئن سی ہو کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ پس وہ دونوں جوان مجھ سے ٹکرائے۔ اس کش مکش میں ان دونوں کو میں قتل بھی کر سکتا تھا۔ پر میں نے ان دونوں کے وہ ہاتھ کاٹ دینے پر ہی اکتفا کیا تھا جن ہاتھوں سے انہوں نے اس لڑکی کے بازو پکڑے تھے۔ پھر انہیں وہاں سے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

وہ دونوں جب تکلیف و کرب میں بلبلا تے ہوئے وہاں سے چلے گئے تب وہ لڑکی میرے قریب آئی اور اپنے آلوچہ لبوں پر نوید صبح جیسی بکرا ہٹ بکھرتے ہوئے اس نے اپنی شہد گھولتی آواز میں مجھ سے میرے متعلق پوچھا۔ میں نے اسے اپنے متعلق بتایا۔ پھر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام اریہ ہے۔ میں نے جب اس سے یہ پوچھا کہ وہ اتنا بڑا ریوڑ کیسی کیوں چلاتی ہے ؟ تب وہ لڑکی اے میرے آقا ! جنگل کے تنہا درخت اور سرما کے ٹوبتے زرد چاند کی

طرح اُداس ہو گئی تھی۔ اس کی حالت اس مسافر جیسی ہو گئی تھی جو حد سے گزر چکی ہوئی ہو۔
لوٹ اور ظلم کا شکار ہو گیا ہو۔ کافی دیر تک وہ بے چاری سر جھکائے خاموش
کھڑی رہی۔ پھر میرے زور دینے پر اس نے ہواؤں میں نالیدہ فریاد کی کیفیت
کے سے انداز میں مجھے بتایا۔

”کہ یہ ریوڑ ان کا نہیں ہے۔ اس کی ماں مرچکی ہے اور اس کا باپ سمرقند
کے ایک رئیس کا غلام تھا۔ بھیڑوں کا وہ ریوڑ اسی رئیس کا تھا جسے اس کا باپ چرایا
کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ اس کا باپ بیمار ہو گیا اور اس کی جگہ اریسہ ریوڑ چرانے
لگی۔ میں نے بھی اسے اپنے متعلق تفصیل سے بتایا کہ کس طرح میں اور میرا باپ بھی
دونوں ہی یکے بعد دیگرے ایک ایرانی رئیس کے غلام تھے۔ کیسے مجھے محترم سیف الدین
نے خریدا اور کس طرح امیر تیمور نے میری عزت افزائی کی اور مجھے غلام نور الدین سے
شیخ اور امیر نور الدین بنا کر رکھ دیا۔“

میرے حالات سن کر وہ بے حد خوش ہوئی اور اس نے مجھے اس رئیس کی حویلی
کا پتہ دیا اور خواہش کی کہ میں اس کے باپ سے ملوں۔ بہر حال میں اس کے باپ سے ملا
وہ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ کیوں کہ اریسہ نے اسے پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ کس طرح
میں نے اس کی عزت کی حفاظت کی تھی۔

اے آقا! میں ان سے ملتا رہا۔ میں اریسہ کے پاس جا بیٹھتا۔ جب وہ اکیلی
ریوڑ چرا رہی ہوتی تھی۔ میری موجودگی میں وہ خوش رہتی اور اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتی
میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے پسند بھی کرتی ہے۔

پھر اے آقا! میں نے ایسا کیا کہ اس رئیس کو رقم ادا کر کے ان دونوں باپ
بیٹی کو آزاد کرالیا اور شہر کے اندر انہیں ایک مکان لے دیا۔ جس میں وہ دونوں رہنے
لگے۔ میں اس کے باپ کا علاج کرنے لگا اور اکثر ان سے ملنے چلا جاتا تھا۔ اس
دوران امیر سیف الدین کو شک گزرا کہ نہ جلنے میں کہاں چلا جاتا ہوں۔ انہوں
نے دو ایک بار میرا تعاقب کیا لیکن میں نے اریسہ کو سمجھا رکھا تھا کہ وہ اپنے آپ کو

فی الحال خفیہ رکھے اور میرے ساتھ تعلق کے حوالے سے وہ کسی کے سامنے نہ آئے۔ اس لیے جب کبھی بھی کوئی ملنے والا ان کے ہاں آتا تو وہ فوراُٹھ کر درمیانی دروازے سے ہمسایوں کے ہاں چلی جایا کرتی تھی۔ بہر حال میرے تعلقات ان کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کے باپ کی رضامندی پر میری اور اریبہ کی شادی کر دی گئی۔

میری خواہش پر یہ شادی انتہائی سادگی اور خاموشی کے ساتھ کی گئی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ سوائے ہمسایوں کے۔ شادی کے چند ہی دنوں بعد اریبہ کا باپ مر گیا اور اے آقا! اب میں ایک بیٹے کا باپ ہوں۔ جیسا میں بچپن میں خود غلام اور بے بس تھا۔ ایسی ہی مجھے اریبہ بھی مل گئی لہذا میں نے اس کے ساتھ شادی کو خفیہ رکھا اور شادی کو خفیہ رکھنے کی ایک بڑی وجہ اور بھی تھی جو اس وقت میں آپ سے نہ کہوں گا۔

تیمور کی حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا ہو نور الدین کی اس گفتگو کا اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے ڈوٹی اور لمحو بہ لمحو ختم ہوتی آواز میں اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کاش! میں اریبہ کو دیکھ سکتا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ کاش! میں اس مہم کو سر کر سکتا۔ کاش! اپنے مقدر کی جنگ لڑنے سے پہلے پہلے میں نے صداقتوں کی امانت، منبروں کی سر بلندی اور مسجدوں کے وقار کا کوئی بڑا کام کیا ہوتا۔

تیمور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کی سانس ہی بند ہو گئی ہو۔ شاہی طبیب مولائے تبریز نے گھبرا کر تیمور کی نبض پر ہاتھ رکھا پھر اس نے دمھم اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”بات ختم ہو چکی ہے۔ آقا دم توڑ چکے ہیں۔“

ملکہ مراٹے خانم اور انجلینا زور زور سے رونے لگی تھیں۔ نور الدین اور مولائے تبریز کی آنکھوں سے بھی اشکوں کے ہمارے بہہ نکلے تھے۔ تھوڑی دیر

نور الدین سنبھلا اور مولائے تبریز کو مخاطب کر کے اس نے کہا "آپ تھوڑی دیر بیسیں بیٹھیں، میں لشکر کے دیگر سالاروں کو امیر تیمور کی مرگ سے مطلع کرتا ہوں کہ امیر تیمور کی خواہش کے مطابق ہمیں خطا کی مہم سر کرنے کے لیے پیش قدمی کرنی چاہیے۔ یا واپس سمرقند کی طرف جانا چاہیے۔" اس کے ساتھ ہی نور الدین اٹھ کر حیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



نور الدین کے دوسرے سالاروں کے ساتھ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ فی الحال خطا کی مہم کو ترک کر کے سمرقند کا رخ کیا جائے اور سب سے پہلے امیر تیمور کی تکفین کا انتظام کیا جائے۔ ساتھ ہی کچھ تیز رفتار قاصد نور الدین نے ہندوستان میں پیر محمد کی طرف بھی روانہ کر دیئے تھے۔

دوسری طرف شہزادہ خلیل ابھی تک سنگ نام کے سرمائی شہر میں مقیم تھا۔ تیمور کے لشکر میں شامل اس کے بھی خواہوں نے جب اسے یہ اطلاع کی کہ امیر تیمور مر چکا ہے تو خلیل نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے لیے فوائد حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے میمنہ کے سرداروں کو بڑے بڑے لالچ دے کر اپنے ساتھ بلا لیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے بڑی تیزی سے سمرقند کا رخ کیا۔

لہذا آندھی اور طوفان کی طرح سمرقند میں داخل ہوا۔ تاج و تخت پر اس نے قبضہ کر لیا اور تیمور کا جانشین ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ خلیل نے شاری ملک کے ساتھ اپنی شادی کا اعلان کرتے ہوئے اسے سمرقند کی ملکہ بنا دیا تھا۔

خلیل جانتا تھا کہ لوگوں کے دل میں اس کی کیا عزت اور احترام ہے۔ اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ تیمور کی لاش کے ساتھ نور الدین کے آنے یا خراسان سے شاہ رخ اور ہندوستان سے پیر محمد کے آنے پر لوگ فوراً اس کا ساتھ چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو لیں گے اس لیے کہ لوگ جانتے تھے کہ خلیل نہ صرف حکومتی معاملات کا بلکہ میدان جنگ کا بھی نا تجربہ کار ہے۔ اس لیے تخت پر بیٹھنے اور شاری ملک کے ملکہ ہونے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ ہی اس نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے عملی اقدامات بھی

کرنے شروع کر دیئے تھے۔

تیمور نے اپنے دور میں بے انتہا دولت جمع کی تھی۔ اس کے خزانے پُر تھے لہذا خلیل نے اس دولت کو اپنے کام میں لانے کا عزم کر لیا تھا۔

خلیل نے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ایسا زوردار اور شان و شوکت کا اسراف بے جا کیا کہ لوگ وقتی طور پر اس کا دم بھرنے لگے۔ اسی دولت کی وجہ سے اس کے گُن گانے اور اس کا دم بھرنے والے بہت سے لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ تجربہ کار اُمراء کو اس نے ان کے عہدوں سے ہٹا دیا اور ایسے لوگ اس نے اپنے ارد گرد جمع کر لیے جن میں ایرانی، خوشامدی اور اسی نوع کے دوسرے لوگ شامل تھے۔

سمرقند کے باغات کے اندر خلیل کے حکم سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ رگ و رنگ کی تقریبیں منعقد ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ سمرقند کے فواروں میں پانی کے بجائے عمدہ قسم کی شراب گرائی جانے لگی تھی اور لوگ نوشی نوشی اس شراب کو اپنے استعمال میں لانے لگے تھے۔

شاری ملک بھی جب غیر متوقع طور پر سمرقند جیسی عظیم الشان سلطنت کی ملکہ بن گئی تو اس کی ہوا بھی بدل گئی۔ وہ موقع بے موقع جشن منانے لگی۔ بڑے بڑے شعراء سے اپنی شان میں قصیدے لکھواتی۔ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہیرے جواہرات زمین پر بکھیر دیتی کہ جو پائے وہی لے لے۔ اس طرح خلیل اور شاری ملک نے خزانوں کے منہ کھول کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

○

اپنے اُمراء اور سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد نور الدین نے لشکر کے لیے سمرقند جانے کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔ خلیل کو جب اطلاع ہوئی کہ نور الدین

اس شاری ملک نے تیمور کے اہل خانہ اور اس کے عزیز و اقارب کو بھی ذلیل و رسوا کرنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کا رخ کر رہا ہے تو اس نے شہر کے سارے دروازے بند کر دیئے۔ اور احتیاطاً فصیل پر اس نے اپنے لشکر کی مقرر کر دیئے تھے۔

نور الدین کو بھی راستے میں تیمور کے ناظروں نے اطلاع کر دی تھی کہ خلیل سمرقند کے تاج و تخت پر قابض ہو چکا ہے اور خزانوں کے منہ کھول کر اس نے لوگوں کو اپنے ساتھ بلا لیا ہے۔ نور الدین جب شہر کے پاس آیا تو شہر کے دروازے اس نے اپنے لیے بند پائے۔

جس وقت نور الدین، اسقف یوحنا، اینجلینا اور اپنے کچھ امراء کے ساتھ شہر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ شاید خلیل کے حکم پر اوپر برج پر کھڑے کسی غیر ذمہ دار سپاہی نے نور الدین پر تیر چلا دیئے۔ لیکن اس کا نشانہ خطا گیا اور تیر اسقف یوحنا کو پھید کر رکھ گئے تھے۔ نور الدین کے سپاہیوں نے فوراً اسے اینجلینا اور دیگر سالاروں کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ اور پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یوحنا کی لاش کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اس موقع پر اینجلینا بے چاری دھاریں مار مار کر رو رہی تھی اور نور الدین اسے تسلی دے رہا تھا۔

بہر حال دریائے سیر کے کنارے تیمور کا جنازہ ادا کیا گیا اور نور الدین نے اپنے لشکریوں کو حکم دے دیا کہ وہ منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں اور اپنے اہل خانہ کی خبر لیں۔ ملکہ سرائے خانم تیمور کی لاش کے ساتھ شہر کی طرف بڑھی جب کہ الخ بیگ شاہ رخ کی طرف جانے کے لیے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ خلیل کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین نے لشکر کو منتشر کر دیا تھا اور لوگ پُر امن حالت میں اپنے اپنے گھروں کو آنا چاہتے ہیں تو اس نے شہر کے دروازے کھلوا دیئے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جب کہ تیمور کی نعش کو اس کے پوتے محمد سلطان کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا۔

۱۰ آج بھی اگر کوئی سیاہ سمرقند پہنچے تو درختوں کے جھنڈ میں اسے ایک بڑا گنبد دکھائی دے گا۔ جس پر اب بھی فیروز کی رنگ کی کاشی کاری موجود ہے۔ اس گنبد کے اندر ایک سیاہ پتھر کے نیچے تیمور کی قبر ہے اور یہ سیاہ پتھر ایک غل شہزادی نے بھیجا تھا۔

اسقف یوحنا کی نعش کو سمرقند میں لے جا کر دفن کر دیا گیا تھا۔

جس وقت لشکر منتشر ہو رہا تھا۔ اس وقت ایجنیلنا اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوئی نورالدین کے پاس آئی۔ وہ اس وقت پورے جنگی لباس میں تھی۔ اپنے سر پر اس نے آہنی خود بھی پہن رکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نورالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اے ایجنیلنا! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ سمرقند جانے کے بعد تم ضرور میرا ساتھ دینے کو آؤ گی۔“

ایجنیلنا نے غمزہ سی آواز میں کہا۔ ”اے امیر! میں جانتی ہوں لوگ میرے باپ کی نعش کو عزت و احترام کے ساتھ دفن کر دیں گے۔ لہذا میں سمرقند جا کر کیسے کروں گی جب کہ میں جانتی ہوں کہ خلیل میرا بدترین دشمن ہے اور وہ ضرور مجھ سے انتقام لے گا کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی نسبت کو توڑ دیا تھا۔ اب وہ سمرقند کا حکم کرنے ہے۔ لہذا اے امیر! وہ آپ کو اپنے ہم کا نشانہ بنائے گا کہ آپ اسے بدی پھیلانے سے روکتے رہے ہیں۔“

اے امیر! میں حیران ہوں کہ آپ نے اپنے لشکر کو منتشر کیوں کر دیا ہے جب کہ یہی لشکر آپ کے پاس ایک قوت تھا اور اس قوت کے بل بوتے پر آپ خلیل کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اے امیر! کیا آپ بتائیں گے کہ آپ نے کیسے سوچتے ہوئے اپنے لشکر کو یوں منتشر کر دیا ہے۔“

نورالدین نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا۔ ”اے ایجنیلنا! تیرا میرا یوں یہاں کھڑے رہنا خطرناک ہے۔ آؤ پہلے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔ وہاں میں تمہارے سارے سوالوں کے جواب تفصیل سے دوں گا۔“

گوئی الحال منتشر ہو کر سمرقند میں داخل ہونے والے لشکریوں کے خوف سے خلیل کھلم کھلا ہماری مخالفت پر نہ اُٹھے گا۔ تیمور کی جمع شدہ دولت کو استعمال کر کے پہلے وہ لوگوں کے منہ بند کرے گا۔ اس کے بعد وہ ہمارے خلاف علی الاعلان حرکت میں آجائے گا۔ پر یہاں اس طرح کھڑے رہنا بھی خطرناک ہے کہ وہ اپنے خفیہ ایجنٹوں

کو استعمال کر کے ہم دونوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ لہذا تم میرے ساتھ آؤ۔ اس کے ساتھ ہی نورالدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ اینجلینا نے کچھ کہے بغیر اپنے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

دونوں آگے پیچھے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ مرقند کے نواح میں دریائے سیر کے کنارے ارگوٹ نام کی ایک بستی میں داخل ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑا قصبہ تھا اور اپنے بازار اور سرائوں کی گہما گہمی کے باعث ایک چھوٹا شہر دکھائی دیتا تھا۔

اینجلینا نے اپنی سوچوں اور اپنے تفکرات کو ختم کر دیا تھا۔ بس وہ تو خالی بن ہو کر نورالدین کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے کو بانکے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت منبھلی اور چونکی جب نورالدین ایک سرائے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا وہ ایک بہت بڑی سرائے تھی جس کے اندر مسافروں کی وجہ سے خوب رونق اور جہل پہل تھی۔ نورالدین اپنے گھوڑے کو سیدھا اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ کچھ ایسے انداز میں جیسے اکثر اس سرائے میں آتا جاتا رہا ہو۔ اپنے گھوڑوں پر سوار جب نورالدین اور اینجلینا اصطبل میں داخل ہوئے تو سرائے کی بڑی عمارت کی طرف سے کوئی چالیس کے سن ایک شخص بھاگتا ہوا اصطبل میں داخل ہوا اور بے پناہ خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ ”خوش آمدید! امیر نورالدین! خوش آمدید!“

نورالدین اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس شخص کے ساتھ پرجوش مصافحہ کیا۔ اینجلینا بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی تھی۔ تاہم وہ کچھ پریشان اور کبھری کبھری تھی۔ شاید وہ یہ جانا چاہ رہی ہوگی کہ ایسے پرجوش انداز میں نورالدین کا استقبال کرنے پر یہ شخص کون ہے۔

اتنے میں نورالدین خود ہی بول پڑا۔ اینجلینا! اینجلینا! یہ اس سرائے کا مالک

ایلاق ہے۔ یہ میرے انتہائی پُر خلوص اور غم گسار دوستوں میں سے ہے۔ گو یہ ہمیں پہلی بار دیکھ رہا ہے پر یہ تمہیں جانتا ضرور ہے۔“

ایلاق نے انجیلینا کو سلام کیا جس کا اس نے پُر تپاک حجاب دیا۔ پھر نور الدین نے ایلاق کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے ایلاق! تم جانو! سمرقند کے تخت و تاج پر شہزاد خلیل قابض ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے لشکر کیوں کو منتشر کر دیا ہے اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ خلیل میرا اور انجیلینا کا بدترین دشمن ہے اس لیے کسی آئندہ انقلاب تک میں اور انجیلینا دونوں تمہاری سرائے میں قیام کریں گے۔“

ایلاق نے کمال فرارخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! آپ بھی کمال کی باتیں کرتے ہیں۔ یوں تو یہ سرائے ہے ہی آپ۔ پر ان حالات میں کیوں کر میں آپ دونوں کو سرائے میں قیام کرنے دوں گا۔ آپ دونوں کا قیام سرائے کی پشت پر میری سکونتی حویلی میں ہو گا۔ اس کے اندر میں دو کمرے آپ کے لیے خالی کرا دیتا ہوں جن میں آپ آرام سے جب تک چاہیں رہ سکیں گے۔ اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ آپ کا یہاں قیام صیغہ راز میں رہنا چاہیے تاکہ خلیل کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ آپ اور انجیلینا کہاں ہیں۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے اور ایلاق کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”ایلاق! ایلاق! تم واقعی ایک دانش مند اور مخلص دوست ہو۔“

ایلاق نے کہا۔ ”آپ دونوں کا یہاں زیادہ دیر کھڑا رہنا بھی اچھا نہیں ہے آپ دونوں میرے ساتھ آئیں کہ میں آپ دونوں کو حویلی کی طرف لے چلوں۔ میرے ملازم گھوڑوں کی زینیں اتار کر ان کے چارے کا بندوبست کر دیں گے۔ آپ دونوں میرے ساتھ آئیں۔“

نور الدین اور انجیلینا دونوں نے اپنے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ لنگتی اپنی چرمی خربینیں اتار لیں جن کے اندر ان کا ضروری سامان تھا اور ایلاق کے ساتھ ہو لیے۔ ایلاق نے پہلے ان دونوں کو اپنی حویلی کے دیوان خانے میں بٹھایا اور دیوان خانے

سے باہر بھٹکتے بھٹکتے اسے اچانک کوئی بات یاد آئی اور نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا - ”اے امیر! ہماری بہن اریبہ اور عماد الدین اس وقت کہاں ہیں۔ کیا انہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟“

نور الدین نے کہا - ”وہ دونوں ابھی تک سمرقند میں ہیں اور وہاں ان دونوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

اس پر ایلانق مطمئن سا ہو کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حسین انجیلینا نے خود سے نور الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا - ”اے امیر! یہ اپنی اریبہ کے ساتھ کس عماد الدین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا - ”اے انجیلینا! عماد الدین میرے بیٹے کا نام ہے۔ دراصل میرے باپ کا نام عماد الدین تھا۔ اور اسی کے نام پر میں نے اپنے بیٹے کا نام بھی رکھا ہے۔ یہ ایلانق میرا ایک انتہائی پُر خلوص دوست ہے۔ یہ اریبہ اور عماد الدین کو خوب جانتا ہے۔ کئی بار ان سے مل بھی چکا ہے۔ کیوں کہ اریبہ کے گھریں یہ اکثر مجھ سے ملنے جایا کرتا تھا۔“

”پر اس کی اور آپ کی دوستی کیسے ہو گئی۔“ انجیلینا بے تابی سے بولی۔

نور الدین کچھ سوچتا ہوا بولا - ”جس روز مجھے غلام کی حیثیت سے امیر تمغور کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور میں نے آق بوغا کو تیغ زنی میں اپنے سامنے زیر کیا تھا تو دربار سے باہر یہ ایلانق پہلا شخص تھا جس نے مجھے مبارک باد دی تھی اور جب میں لٹھوایا کے ویٹولڈ کو شکست دی تو یہ ایلانق دیوانگی کی حد تک مجھے چاہنے لگا۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں اور یوں ہماری دوستی گہری، مستحکم اور خلوص سے پُر ہوتی چلی گئی تھی۔“

انجیلینا کچھ اور پوچھنے ہی والی تھی کہ ایلانق اندر آیا اور کمال اہلوت مندی سے اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا - ”آپ دونوں میرے ساتھ آئیے۔“

نور الدین اور انجیلینا خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیے تھے۔ ایلانق

ان دونوں کو حویلی کے ایک ایسے کمرے میں لایا جو انتہائی صاف ستھرا تھا اور شاید بھی ابھی تیار کیا گیا تھا۔

ایلاق نے نور الدین سے کہا۔ ”اے امیر! یہ کمرہ آپ کے لیے ہے۔“ پھر ایلاق نے ایک درمیانی دروازہ کھولا اور ان دونوں کو لے کر وہ مختصر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کمرہ بھی پہلے کمرے جیسا تیار کیا گیا تھا۔ ایلاق نے اس بار انجیلینا کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے انجیلینا! میری عزیز بہن! یہ کمرہ آپ کے لیے ہے اور اس کمرے کے اندر جو آپ درمیانی دروازہ دیکھ رہی ہیں، وہ حویلی کے زنانہ خانے میں گھلتا ہے اور یہ کمرہ آپ کو اس لیے دیا ہے کہ آپ جب چاہیں اس درمیانی دروازے سے حویلی کی عورتوں کے پاس جا کر بیٹھ سکتی ہیں۔ میں نے گھر کے ہر فرد کو آپ دونوں سے متعلق بتا دیا ہے۔“

اے امیر! یہ حویلی اب آپ ہی کی حویلی ہے۔ آپ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔ ہاں میں اریبہ بہن اور عماد الدین سے متعلق ضرور فکر مند رہوں گا۔ خدا کرے وہ دونوں ماں بیٹا خوش ہوں۔ پر اریبہ اب آپ سے متعلق تو بے حد فکر مند ہوگی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آج جا کر اسے یہاں لے آؤں۔“

نور الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نہیں ایلاق! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اریبہ اور عماد الدین سمرقند میں گناہی کی حیثیت میں محفوظ ہیں۔ اگر ان دونوں کو یہاں بلا لیا گیا تو ان کی حفاظت میرے لیے ایک مسئلہ بن کر کھڑی ہو جائے گی۔ اس وقت کسی کو کوئی خبر نہیں ہے کہ کون میری بیوی اور کون میرا بیٹا ہے۔ اگر میں ان دونوں کو یہاں بلاتا ہوں تو ان دونوں کا سب کو پتہ چل جائے گا۔ لہذا ان دونوں کی حفاظت ایک مسئلہ بن جائے گی۔ میں پہلے ہی انجیلینا سے متعلق بے حد فکر مند ہوں۔ تم جانتے ہو کہ خلیل صرف میرا ہی نہیں انجیلینا کا بھی بدترین دشمن ہے کہ اس نے مجھے اس پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی منگنی کو توڑ دیا۔ لہذا وہ ضرور اس سے

انتقام لے گا اور تم جانو اب جو ہاتھ انجیلینا کی طرف بڑھے گا۔ میں اسے ایسا ہی تصور کروں گا جیسے وہ میری طرف بڑھا ہو۔

نور الدین کی اس گفتگو پر انجیلینا کے حسین چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ نور الدین اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’اے ایلاق! میں نہیں جانتا کہ آئندہ چند دنوں میں حالات کیا کروٹ لیں میں نے اپنی بیوی اریہ کو آج تک اسی وجہ سے خفیہ رکھا ہے کہ اگر مجھ پر کبھی کوئی حکمران طبقے سے افتاد پڑے تو کم از کم میری بیوی ضرور اس سے محفوظ رہے۔ اب گزشتہ دنوں جس طرح میرے اور امیر تیمور کے درمیان اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اگر میری بیوی کی کسی کو خبر ہوتی تو اسے بھی میری مصیبتوں کا شریک بنا دیا جاتا اور پھر اے ایلاق! تم جاؤ تو تخت و تاج کے حصول کا یہ جو چکر چل گیا ہے تو میرا اس سے کیا تعلق۔ یہ تیمور کی اولاد کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اگر اس میں الجھوں گا تو نقصان اٹھاؤں گا۔ ہاں خلیل کے خلاف اگر پیر محمد یا شاہ رخ میں سے کسی نے مجھے پکارا تو میں ضرور خلیل کے خلاف ان کی پکار پر لبیک کہوں گا۔ اس لیے کہ خلیل اپنے اعلیٰ و کردار اور اپنی گزشتہ کارگزاریوں کی بنا پر ایسا نہیں ہے کہ اسے سمرقند کا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔

اور اے ایلاق! میں یہ فیصلہ بھی کر چکا ہوں کہ پیر محمد یا شاہ رخ میں سے کسی ایک کو تخت و تاج کا وارث بنا کر میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ شمال کی طرف نکل جاؤں گا اور وہاں کسی بے نام قصبے میں اپنی بقیہ زندگی گنما می میں گزار دوں گا۔

نور الدین کے اس انکشاف پر انجیلینا بے چاری کے چہرے پر مردنی اور اُن گنت تفکراتِ قدس کرنے لگے تھے۔

جواب میں ایلاق نے کہا: ’اس موضوع گفتگو بعد میں کریں گے۔ فی الحال آپ دونوں بیٹھیں اور میں آپ کے کھانے کا بندوبست کرنے جاتا ہوں۔‘ اس کے ساتھ ہی ایلاق کمرے سے نکل گیا۔

ایلاق کے جاتے ہی انجیلینے فوراً نورالدین سے کہا - "اے امیر! اس وقت میرے ذہن میں بہت سے ایسے سوالات ہیں جو میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں اور ان کا آپ کی طرف سے تسلی بخش جواب جواب چاہتی ہوں۔"

نورالدین نے دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا - "آؤ وہاں بیٹھ کر سکون سے گفتگو کرتے ہیں۔ پھر وہ دونوں دوسرے کمرے میں جا بیٹھے تھے۔

نورالدین کے سامنے بیٹھتے ہوئے انجیلینے انتہائی محبتوں اور چاہتوں میں ڈوبی ہوئی اپنی آواز میں کہا - "اے امیر! پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے اپنے لشکر کو منتشر کیوں کر دیا ہے۔ کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ اپنے لشکر کے بغیر آپ اب اس مسافر جیسے ہو کر رہ گئے ہیں جس نے اپنا برسول پر محیط زندگی کا سفر اپنے دشمنوں میں سے ہو کر گزارنا ہو۔"

اے امیر! آپ کے لشکر کو منتشر کرنے پر خلیل اب سمرقند میں اپنے آپ کو اور زیادہ مضبوط اور پُر قوت محسوس کرنے لگے گا۔ اے امیر! سمرقند کے اندر خلیل نے مے نوشی اور رقص و طرب کی محفلوں کا دور تو پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ اسے سب سے زیادہ خطرہ آپ ہی کی جانب سے تھا۔ اب آپ کے یوں ایک طرف ہو جانے سے آپ جانتے ہیں سمرقند کے اندر کیا ہوگا۔

سمرقند کی گلی گلی کا بدن دریدہ اور ہر شہنی پر تازہ کونپل لہو لہو ہو کر رہ جائے گی۔ اشجار کا بدن دکھے گا۔ بیل کی آنکھوں میں غم۔ فاختاؤں کے لہجوں میں سسکیاں ہوں گی۔ لوگ دکھ کے عمیق زخموں، سوچوں کے بوجھ اور نفرت کی وحشتی آتش میں ڈوبے رہیں گے۔

بوکے اخلاص اور ماحول کی تطہیر سے محروم اہل سمرقند ہوس کے شیاطین اور بدنیت خواہشوں کے گماشتوں کا شکار رہیں گے۔ لوگوں کی سماعتوں پر پیر ہوں گے اور زبانیں پتھر کی سیل کر دی جائیں گی۔ آہ! بدی کا پرستار خلیل سمرقند کے گلی کوچوں میں وخت کی پت بھڑ، انتقام کے انگاروں اور گناہ آلود سیاہی موشی

جیسا ماحول پیدا کر دے گا۔

اے امیر! سمرقند کے لوگوں کے ساتھ خلیل کی حکمرانی میں یوں گناہ اور بدیہا لاف ہو جائیں گی جس طرح نیندیں رات سے الجھتی ہیں۔ جس طرح جوان جذبوں سے بوڑھی سوچیں چپک جاتی ہیں، اے امیر! سمرقند کے اندر ادھام کے زنگار اور کالے سایوں کا راج ہو گا۔ لوگ بے اماں رات کی رُحوں کی طرح مضطرب و بے چین ہو کر رہ جائیں گے۔

اے امیر! اپنے لشکر کو چھوڑ کر آپ اس سرائے میں آپڑے ہیں۔ سمرقند کے حالات کی آپ کو کیسے خبر ہوگی۔ کیسے آپ کو معلوم ہوگا کہ خلیل کے خلاف لوگ کب اور کس وقت آپ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

ایبخلینا جب خاموش ہوئی تب نورالدین نے پوچھا۔ اے ایبخلینا! کیا تم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر سنو! میں یوں ہی شکر کو منتشر کر کے اس سرائے میں نہیں آ بیٹھا۔ میرا اپنے لشکر کے ساتھ باقاعدہ تعلق اور رابطہ رہے گا اللہ داد جو میرے ساتھ ہندوستان کے حملوں میں میرے نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ وہ مجھے سب حالات سے مطلع رکھے گا۔ میں اور اس نے مل کر امیر تیمور کے چند انتہائی قابل اعتماد ناظروں کا انتخاب بھی کر لیا ہے اور ان ہی ناظروں کے ذریعے اللہ داد مجھے سارے حالات سے باخبر رکھے گا۔

اے ایبخلینا! تم مطمئن رہو، میں نے حالات کو دریا کی روانی کی طرح بے زنجیر نہیں چھوڑا۔ عنقریب تم دیکھو گی کہ ہر شے میری گرفت میں ہے۔

نورالدین کے خاموش ہونے پر اچانک ایبخلینا حرکت میں آئی۔ آگے بڑھ کر اس نے فوراً نورالدین کے ہاتھ چوم لیے۔ پھر اس نے انتہائی عقیدت بھری آواز

اللہ داد! تاریخِ فرشتہ کا مولف بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں اللہ داد، نورالدین کے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔

میں کہا۔ ”اے امیر! بخدا آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ آپ نے وہی کچھ کیا جو میرا دل چاہتا تھا۔ اے امیر! میرے ہر دست طلب کی اٹھان آپ کے لیے میسر ہوئے گا ہر لفظ آپ کی خاطر۔ میرا نصیب میری تقدیر کے فیصلوں کی ہر عبارت آپ سے منسوب ہے۔“

اے امیر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہر اہل اللہ اپنی نیم شب کی ریاضتوں میں آپ کی درازی عمر کا دعا گو ہوگا۔ ہر دینے کی مہم لو کے اندر آپ کا ذکر ہوگا۔ ہر دل کی صلا میں آپ کے نام کی پکار ہوگی۔ سمرقند میں خوشبو کی طرح پھیلتی ہر رات آپ سے متعلق فکر مند ہوگی۔

فرارک کر اینجلینا نے پھر کہا۔ ”اے امیر! آپ نے میرے ایک سوال کا تو تسلی بخش جواب دے دیا ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ سمرقند سے نکل کر شمالی علاقوں کی طرف کیوں نکل جانا چاہتے ہیں۔“

نور الدین نے کہا۔ ”اے اینجلینا! امیر تیمور کے فیصلے اور وصیت کے مطابق تاج و تخت اس کے حقدار کے حوالے کر کے میں گننامی کی پرسکون زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ تیمور کے ساتھ تو میرا گزارہ ہو گیا تھا لیکن اس کے بیٹے اور اس کے پوتوں کے درمیان میری ذات تقسیم ہو کر رہ جائے گی اور میں اپنے آپ کے لیے یہ الجھاؤ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے میں گوشہ گیر ہو جانا چاہتا ہوں۔“

اینجلینا نے شوق سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اور اپنے ساتھ کس کس کو لے کر جائیں گے؟“

اینجلینا کے اس سوال پر نور الدین کی گردن جھک گئی اور وہ سوچنے لگا تھا۔ نور الدین کو یوں تفکرات میں ڈوبا دیکھ کر اینجلینا بے چاری کی حالت غروب آفتاب کے آخری اجالوں جیسی دیران بستی بستی صحرا صحراروتے بادلوں جیسی اجاز، سہمی سہمی اور جھج جھجی شام جیسی سنسان قسمت کی زنجیروں جیسی پریشان کن اور کفن کی دھبیوں جیسی پراگندہ ہو کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد نور الدین نے اپنا سر اٹھایا، غور سے اینجلینا کی طرف
 اور کہا۔ ”اے اینجلینا! جو لوگ میرے ساتھ جائیں گے ان میں تم بھی شام
 گی۔“ نور الدین سے یہ الفاظ سن کر اینجلینا سردیوں کی دھندلی صبح جیسی خوں
 اور دھلے ہوئے آلود بخارے جیسی تروتازہ اور شاداب ہو کر رہ گئی تھی۔
 اس موقع پر وہ نور الدین سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایلاق اُن کا کھ
 آیا۔ پھر وہ دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔



پاکستانی ادبیات کا
 دارُ علم



نور الدین ابھی تک ایلاق کی سرائے میں ہی انجلینا کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا کہ شہزادہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے سمرقند پہنچ گیا۔ دوسری طرف شہزادہ خلیل کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ امیر تیمور نے مرتے وقت پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لہذا وہ پیر محمد کو ہی اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا سمجھتا تھا۔ لہذا اس نے سوچ لیا تھا کہ شاہ رخ تو خراسان میں ہے۔ نور الدین پہلے ہی اپنے لشکر کو منتشر کر کے روپوش ہو چکا ہے۔ اور اگر وہ کسی طرح پیر محمد سے نمٹ لے تو پھر سمرقند کا تاج و تخت کوئی اس سے چھین نہ سکے گا۔

خلیل نے دو کام کیے۔ ایک تو اس نے اپنے کچھ خفیہ آدمی نور الدین کی تلاش میں لگا دیے اور انہیں اس نے حکم دیا کہ وہ نور الدین اور انجلینا کو ہر صورت میں زندہ گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ جب اسے خبر ہوئی کہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند پہنچ گیا ہے تو اس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کو طلب کیا۔ یہ دونوں تیمور کے بہترین برہنوں میں سے تھے۔ انسانی خون بہانے اور تباہی و بربادی پھیلانے میں یہ دونوں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان دونوں کو خلیل نے خوب زر و جواہرات سے نوازا۔ اپنے اعتماد میں

لیا۔ پھر ان دونوں کو اس نے اپنے لشکر میں اپنا نائب مقرر کیا اور دیگر سب سرداروں کو ان دونوں کی اطاعت اور اتباع کرنے کا اس نے حکم دیا۔ پھر ان دونوں کے ساتھ مل کر شہزادہ خلیل نے شراب پی۔ جام سے جام ٹکرائے اور ان دونوں سے خلیل نے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اس کے غلصہ و فرمانبردار بن کر رہیں گے۔ اس کے علاوہ خلیل نے ان دونوں کے ساتھ مستقبل کے لیے بڑے خوش نما اور خوش آئند وعدے بھی کیے۔



پیر محمد کو مکمل طور پر یقین تھا کہ وہ خلیل کو عبرت ناک شکست دے کر نہ صرف یہ کہ تیمور نے اس سے متعلق جو جانشینی کی وصیت کی تھی اس پر پورا اترے گا بلکہ خلیل نے شہر کے اندر بدی کی تشہیر اور گناہ کی جو آنادی دی ہے اسے بھی ختم کر کے رکھ دے گا۔

جب وہ سمرقند سے نزدیک گیا تو خلیل کے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے میدان میں پیر محمد کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پیر محمد پھر بھی اپنی جگہ پر مطمئن تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا خلیل کوئی خاص جنگی مہارت نہ رکھتا تھا۔ لیکن امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں نے اس کی کوپورا کر دیا۔

جب دونوں لشکروں کی جنگ شروع ہوئی تو خلیل نے سامنے سے۔ امیر شاہ نے بائیں اور شیخ محمد نے دائیں طرف سے حملہ کیا۔ قریب تھا کہ پیر محمد اپنے سامنے آنے والے خلیل کو عبرت ناک شکست دے دیتا لیکن دائیں بائیں سے امیر شاہ اور شیخ محمد نے ایسے خوفناک انداز میں حملہ کیا کہ پیر محمد کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ میدان جنگ میں کٹ مرا اور بچے کھچے لشکر کے ساتھ پیر محمد بھاگ کر کوہستانی سلسلے میں روپوش ہو گیا۔

پیر محمد کو بدترین شکست دینے کے بعد خلیل نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس موقع پر اگر خلیل تعاقب کرتا تو یقیناً پیر محمد

کے لیے بہت سی دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں لیکن یہ فتح چونکہ خلیل کی امیدوں سے کہیں زیادہ تھی۔ لہذا اس نے اسی پر اکتفا کیا اور پیر محمد کا تعاقب نہ کیا۔ لہذا پیر محمد کو اپنے باقی ماندہ لشکریوں کے ساتھ کوہستانوں کے اندر پناہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اس فتح کے بعد خلیل جب سمرقند میں داخل ہوا تو سمرقند کی ملکہ شادی ملک نے اس فتح پر ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا۔ اس جشن کے موقع پر لوگوں کو شاہی نواز نے سے خوب نوازا گیا اور اس جشن ہی کے دوران شہزادہ خلیل نے امیر شاہ کو اپنے لشکر کا سالار اعلیٰ اور شیخ محمد کو اس کا نائب مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح نہ صرف خلیل بلکہ امیر شاہ اور شیخ محمد کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے۔



سرائے کا مالک ایلاق بھاگتا ہوا نور الدین کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت نور الدین اور انجلینا دونوں آتش دان میں جلتی آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے باہر ہلکی ہلکی برف باری جاری تھی۔

ایلاق کو یوں بدھاسی کی حالت میں آتے دیکھ کر نور الدین اور انجلینا پریشان ہو کر فوراً اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایلاق نے آتے ہی پھولی ہوئی سانسوں میں کہا۔

”اے امیر! میں ایک بُری خبر لے کر آیا ہوں۔ ابھی ابھی ایک مسافر سمرقند کی طرف سے آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ سمرقند سے باہر خلیل اور پیر محمد کے درمیان جنگ ہوئی جس میں خلیل کو فتح اور پیر محمد کو بدترین شکست ہوئی ہے وہ مسافر کہہ رہا تھا کہ پیر محمد شکست کھانے کے بعد میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور اب وہ اپنے بچے بچے لشکر کے ساتھ سمرقند کے جنوبی کوہستانی سلسلے کے اندر روپوش ہو گیا ہے۔“

نور الدین نے پریشانی کی حالت میں ایلاق سے پوچھا: یہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے کب لوٹا، کب یہ جنگ ہوئی اور کیسے خلیل اسے شکست

دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ایلاق نے اس بار اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھالتے ہوئے کہا۔ اے امیر! وہ مسافر بتا رہا تھا کہ خلیل نے امیر تیمور کے برنیل امیر شاہ اور شیخ محمد سے کام لیا ہے اور اس جنگ میں فتح کے بعد خلیل نے امیر شاہ کو اپنے لشکر کا سالارِ اعلیٰ اور شیخ محمد کو اس کا نائب مقرر کیا ہے۔

اس پر نور الدین نے تعجب میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اچھا تو اب میں سمجھا کہ پیر محمد کو شکست دینے کے کون سے عوامل ہیں۔ تو امیر شاہ اور شیخ محمد امیر تیمور کی وصیت کے خلاف بدذمتی اور ملک حرامی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اسے ایلاق خلیل کے ساتھ یہ دونوں بھی اپنے انجام سے بچ نہ سکیں گے۔

اے ایلاق! اب دقت آگیا ہے کہ میں کھل کر سامنے آؤں اور جو اپنا لشکر میں نے منتشر کر دیا تھا اسے میں امیر تیمور کی وصیت کی تکمیل کے لیے پکارتوں اور مجھے اُمید ہے کہ میری پکار پر لشکرِ ضرور لبیک کہیں گے۔ اے ایلاق! تم ابھی اُصطبل کی طرف جاؤ اور میرا گھوڑا تیار کر دو۔ میں ابھی اور اسی وقت کو ہستانی سلسلے میں پیر محمد کی طرف جاؤں گا اور اس سے ملنے کے بعد پھر میں خلیل کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھاؤں گا۔

ایلاق نے پریشانی اور فکر مندی میں کہا۔ اے امیر! کیا اس برف باری اور نواب موسم میں آپ سمرقند کے جنوبی کوہستانوں کی طرف جائیں گے۔ میرا خیال ہے موسم ٹھیک ہونے دیں، یا یہ برف باری ہی رگ جلے تب آپ یہ قدم اٹھائیں۔

نور الدین نے جھلاتے ہوئے کہا۔ نہیں ایلاق ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر چند روز تک یہ برف باری نہ رکے تو کیا میں اپنے اس کمرے میں تفکرات کا امیر اور صدیق جیسے طویل لمحوں کا شمار کنندہ بن کر بیٹھا رہوں گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کروں گا۔ میرے گھوڑے کو تیار کرنے کے علاوہ تم ایک اور کام بھی کرنا۔ سمرقند کی طرف جانا اور وہاں سے اسیہ اور عماد الدین کو نکال کر یہاں لے

آنا۔ میں نہیں جانتا کہ اب حالات کیا کروٹ لیں گے۔ بہر حال خلیل سے چھٹکارا نہیں کرنے کے لیے سمرقند پر مبتلا ضرور آئے گی۔ لہذا تم اریہ اور عماد الدین کو نکال کر یہاں لے آنا۔ میری خیریت بتانے کے علاوہ اریہ کو تسلی بھی دینا۔ خلیل سے نمٹنے کے بعد میں پھر یہیں سے ان دونوں کو لے کر شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ لہذا تم فوراً میرا گھوڑا تیار کراؤ۔“

ایلاق جب باہر جا رہا تھا تو اینجیلینا نے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے ایلاق! میرے بھائی! میرا گھوڑا بھی تیار کرنا کہ میں بھی امیر نور الدین کے ساتھ بھی اور اسی وقت یہاں سے روانہ ہوں گی۔“

نور الدین نے پریشانی میں پوچھا۔ ”یہ تم کیا کر رہی اینجیلینا! تم یہیں رہو۔ یہ ساری مہم نمٹا کر میں اسی سرانے میں تم سے آملوں گا۔“

اس موقع پر اینجیلینا نے کمال اپنائیت میں کہا۔ ”اے امیر! آپ جانتے ہیں جسمانی دروہانی، دنیاوی اور اخروی سب لحاظ سے اپنے آپ کو آپ سے وابستہ کر چکی ہوں۔ میری زیست کی آپ آخری پونجی میں پھر میں کیونکر آپ کو اکیلا جانے دوں گی۔ اے امیر! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور آپ کے ساتھ رہوں گی بلکہ ایسے ہی جیسے گزشتہ جنگوں میں آپ کے ساتھ رہی ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے یہاں روکنے پر رضد نہ کریں گے۔“

نور الدین نے ایک طرح سے مار مانتے ہوئے کہا۔ ”اے اینجیلینا! اگر تم ابھی ہی بضد ہو تو پھر تیار ہو جاؤ اور چلیں۔“

اینجیلینا کے چہرے پر خوش رنگ تحریریں بکھر گئی تھیں۔ فرحت آمیز اور سکون آفرین جذبے اس کے چہرے پر قفس کرنے لگے تھے۔ پھر وہ بھاگ بھاگ کر اپنا اور نور الدین کا ضروری سامان چرمی خربینوں میں ڈالنے لگی تھی۔ پھر وہ بھاگ کر نور الدین کے پاس آئی اور خوش گوار ہجے میں اس نے کہا۔ ”آپ اپنا جنگی لباس پہنیں اتنی دیر تک میں زنانہ خلع سے ہو کر آتی ہوں۔“

نورالدین کے اثبات میں سر ہلانے پر اینجلینا زنان خانے کی طرف چلی گئی تھی نورالدین نے مضبوط کڑیوں کی آہنی زرہ پہنی۔ سر پر اپنا چمکتا ہوا آہنی خود جھایا۔ تلوار اور خنجر کی پیٹی درست کر کے باندھی۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی پشت پر ڈھال اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش باندھنے کے بعد اپنے کندھے سے اپنی بھاری کمان بھی لٹکالی تھی۔

اتنی دیر تک اینجلینا بھی ایلاق کے گھر کی عورتوں سے مل کر واپس آگئی۔ اس نے بھی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال رکھی تھی۔ پھر وہ دونوں کمرے سے نکل کر اصطبل کی طرف بڑھے تھے۔

جب وہ دونوں اصطبل میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا ایلاق ان دونوں کے گھوڑوں پر زینیں ڈولوانے کے بعد وہیں کھڑا تھا۔

نورالدین نے ایلاق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ایلاق! میرے عزیز! میں اب روانہ ہوتا ہوں۔ اینجلینا بھی میرے ساتھ جائے گی۔ تم آج یا کل جب بھی فرصت ملے اریہ اور عماد الدین کو سمرقند سے نکال کر یہاں لے آنا اور اس کے علاوہ — نورالدین کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور چونک سا پڑا کیوں کہ ایک سوار اپنے گھوڑے کو مارتا بھگاتا سرائے میں داخل ہوا تھا۔ اس پر نورالدین نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "یہ تو ان ناظروں میں سے ایک ہے جنہوں نے میرے اور اللہ داد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرنا تھا۔"

اس موقع پر اینجلینا نے بدحاسی میں کہا۔ "خدا خیر کرے۔ ایسا لگتا ہے یہ کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے، یا سمرقند کے اندر کوئی انقلاب آ گیا ہے اور یہ اس کی آپ کو خبر دینے آیا ہے۔"

نورالدین نے اینجلینا کو کوئی جواب نہ دیا اور اس ناظر کو آواز دے کر اس نے اپنی طرف بلایا۔

وہ ناظر گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اصطبل کی طرف آیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے

نور الدین سے سلام کہا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "اے امیر! حالات بڑی تیزی سے پلٹا کھا گئے ہیں۔ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے سمرقند پہنچا تھا۔ لیکن ایک ہولناک جنگ میں غلیل نے اُسے شکست دے دی ہے۔ اس کے بعد آپ کی ہدایات کے مطابق اللہ واد حرکت میں آیا۔ اس نے آپ کے سارے لشکریوں کو پیغام پہنچا یا کہ وہ اکاٹھا ہو کر شہر سے نکلیں اور جنوبی کوہستانوں کے اندر پیر محمد سے جا ملیں۔ اب آپ کا سارا لشکر شہر سے نکل کر پیر محمد کے پاس جا چکا ہے۔ خود اللہ واد بھی اس وقت پیر محمد کے پاس پہنچ چکا ہے۔

میں اور میرا ایک ساتھی آپ کی طرف آ رہے تھے کیوں کہ پیر محمد اور اللہ واد نے ہمیں حکم دیا تھا کہ آپ کو بلا کر لائیں لیکن قسمی سے راستے میں غلیل کے جاسوسوں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ گئی۔ انہوں نے ہمیں مشکوک جانا اور ہم دونوں کا تعاقب کیا۔

اے امیر! غلیل کے وہ جاسوس تعداد میں چھ تھے۔ ان میں سے چار نے مل کر میرے ساتھی کو پکڑ لیا اور دو نے میرا تعاقب کیا اور جن چار نے میرے ساتھی کو پکڑا وہ چاروں بھی یہاں سے تھوڑی ہی دور میرے ساتھی کو لیے اس انتظار میں کھڑے ہیں تاکہ ان کے دونوں ساتھی مجھے بھی پکڑ لائیں اور یوں ہم دونوں کو ایک ساتھ غلیل کے سامنے پیش کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اے امیر! میں نے ایک موڑ پر اپنا تعاقب کرنے والوں کو ایک جگہ تو دیا تھا۔ لہذا اب وہ دونوں تعاقب کرنے والے اس وقت نہ جانے کہاں مجھے تلاش کرتے ہیں۔ وہ ناظر کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیونکہ اس کا تعاقب کرنے والے دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ادھر آ گئے تھے اور انہوں نے سرے کے احاطے کی نیچی دیوار کے اوپر سے ناظر کے اصطل کے سامنے کھڑے ہوئے گھوڑے کو دیکھ بھی لیا تھا۔ اس موقع پر نور الدین فوراً حرکت میں آیا۔ شاید وہ جان گیا تھا کہ تعاقب کرنے والے پہنچ گئے ہیں۔

اس موقع پر ناظر نے بدحواسی میں کہا - "اے امیر! میرا تعاقب کرنے والے بھی پہنچ گئے ہیں۔"

نور الدین نے ناظر کو کوئی جواب نہ دیا۔ تیزی کے ساتھ اس نے اپنے ترکش سے چند تیر نکالے پھر اپنی کمان سنبھالتے ہوئے اس نے تیر چلا پر چڑھ لیا تھا۔ اس لمحہ اس کے چہرے پر خون کی حدتوں میں آن گزرت وحشی جذبے قص کر رہے تھے۔ پھر نور الدین نے تاک کر جو تیر چلایا تو بھاری پھل کا وزنی تیر سب سے اگلے سوار کی چھاتی کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ فضا میں ایک کر بناک چیخ بلند کرتا ہوا وہ سوار اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن نور الدین نے اسی برق رفتاری سے ان پر تیر اندازی کی کہ ان دونوں کو بھی اس نے پھید کر رکھ دیا اور وہ تینوں اپنے گھوڑوں سے گر کر دم توڑ گئے تھے۔

پھر نور الدین نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا - "اے اہلاق! میں اب اس ناظر کے ساتھ جاتا ہوں۔ تم ان تینوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دینا۔" اس کے ساتھ ہی نور الدین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ناظر کو اس نے مخاطب کرتے ہوئے کہا "چلو وہاں تک میری راہنمائی کرو جہاں خیل کے آدمی تمہارے ساتھی کو پکڑے ہوئے ہیں۔"

نور الدین کے کہنے پر وہ ناظر اور انجیلینا دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سر اٹے سے نکل گئے تھے۔ ارگوت کی اس بستی سے نکلنے کے بعد اب وہ ناظر نور الدین اور انجیلینا کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اب وہ اپنے گھوڑوں کو سمرقند کی طرف جانے والی شاہراہ پر سر پٹ دوڑا رہے تھے۔

ایک جگہ اچانک اس ناظر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کے ساتھ ہی نور الدین اور انجیلینا بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ چکے تھے۔ پھر اس ناظر نے اپنے دائیں طرف شاہراہ سے قریب ہی ایک وادی میں اشارہ کرتے ہوئے کہا - "اے امیر!

ادھر دیکھیں وہ چاروں ابھی تک میرے ساتھی کو لیے کھڑے ہیں۔

نورالدین نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس نے اس طرف بھگادیا تھا جہاں وہ چاروں دوسرے ناظر کو لیے کھڑے تھے۔ قریب جا کر نورالدین نے دیکھا۔ ان چاروں نے دوسرے ناظر کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ رکھے تھے۔ ان کے قریب جا کر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے نورالدین نے انہیں ٹھکانہ اندا میں کہا۔ امیر تیمور کے اس ناظر کو پھوڑ دو! ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ان چاروں میں سے ایک نے نورالدین کو مخاطب کر کے کہا۔ اے امیر نورالدین! اچھا ہوا آپ خود ہی آگئے۔ ان ناظروں کے ذریعے ہم تو آپ ہی سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے یوں سامنے آ جانے پر اب یہ ناظر ہمارے لیے بیکار ہو چکا ہے۔

اے امیر! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمیں مل گئے ہیں۔ اب شہزادہ خلیل کی طرف سے ہم ساتوں کے ساتھ انعام کے حقدار ہو گئے۔ ہمارے تین ساتھی آپ کے ساتھ اس دوسرے ناظر کے تعاقب میں گئے تھے۔ وہ بھی اب لوٹنے ہی والے ہوں گے۔

اے امیر! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم عزت و احترام کے ساتھ آپ کو لے جا کر شہزادہ خلیل کے سامنے پیش کر دیں گے۔ وہ جیسا چاہے آپ کے ساتھ مل کر کرے اور اگر آپ نے کسی طرح کی مزاحمت کی تو پھر ہمیں آپ کو زبردستی کپڑ کر شہزادہ خلیل کے روبرو پیش کرنا ہوگا۔

اس گفتگو کے دوران نورالدین نے اس ناظر کی آڑ لیتے ہوئے ایک تیسرا اپنے ترکش سے نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا اور کمان پر بھی اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ خلیل کا وہ ساتھی چند ثانیے رک کر پھر کہہ رہا تھا۔

اے امیر! یہ ہماری دوسری خوش قسمتی ہے کہ انیجلینا بھی آپ کے ساتھ ہے کیونکہ شہزادہ خلیل انیجلینا کی گرفتاری کا بھی بڑی طرح خواہاں ہے۔ اس طرح ہمارے

انعام کی رقم میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

خیل کا وہ آدمی جب خاموش ہوا تب نور الدین نے اُسے مخاطب کر کے کہا: اے مورکھ انسان! اگر کوئی شخص آج تک عدم سے لوٹ کر آیا ہے تو تمہارے وہ تینوں ساتھی بھی تم سے آن ملیں گے۔ یاد رکھو ان تینوں کو میں موت کے گھاٹ اُتار چکا ہوں۔ اس ناظر کو چھوڑ دو اور اگر تم نے انکار کیا تو میں موت کو تمہارے پاؤں کی زنجیر بنا کر تمہیں ریت پر لکھی ہوئی تحریر کی طرح مٹا دوں گا۔ اگر تم چاروں اپنے اسم و جسم اور اپنی نبض و نفس کی خیر چاہتے ہو تو اس ناظر کو چھوڑ دو۔

نور الدین ذرا رُک کر پھر کہہ رہا تھا۔ اے فنا انجام انسانو! اس ناظر کو چھوڑ دو۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے نفس میں طوفان اور تمہاری برسات میں زلزلہ طاری کر دوں قبل اس کے کہ تمہارے رشتوں کے پیوند اور تمہارے جسم و روح کے بندھن میں کھول دوں۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے لیے نفرتوں کی اداس رت اور مرگ کی تپش و دہن جاؤں اس ناظر کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دو اور پھر تم چاروں اس ناظر سے ذرا دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔

جب ان چاروں نے کوئی حرکت نہ کی تو نور الدین آندھیوں کے سفر اور سناٹوں کی صاعقہ بردار گونج کی طرح حرکت میں۔ اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا نیزہ اس نے ان میں سے ایک کے دے مارا اور دوسرے پر اس نے تیر چلا دیا تھا۔ نیزہ ان میں سے ایک کی کھوپڑی کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا جب کہ تیسرے ایک دوسرے پر سینہ چیر کر رکھ دیا تھا وہ دونوں چیخ و پکار کرتے ہوئے زمین پر گر گئے اور موت ان سے بغل گیر ہونے لگی تھی۔

اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور اپنی پوری ہشت کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو سخت مہمیز لگا کر ان کی طرف دوڑا دیا تھا۔

پھر نور الدین موجوں کے تلاطم، برق و شعلہ کی لپک، لمحوں کے طوفان اور فنا

کے انجیل کی طرح ان پر حملہ آور ہوا اور صرف چند ہی لمحوں کے اندر اندر اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے بے بس کر کے ان کی گردنیں کاٹ کر رکھ دی تھیں۔ اتنی دیر تک ناظر آگے بڑھ کر اپنے ساتھی کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولنے لگا تھا۔

اینجیلینا اپنے گھوڑے کو نورالدین کے قریب لائی اور اپنے لال گول ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اس نے مترنم آواز میں کہا۔

”اے امیر! بخدا! آپ عظیم و عجیب شاہسوار ہیں۔ آپ یقیناً موت سے عمیق تر اور حیات سے عجیب تر ہیں۔ قسم خداوند کی آپ کیا خوب سرکش آمدھی اور سیلِ وقت کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور ان چاروں کو موت کی گہری نیند سلا کر رکھ دیا ہے۔ کیا خوب آپ نے ان چاروں کو اجل کے سیاہ خانوں میں ڈال دیا ہے۔“

نورالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے انجیلینا! میری ایسی تعریف نہ کرو کہ میں اپنی ذات میں مغرور و متکبر ہو جاؤں۔“

اینجیلینا نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں نے آپ کی تعریف نہیں کی بلکہ حقیقت بیان کی ہے۔“

اب نورالدین نے ان دونوں ناظروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ان چاروں کی لاشوں کو یہاں دفن کر دو اور اوہاں سے کوچ کریں۔ ان کے گھوڑوں کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں کہ یشکر میں ہمارے کام آئیں گے۔“

وہ دونوں ناظر حرکت میں آئے۔ مرنے والے چاروں کی لاشوں کو انہوں نے ایک گڑھے میں دفن کر دیا اور اس کے بعد وہ چاروں وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔



شام سے تھوڑی دیر قبل وہ دونوں ناظر نورالدین اور اینجیلینا کو لے کر سمرقند کے جنوبی کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے۔ جہاں ایک بلند پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی کے اندر پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

برف باری اس وقت بھی جاری تھی۔ فضائیں جنگل کی کالی رات کی طرح تاریک

ہوتی جا رہی تھی۔

جب نور الدین لشکر گاہ میں داخل ہوا تو نور الدین کے اپنے شکری زور زور سے تکبیریں بلند کرتے ہوئے نور الدین کا دالہ اندہ استقبال کرنے لگے تھے۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہاتھ لہرا لہرا کر اپنے شکریوں کے نعروں کا جواب دیتا ہوا نور الدین انجیلینا کے ساتھ دونوں ناظروں کی راہنمائی میں آگے بڑھتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں ناظر پیر محمد کے خیمے کے سامنے آئے۔

اس وقت پیر محمد اور نور الدین کا نائب سالار اللہ داؤد خیمے سے باہر شاید نور الدین ہی کے منتظر کھڑے تھے۔ نور الدین ایک غصیلی جسبت کے ساتھ اپنے گھوڑے سے اُترا اور آگے بڑھ کر وہ باری باری پیر محمد اور اللہ داؤد سے باری باری گلے مل رہا تھا۔ انجیلینا اور دونوں ناظر بھی اپنے گھوڑوں سے اُتر کھڑے ہوئے تھے۔

نور الدین سے ملنے کے بعد پیر محمد انجیلینا کے قریب آیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا: "اے انجیلینا! میری بہن! امیر نور الدین کے ساتھ ساتھ ہم تمہیں بھی لشکر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اے میری بہن! مجھے یہاں آ کر خبر ہوئی کہ اسقف یوحنا خلیل کے کسی آدمی کے تیروں کا شکار ہو گیا تھا۔ اے میری بہن! تیرے باپ کے مرنے کا ہم سب سب کو دکھ ہے۔ آہ! وہ امیر تمپور کے ساتھ ہی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

اے میری بہن! ہم سب کی نگاہوں میں تیری ایسی ہی عزت و توقیر ہوگی۔

جیسی تیرے باپ کی زندگی میں ہوا کرتی تھی۔

پیر محمد کہتے کہتے رک گیا کیونکہ اس کے خیمے کے زنان خانے سے اس کی بیوی نے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے انجیلینا کو اندر بھیج دینے کے لیے کہا۔

پیر محمد نے انجیلینا سے کہا: "اے انجیلینا! میری بہن! تم اندر زنان خانے میں چلی جاؤ۔ تمہاری حیثیت ہمارے ہاں ہمارے گھر کے ایک فرد کی سی ہوگی۔

انجیلینا نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے

سے اپنی چوڑی نر جین اتار لی اور خیمے کے زنان خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ نور الدین نے ان دونوں ناظروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اب تم دونوں جاؤ۔ سمرقند اور اس کے نواح پر نظر رکھو اور اگر کوئی اہم بات ہو تو فوراً مجھے اس کی خبر کرو۔" وہ دونوں ناظروں سے چلے گئے۔ جب کہ پیر محمد اور اللہ داد دونوں نور الدین کو لے کر اس محل نما خیمے میں داخل ہوئے تھے۔

خیمے میں پیر محمد اور اللہ داد کے سامنے بیٹھے ہی نور الدین نے پوچھا: "سب سے پہلے آپ دونوں میرے ایک ایک سوال کا جواب دیں۔ اس کے بعد میں آئندہ کے لائحہ عمل سے متعلق آپ دونوں سے گفتگو کروں گا۔"

پیر محمد! آپ یہ بتائیے کہ یہ وادی جس کے اندر اس وقت آپ کا لشکر خیمہ زن ہے۔ اس میں اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے آپ نے کیا حفاظتی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں؟

پیر محمد نے فوراً کہا: "اے امیر! اس وادی کے اطراف میں جو پہاڑ ہیں ان پر میں نے اپنے ناظر بٹھار رکھے ہیں جو ہر خطرے کی صورت میں مجھے مطلع کریں گے اور جس قدر بھی کوہستانی درے اس وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ ان پر میں نے اپنے تیر انداز بٹھار رکھے ہیں تاکہ ان دروں سے داخل ہو کر کوئی اہم پرشب خون نہ مار سکے اور اچانک حملہ نہ کر سکے۔"

نور الدین نے خوش ہوتے ہوئے کہا: "پیر محمد! بخدا تم نے ایسے ہی انتظامات کیے ہیں جن کی میں اُمید کر رہا تھا اور اے اللہ داد! اب تمہاری باری ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے اہل خانہ کا کیا کیا۔ وہ سمرقند میں ہیں یا تم انہیں وہاں سے نکال چکے ہو؟"

اللہ داد نے مطمئن انداز میں کہا: "اے امیر! یہ دونوں ناظر جو آپ کے ساتھ آئے ہیں میں نے ان کے ساتھ اپنے اہل خانہ کو پہلے ہی سمرقند سے نکال دیا تھا اور اب میرے خاندان کے سب افراد اس وقت اس لشکر میں شامل ہیں۔"

نور الدین نے پھر بولتے ہوئے کہا: ”آپ دونوں کی گفتگو سے مجھے اطمینان ہوا ہے اب میں بلا جھجک خلیل اور اس کے حواریوں کے خلاف کھل کر حرکت میں آسکوں گا۔“
 نور الدین ذرا رکا۔ چند ساعتوں کے لیے اس نے کچھ سوچا پھر پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا: ”اے پیر محمد! آپ نے اندازہ لگا یا کہ خلیل کے ہاتھوں آپ کو کیوں شکست ہوئی؟“

پیر محمد نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا: ”میں سمجھتا ہوں خلیل اکیلا تو اس قابل نہ تھا کہ مجھے شکست دے دیتا لیکن میں آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی کہوں کہ امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں ہی خلیل کے ساتھ مل گئے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ دونوں کیسے خونخوار انسان ہیں۔ میں سمجھتا ہوں میری شکست کا باعث یہی امیر شاہ اور شیخ محمد ہی ہیں۔ اگر یہ دونوں خلیل کا ساتھ نہ دیتے تو اس وقت میں یقیناً اس فادی کے اندر حمیہ زن ہونے کے بجائے سمرقند شہر میں ہوتا۔ امیر شاہ اور شیخ محمد نے فائیں بائیں سے حملہ آور ہو کر میرے لشکر کے پاؤں اکھیڑ کر رکھ دیئے تھے۔“

پیر محمد کی گفتگو سننے کے بعد نور الدین چند ثانیوں تک اپنی گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے پیر محمد کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ”اے پیر محمد! آپ سے بھی ایک غلطی ہوئی ورنہ میں جانتا ہوں امیر شاہ اور شیخ محمد کس قدر جنگی مہارت رکھنے والے سالار ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ سمرقند سے باہر کھلے میدانوں کے اندر خلیل کا مقابلہ کرنے سے قبل آپ نے کم از کم اللہ داد یا مجھ سے رابطہ قائم کیا ہوتا اور اگر آپ ایسا کرتے تو حالات اس صورت حال سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں۔ جس کا اس وقت ہم سامنا کر رہے ہیں۔“

بہر حال جو کچھ ہوا میں اس پر پھپھانے کا عادی نہیں ہوں۔ اب میرا فیصلہ یہ ہے کہ آج کی رات ہم اپنی تیاریاں مکمل کر لیں اور کل صبح ہی صبح سمرقند کی طرف بڑھیں اور شہر کا محاصرہ کر لیں۔“

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ اے پیر محمد اور اللہ داد

میرے دونوں دوستو! ہمارے سمرقند کی طرف بڑھنے سے خلیل دو طرح کے ردِ عمل کا اظہار کر سکتا ہے۔ اول یہ کہ وہ حسبِ سابق شہر سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں ہمارا مقابلہ کرے گا۔ دوئم یہ کہ وہ شہر کے اندر محصور ہو جائے گا اور مقابلے کو طول دے کر ہمیں محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کرے گا۔

ان دونوں میں سے جو بھی صورتِ حال سامنے آئے ہم خلیل کو اپنے سامنے زیرِ دست کرنے کی کوشش کریں گے۔ ویسے میرا زیادہ تر خیال یہی ہے کہ خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد کے ساتھ سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں مقابلہ کرے گا۔ اس لیے کہ ایک بار وہ آپ کو کھلے میدانوں میں شکست دے چکا ہے۔ اس سے خلیل کے حوصلے بلند ہیں وہ کھلے میدانوں میں ہی جنگ کرنے کو ترجیح دے گا۔ تاکہ اپنی پہلی فتح کی طرح وہ اس فتح کو بھی یقینی بنائے۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر پیر محمد نے کہا۔ "اے امیر نور الدین! کھلے میدانوں میں خلیل کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں نے بھی اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں ولی عہدی اور تیمور کی جانشینی سے متبردار ہوتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خلیل کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں اس قابل نہیں رہا کہ سمرقند کے تخت و تاج کا مالک بنوں۔"

اے نور الدین! آنے والی اس جنگ میں میں خلیل کے خلاف پوری قوت سے حصّہ لوں گا۔ پر جہاں تک سمرقند کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا معاملہ ہے تو اے نور الدین! اس کے لیے میں آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری نسبت آپ سمرقند کے بہتر حکمران ثابت ہو سکتے ہیں لہذا میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آنے والی جنگ میں جب ہمیں فتح نصیب ہوگی تو خلیل کی جگہ اے امیر نور الدین! آپ سمرقند کے تاج و تخت کے مالک ہوں گے۔

نور الدین چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا یہاں تک کہ اُس نے غور سے پیر محمد کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہا۔ "اے پیر محمد! میں تمہاری اس بلند اخلاقی کی قدر کرتا ہوں کہ تم

نے اپنے آپ کو تخت و تاج کے قابل نہ سمجھتے ہوئے مجھے اس کا حق دار بنا دیا ہے لیکن اے پیر محمد! میں حکومت اور حکمرانی کے ان کبھیڑوں میں پڑنے والا نہیں ہوں۔ تم تخت و تاج سے دست بردار ہو چکے ہو تو پھر میں آج چند تیز رفتا قاصدوں کو خراسان کی طرف روانہ کرتا ہوں اور شاہ رخ کو یہاں بلاتا ہوں تاکہ وہ امیر تیمور کے فرزند کی حیثیت سے خود اگر سمرقند کے تخت و تاج کو سنبھال لے۔

اے پیر محمد! جس طرح تم سمرقند کے تاج و تخت سے دست بردار ہوئے ہو ایسے ہی میں بھی ان سے دست بردار ہوتا ہوں۔ میں ان میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور یہ حکومت شاہ رخ کے حوالے کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں سمرقند سے نکل کر شمالی قلعوں کی طرف نکل جاؤں گا اور اپنی بقیہ زندگی وہاں گوشہ گیری اور گمنامی میں گزار دوں گا۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر پیر محمد نے اس بار کسی قدر رازداری سے پوچھا۔
اے امیر! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ اینجلینا سے شادی کر چکے ہیں۔

اس پر نور الدین نے چونک کر پیر محمد کی طرف دیکھا اور کہا۔ نہیں پیر محمد! ایسا نہیں ہے۔ میں نے اینجلینا سے شادی نہیں کی۔ تم جانتے ہو میں پہلے ہی سمرقند میں ایک لڑکی سے شادی کر چکا ہوں اور اس سے میرا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام عماد الدین ہے اور یہ ساری باتیں میں نے امیر تیمور کو ان کی موت سے پہلے بتادی تھیں۔ گو میری بیوی اور بچہ اس وقت سمرقند شہر میں ہے لیکن میرا ایک عزیز اور غلص دوست آج ہی انہیں سمرقند سے نکال کر دریلے سیر کے کنارے ایک قصبے کی سرائے میں لے جائے گا اور سمرقند کا یہ تاج و تخت شاہ رخ کے حوالے کرنے کے بعد میں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ اُسی سرائے سے شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔
پیر محمد اور اللہ داؤ کو نور الدین کے ان انکشافات پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ دونوں کچھ پوچھنا ہی چاہتے تھے کہ چند جوان ان تینوں کا کھانا لے کر خیمہ میں داخل ہو پھر وہ تینوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھالے لگے تھے۔



سمرقند شہر میں شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ ہر طرف صدیوں کے زنگ آلود محراؤں اور پُرانی صداؤں کے کھنڈرات جیسی خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ سرو کھراؤ راستہ امیدوں کی قوس قزاح اور کی گہری گھٹاؤں سے لپٹی بھاگی جا رہی تھی۔ آکاش کے تیز ا بھی تک تبدیل نہ ہوئے تھے اور خوابیدہ رات کے اندر برف باری اب بھی جاری تھی۔ ہر شے یادوں کے بادبان اور قسمت کے پیالوں کے زہر جیسی دیران اور محرومیوں کی داستانِ دل کے سحر اور خوابوں کی مسماری جیسی اُداس تھی۔

ایسے میں شہزادہ اس کی ماں خانزادہ اور اس کی بیوی اور سمرقند کی ملکہ شادی ملک نشاہی محل کے ایک کمرے میں خاموش اور متفکر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی حالت سے ایسا لگتا تھا گویا ان تینوں کو کسی کا قیامت سے انتظار ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس کمرے میں امیر شاہ اور شیخ محمد داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی شہزادہ خلیل نے تڑپ کر کہا۔ ”تم دونوں نے بہت دیر کروی مجھے بڑی شدت کے ساتھ تم دونوں کا انتظار تھا۔“

امیر شاہ نے پریشانی کی حالت میں پوچھا۔ ”اے آقا! کیا کوئی خلاف معمول حادثہ ہوا ہے جو آپ شدت سے ہم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔“

شہزادہ خلیل نے اپنے سامنے خالی نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں بیٹھو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔“

جب امیر شاہ اور شیخ محمد وہاں بیٹھ گئے تب شہزادہ خلیل نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے عزیز و حالات ہمارے خلاف اچانک ہی تبدیل ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ تھوڑی ہی پہلے میرے ناظر یہ خبر لائے ہیں کہ نور الدین اور اللہ داؤ بھی پیر محمد کے ساتھ جا رہے ہیں اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ گزشتہ دنوں نور الدین کے لشکر کی اکاؤ کا ہو کر شہر سے نکلتے رہے ہیں اور اب حالت یہ ہے کہ نور الدین کا سارا لشکر پیر محمد کے پڑاؤ میں جا پہنچا ہے۔ اللہ داؤ بھی خفیہ طور پر سمرقند سے نکل کر پیر محمد

کے پاس ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ نور الدین بھی اپنی کسی خفیہ رکنین گاہ سے نکل کر پیر محمد کے ساتھ جا رہا ہے اور میرے ناظروں کی اطلاع کے مطابق اب یہ تینوں مل کر ایک مضبوط اور جبار لشکر کے ساتھ کل سمرقند پر حملہ آور ہوں گے۔

شہزادہ خلیل چند ثانویں تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔ ”اے میرے عزیزو! اب تم بتاؤ کہ نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں کیا اقدام کرنا چاہیے۔ کیا ہمیں سمرقند کے اندر محصور ہو جانا چاہیے یا کھلے میدانوں میں حسب سابق اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔“

شہزادہ خلیل کے اس سوال پر امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر سوچتے رہے پھر دونوں نے بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں کوئی مشورہ کیا۔ اُس کے بعد امیر شاہ نے شہزادہ خلیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! آپ کا کتنا درست ہے۔ حالات اب واقعی ایک نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ امیر نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کا آپس میں متحد ہو جانا نہ صرف ایک بہت بڑی بات ہے بلکہ وہ ایک بہت بڑی قوت کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں ان تینوں کا مقابلہ کیا جائے اور مجھے اُمید ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ دنوں پیر محمد کے خلاف شاندار فتح حاصل کی ہے۔ ایسے ہی ہم ان تینوں کے خلاف بھی کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔“

شہزادہ خلیل چند ثانویں تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ ”اے میرے عزیزو! تم کن بنیاد پر مجھے شہزادے سے باہر نکل کر نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہو، جب کہ میں، میری ماں، خاندانہ اور میری بیوی شاری ملک تینوں مل کر یہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس بار ہم سمرقند میں محصور رہ کر ان تینوں کا مقابلہ کریں گے۔“

شہزادہ خلیل کے خاموش ہونے پر امیر شاہ نے بولتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! آپ کے سامنے میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کہ امیر نور الدین ایک ایسا جرئیل

ہے جو عظمتوں کے لالہ زار میں موجوں کے تیج و تاب ، وقت کے فاصلوں میں منزلوں کی گرد ، دن کے اُجالوں میں دشتوں کا غبار اور اندھیروں میں زندگی کی ٹرپ بن کر نمودار ہونے والا ایک بے مثل و نایاب جرنیل ہے ۔

اگر آپ سمرقند شہر میں محصور ہو کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو پھر وہ اپنے محاصرے میں تنگی پیدا کر کے اور ہماری رسد و ملک کے سارے اسباب منقطع کر کے ہمیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے گا ۔

اے آقا ! ان ہی اسباب کی بنا پر میں اور شیخ محمد آپ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ امیر نور الدین جیسے عظیم جرنیل کا مقابلہ سمرقند شہر سے نکل کر کھلے میدانوں میں کیا جائے ۔ اس طرح ہمارے لیے فتح مندی کی کوئی راہ نکل سکتی ہے ۔ وگرنہ اگر ہم سمرقند شہر میں محصور رہ کر امیر نور الدین کا مقابلہ کرتے ہیں تو یاد رکھیے رسد و ملک کے اسباب منقطع ہونے کے علاوہ ہمیں اس سے بھی ایک بڑی مصیبت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا ۔

شہزادہ خلیل نے چونکہ کر امیر شاہ کی طرف دیکھا پھر پوچھا ۔ اے امیر شاہ اگر ہم نور الدین ، پیر محمد اور اللہ داد کے مقابلہ میں سمرقند کے اندر محصور رہ کر اگر ان کا مقابلہ کرتے ہیں تو رسد و ملک کی رکاوٹ کے علاوہ ہمیں کون سی دو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ جن کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو ۔

امیر شاہ نے بلا توقف کہا ۔ اے امیر ! اگر ہم سمرقند میں محصور رہ کر امیر نور الدین کا مقابلہ کرتے ہیں تو سب سے بڑی مصیبت ہمارے لیے یہ کھڑی ہوگی کہ سمرقند کے لوگ ہی ہمارا ساتھ چھوڑ کر آہستہ آہستہ امیر نور الدین کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے اور وہ اس طرح اے آقا ! کہ وقتی طور پر ہم نے سمرقند کے لوگوں کو خوب نوا کر اپنے ساتھ بلا لیا ہے اور وہ ان دفتوں ہمارا دم بھی بھرتے ہیں لیکن جب امیر نور الدین پیر محمد اور اللہ داد سمرقند کا محاصرہ کریں گے ۔ یہ محاصرہ طول پکڑتا چلا جائے گا ۔ شہر کے اندر کھانے پینے کی اشیاء کی کمی ہوتی چلی جائے گی تو لوگ از خود ہمیں چھوڑ کر امیر نور الدین کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے ۔ اور وہ اس لیے کہ ماضی میں نور الدین ایک امیر کی

حیثیت سے اُن کے اندر مقبول و پسندیدہ رہا ہے اور پھر آپ کو یہ بات بھی ذہن میں کھنی چاہیے کہ امیر تیمور نے نور الدین کو سمرقند شہر کا محاسب مقرر کیا تھا اور ایک محاسب کی حیثیت سے نور الدین نے شہر کے اندر بہترین کام سرانجام دیئے تھے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں جوں جوں محاصرہ طویل پکڑتا جائے گا سمرقند کے لوگ ہمیں چھوڑ کر اپنی ہمدردیوں کا نااطہ امیر نور الدین کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں گے۔

شہزادہ خلیص نے توصیفی انداز میں امیر شاہ اور شیخ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے میرے عزیزو! تمہارا فیصلہ یقیناً بہترین فیصلہ ہے اور جن بنیادوں پر تم دونوں نے فیصلہ کیا ہے میں انہیں حق بجانب سمجھتا ہوں۔ لہذا اب ہمارا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ہم شہر سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کریں گے اور مجھے اُمید ہے کہ ہمیں پہلے کی طرح ان تینوں کے مقابلے میں بھی فتح مندی ہوگی، اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی ہم سمرقند کے اندر محصور رہ کر اپنی فتح کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے۔

میرے عزیزو! تمہارے آنے سے قبل میں، میری ماں خانزادہ اور میری بوی شادی ملک نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم شہر کے اندر محصور رہ کر مقابلہ کریں گے اور آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی تیار رکھیں گے۔ تاکہ جب حملہ آور سمرقند کی فصیل کے قریب آئیں، تو ان کے اوپر ہم آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینک کر انہیں دودھ بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔ بہر حال یہ انتظامات اب بھی بحال رہیں گے اور سمرقند کی فصیل کے اوپر آگ کے انگاروں کے ڈھیر اور کھولتا ہوا پانی تیار رکھا جائے گا۔

اگر سمرقند کے کھلے میدان میں ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ان اسباب کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی اور خدا نخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو ہم محصور رہ کر اور آگ کے انگارے اور کھولتے پانی سے کام لے کر دشمن کو فصیل کے قریب نہ آنے دیں گے۔ بس یہی آخری فیصلہ ہے۔ لہذا اب تم دونوں جاؤ اور کل کھلے میدان میں نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے لشکر کی تیاری مکمل کر لو۔ اس کے ساتھ ہی امیر شاہ اور شیخ محمد

وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

○

دوسرے دن گو برف باری تھم گئی تھی لیکن ہوائیں اپنے شانوں پر چبھتے چنگاڑتے بادل اٹھائے اب بھی تشنہ دہن مسافروں کی طرح بھاگتی چلی جا رہی تھیں فضاؤں کے اندلیے خوابوں، اطمینان کے سایوں اور سلامتی کے گوشوں کا سا ایک خوب صورت سماں تھا۔ بادلوں کے بھاگنے کے باعث کبھی کبھی سورج نمودار ہو جانے باعث فضاؤں میں عنابی پھڑپھڑاہٹوں جیسی سرما کی زرد دھوپ بھی نمودار ہو جاتی تھی۔ ۱

اتنے میں نور الدین، پیر محمد اور اللہ دامنے کو ہتھانوں سے گھری ہوئی اس وادی سے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ نور الدین نے اس موقع پر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور دوسرے دو حصے اس نے پیر محمد اور اللہ دوا کی کمانداری میں رکھے تھے۔ اس طرح یہ متحدہ لشکر بڑی تیزی کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھا تھا۔

نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے کچھ فاصلہ پر ہی تھا کہ اس کے ہی دونوں ناظر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اس کے پاس نمودار ہوئے جو گزشتہ دن اس کے پاس سے نواز ہوئے تھے۔

جب وہ دونوں نور الدین کے پاس آئے تو نور الدین نے اپنے گھوڑے کو روکے بغیر ان سے پوچھا۔ 'اے میرے عزیزو! کیا تم کوئی اہم خبر لے کر آئے ہو؟'

اُن دونوں ناظروں نے اپنے گھوڑوں کو موڑا اور پھر انہیں نور الدین کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ بانکتے ہوئے ان میں سے ایک نے کہا۔ 'اے امیر! شہزادہ خلیل امیرقا اور شیخ محمد سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں آپ سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اُن کے جاسوس انہیں یہ خبر دے چکے ہیں کہ آپ سمرقند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لہذا وہ کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ آپ کے منتظر ہیں۔'

اے امیر! اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور بھی انتظام کر رکھا ہے اور وہ یہ

کہ انہوں نے سمرقند کی تفصیل کے اوپر آگ کے انگارے اور کھوتا ہوا پانی تیار کر رکھا ہے اگر اس جنگ میں انہیں فتح ہوئی تو پھر وہ ان اسباب سے کام نہ لیں گے اور اگر انہیں شکست ہوئی تو وہ شہر میں محصور ہو جائیں گے اور آپ کا لشکر اگر تفصیل کے قریب گیا تو وہ اُس کے اوپر کھوتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے پھینک کر اُسے دور بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔

اے امیر! اس وقت تو آپ تک پہنچانے کے لیے ہمارے پاس یہی اطلاعات ہیں۔“ نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اے میرے عزیزو! جس جانفشانی کے ساتھ تم میرے لیے کام کر رہے ہو۔ اس کے لیے میں تم دونوں کا ممنون ہوں۔ اب تم جاؤ دشمن پر نگاہ رکھو۔ مجھے امید ہے کہ ہم انشاء اللہ شہزادہ خلیل اور اس کے ساریوں کو کھلے میدان میں شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ہمارے سامنے سمرقند شہر میں محصور ہونے کا عزم کیا تو یقیناً ہم اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ناظر وہاں سے ہٹ گئے جب کہ نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ اور زیادہ تیزی کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

سمرقند سے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے۔ شہزادہ خلیل نے پہلے کی طرح اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ درمیانی حصے میں وہ خود رہا جب کہ اپنے دائیں اور بائیں اُس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کو مقرر کیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جس طرح اپنے لشکر کو تین حصوں میں بانٹ کر گزشتہ دنوں پیر محمد کے خلاف فتح حاصل کی تھی ایسا ہی طریقہ وہ نور الدین کے خلاف بھی استعمال کرے گا۔ اس کے لیے اس نے سمرقند شہر کی تفصیل کے اوپر جو اپنے محافظ مقرر کر رکھے تھے انہیں بھی تاکید کر دی تھی کہ اگر وہ اپنے لشکر کے ساتھ جنگ سے پسپا ہو کر شہر میں داخل ہوں اور نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ تعاقب کرے تو نور الدین اور اُس کے لشکر پر آگ کے

انگاردوں اور کھولتے پانی کی بارش کر دی جائے۔ اس طرح اپنے سدے انتظامات مکمل کرنے کے بعد شہزادہ خلیل جنگ کے لیے صف آرہوا تھا۔

دوسری طرف نور الدین نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ درمیان میں خود رہا اپنے بائیں طرف پیر محمد اور دائیں طرف اللہ داد لورکھا۔ اس طرح دونوں لشکر جب اپنی صفیں درست کر چکے تو ہر سمت سے مبل اور دھنیں ہوناک انداز میں پیٹی جانے لگی تھیں۔

جن کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی دیر تک جنگ شروع ہونے والی ہے۔ شہزادہ خلیل نے حملہ آور ہونے میں پہل کی۔ شاید ایسا کر کے وہ چاہتا تھا کہ اپنے پہلے ہی حملہ میں نور الدین کے لشکر کو ایسا نقصان پہنچائے کہ اس کے لشکر ہی بدل ہو جائیں اور جب کہ اس کے اپنے لشکریوں کی حوصلہ افزائی ہو جو تجربات اُسے پیر محمد کے ساتھ جنگ میں حاصل ہوئے تھے۔ یہاں اُس کے وہ سارے ہی تجربات ناکام ثابت ہوئے تھے۔

اس کے حکم پر امیر شاہ اور شیخ محمد نے دائیں بائیں سے اللہ داد اور پیر محمد پر حد توں اور ظلم کی اندھی قوتوں کی طرح حملہ کیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ایسے تیز اور طوفانی حملے کر کے وہ اللہ داد اور پیر محمد دونوں کو درد اور اذیت کے قلمزم میں ڈبو کر رکھ دیں گے اور اس طرح وہ پیپا ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔

لیکن اس بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے کہ نور الدین اس بار اپنے لشکر کے درمیان صبر کی چٹان اور کوشٹانوں کی طرح ایسا وہ کھڑا تھا اور اس کی موجودگی میں اللہ داد اور پیر محمد دونوں ہی کے جوصلے بلند تھے۔ لہذا دونوں نے انتہائی کامیابی کے ساتھ امیر شاہ اور شیخ محمد کے حملوں کو روکتے ہوئے انہیں مافغانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس وقت شہزادہ خلیل کے لشکر کی حالت قابل دید تھی۔ جب شیر دل نور الدین آوازوں کے سفرِ عذاب رُتوں کے شدید لمحوں، اذیتوں کے سمندر کی طرح خلیل کے

لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس حملے سے خلیل اور اس کے لشکریوں کو ایسا لگا تھا جیسے سات سمندروں کے طوفان اور مضطرب وحیران کو دینے والے صدیوں کے سر بہتہ راز اُن پر چھانا شروع ہو گئے ہوں۔

اپنے سامنے آنے والے ہر لشکری کو کاٹتا ہوا نور الدین عدم کے دشت کے طوفان اور ابدی آرزوؤں کی طرح آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شہزادہ خلیل کے لشکر کے اندر جا گھسا اور پھر وہ غیر فانی جذبیوں اور کھڑکھڑام کی طرح اپنے اطراف میں زبردست حملے کرتا ہوا اپنے دشمنوں کی سفلی خواہشات کا خاتمہ کرنے لگا تھا۔

شہزادہ خلیل کے لشکر کے اندر گھس کر نور الدین گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح چاروں سمت چھا گیا تھا اور اس نے بڑی تیزی کے ساتھ خلیل کے لشکر کو بے وقعت و بے نصیب اور بے شرف و بے توقیر کرنا شروع کر دیا تھا اور چاروں طرف دشمنوں کے لشکریوں پر حملہ آور ہو کر نہ صرف انہیں قدیم رموز اور کہنہ دعایات کی طرح ختم کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ اُن کے جسم اور روح دونوں ہی کو زخمی کر کے رکھ دیا تھا۔

شہزادہ خلیل کی حالت اب شب کی آخری ساعتوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے نور الدین نے لمحوں کے اندر اسے اپنی ہی بے بسی اور لاچارگی کا اسیر بنا کر رکھ دیا ہو۔

شہزادہ خلیل نے جب محسوس کیا کہ نور الدین نے اُس کی ہستی کے سارے ہی اسرار کو کھول کر رکھ دیا ہے اور اگر وہ سپا نہ ہوا تو تھوڑی دیر تک نور الدین اُسے بھی کاٹ کر رکھ دے گا تو شہزادہ خلیل نے امیر شاہ اور شیخ محمد سے مشورہ کیے بغیر سپا ہونا شروع کر دیا۔

گو وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اس کی اس سپائی کو دیکھتے ہوئے امیر شاہ اور شیخ محمد بھی پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں گے اور اس طرح وہ عافیت کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر محصور ہو جائیں گے۔ نور الدین نے انہیں اس قدر آسانی سے سپا ہونے کا موقع بھی نہ دیا۔

جس وقت شہزادہ خلیل شہر کے صدر دروازے کی طرف پاپا ہو رہا تھا۔ اُسی وقت نور الدین نے بھی ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ اُس نے اپنے لشکر کو دو حصوں تقسیم کیا۔ ایک حصہ بائیں طرف شیخ محمد کے لشکر پر اور دوسرا حصہ امیر شاہ کی طرف حملہ آور ہوا تھا۔

اس طرح شہزادہ خلیل کو بُری طرح گھائل کرنے کے بعد نور الدین نے امیر شاہ اور شیخ محمد کے لشکریوں کو بھی بُری طرح زخمی کرنا شروع کر دیا تھا۔ امیر شاہ اور شیخ محمد نے جب دیکھا کہ سامنے کی طرف سے وہ پیر محمد اور اللہ داد کے لشکروں کا لشکارہ ہیں اور پشت کی طرف سے اُن پر امیر نور الدین حملہ آور ہو چکا ہے تو وہ انتہائی خوفزدہ ہوئے۔ لہذا انہوں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنے اپنے لشکر کو شہر کی طرف پاپا ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

اس طرح وہ دونوں بھی نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد کے آگے بھاگتے ہوئے شہزادہ خلیل کے ساتھ آئے تھے اور پھر ان تینوں کے لشکروں نے سرتقد کے صدر دروازے سے شہر میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔

نور الدین نے تھوڑی دُور تک ان کا تعاقب کیا اور ان کے لشکروں کو دُوب مارا اور کاٹا۔ پھر شہر کی فصیل کے قریب جا کر نور الدین نے اپنے لشکر کو رُک جانے کا حکم دے دیا تھا۔

شہزادہ خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے اپنے لشکر کو لے کر سرتقد میں داخل ہو گئے تھے اور شہر کے بھی دروازے انہوں نے بند کر دیئے تھے۔ جب کہ نور الدین کے اشارے پر اُس کا سارا لشکر جہاں تھا وہیں رُک گیا تھا۔ اتنے میں ایک طرف سے پیر محمد اور اللہ داد اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے نور الدین کے پاس آئے اور پھر پیر محمد نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے توصیف و شکایات کے لیے جگہ انداز میں کہا۔

”اے امیر! میں آپ کو خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد کے خلاف اس شاندار فتح پر مبارک باد دیتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ فتح صرف آپ کی بہترین

منصوبہ بندی کے باعث ہوئی ہے۔ لیکن اے امیر! یہ آپ نے کیا کیا کرنا اپنے لشکر کو کیوں آپ نے روک دیا۔ کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہ تھا کہ خلیل کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاتے اور اس طرح شہر پر قبضہ کرنا ہمارے لیے آسان ہو جاتا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔

اور اب سمرقند شہر پر قبضہ کرنا ہمارے لیے آسان نہ رہے گا۔ اس پر نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اے پیر محمد! میرے عزیز! تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ تم نے اس عذاب، اس قہر و عتاب کا اندازہ نہیں لگایا جو اس وقت ہم پر ڈھونڈی جاتی ہے۔ جب ہم خلیل کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے شہر پناہ کے نزدیک جاتے۔

سنو میرے عزیز! امیر شاہ، خلیل اور شیخ محمد نے فہر کی تفصیل کے اوپر آگ کے انگاروں اور کھولتے ہوئے پانی کا انتظام کر رکھا ہے اور شاید تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ خلیل کا جو لشکر ابھی ابھی ہمارے آگے آگے بھاگتا ہوا شہر میں داخل ہوا ہے اس کے سب سے پہلے حصے میں سترخ رنگ کی جھنڈیاں تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خلیل کا لشکر ان جھنڈیوں تک ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہمارا لشکر ہے۔ پس جب وہ جھنڈیاں شہر میں داخل ہو جاتیں تو پھر تفصیل کے اوپر سے ہم پر کھوتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے برسائے جلتے۔

اور اگر ایسا ہوتا تو ہمارے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ پس اے پیر محمد! میں نے اسی عذاب سے بچنے کے لیے اپنے لشکر کو یہاں روک دیا ہے۔ یاد رکھو! سمرقند کی تفصیل کے اوپر بیٹھے ہوئے محافظ یقیناً دکھ اور افسوس کا اظہار کر رہے ہوں گے کہ میں نے کیوں تفصیل سے دور ہی اپنے لشکر کو روک دیا ہے کیونکہ اس طرح انہیں ہم پر کھوتا پانی اور آگ برسانے کا موقع نہیں ملا۔“

اس بار پیر محمد نے کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ ”اے امیر! آپ کا فیصلہ یقیناً درست ہے لیکن سمرقند میں داخل ہونا تو اب بھی ہمارے لیے ویسے کا ویسا مشکل

ہے۔ اس لیے کہ اب جب بھی ہم شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھیں گے، یقیناً ہم پہ آگ کے انکارے اور کھوتا ہوا پانی برسایا جائے گا۔ اس صورت میں ہم یقیناً پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوں گے۔ پھر اے امیر! ہم کیسے اور کیوں کہ سمرقند کو فتح کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

اے امیر! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ خلیل سمرقند پر اپنا قبضہ بحال رکھنے میں کامیاب رہے گا۔

پیر محمد کی اس گفتگو پر نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: اے پیر محمد! تمہارے سارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ ہم خلیل کو اب زیادہ دنوں تک سمرقند پر قابض نہ رہنے دیں گے۔ شہر کی تفصیل کے اوپر سے برساتی جانے والی آگ اور گرم پانی کی پرواہ کیے بغیر ہم بہت جلد سمرقند پر قابض ہو جائیں گے۔

اس بار اللہ داد نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا: امیر! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ ممکن اور درست ہی ہو گا لیکن ہم کیسے اور کس طرح شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس لیے کہ جب بھی ہم آگے بڑھیں گے ہم پر کھوتا ہوا پانی اور آگ برسے گی اور ایسی صورت میں ہم پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوں گے۔ اور یہ کھیل ایک لمبے عرصے تک بھی جاری رہ سکتا ہے۔ پھر کیوں کہ ہم چند دنوں میں شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

نور الدین اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی پیر محمد اور اللہ داد بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ پھر نور الدین ان دونوں کے نزدیک آیا اور اللہ داد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے بڑی شفقت سے کہا: "اے اللہ داد! میں تمہیں ایسا کام سونپنے والا ہوں جس کی بنا پر ہم بغیر کسی تکلیف کے سمرقند کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پہلے تم دونوں مل کر یہ کام کرو کہ جس جگہ ہم اس وقت کھڑے ہیں اپنے لشکر کو یہاں جمع کرو۔ لشکر کے پیچھے خیمہ گاہ کا انتظام کرو، تاکہ اس کاٹ کھانے

والی سر دئی سے شکریوں سے پناہ مل سکے۔ خیمہ گاہ کے اندر جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر دیئے جائیں اور شکریوں کے لیے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کیا جائے۔ اس طرح لشکر کو تھوڑی دیر ستانے کا موقع بھی مل جائے گا اور سپاہی تازہ دم ہو کر پھر کام کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

اور اے اللہ داد! دوپہر کے کھانے کے بعد تمہارے لیے ایک کام شروع ہو گا اور وہ کام یہ ہو گا اللہ داد! کہ لشکر کا ایک حصہ تمہارے ساتھ کر دیا جائے گا اور تم یہ سمرقند کے فوج میں جو درخت دیکھ رہے ہو انہیں کاٹ کر یہاں جمع کرتے جاؤ گے اور اے اللہ داد! ان درختوں کی لکڑی سے دو طرح کی چیزیں تیار کی جائیں گی۔ ایک بلند دیوار بنائی جائے گی جن کے نیچے پہیے لگے ہوں گے اور ان دیواروں کو دھکیلتے ہوئے ہم شہر پناہ کے قریب لے جائیں گے اور ان دیواروں کی اوٹ میں رہ کر ہمارے تیر انداز شہر پناہ کے محافظوں پر تیر اندازی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور کریں گے اور دوسری چیز جو ہم ان درختوں کی لکڑی سے تیار کریں گے وہ فصیل کی بندی جیسی اونچی سیڑھیاں ہوں گی۔ ان سیڑھیوں کو اوپر سے ایک چھجے کی صورت میں ڈھانپ دیا جائے گا۔ ان سیڑھیوں کو بھی شہر پناہ کی طرف دھکیلا جائے گا اور ان سیڑھیوں کے ذریعے ہمارے لشکر سمرقند کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔

اول تو دیواروں کے چھجے گھاٹ میں بیٹھے ہوئے ہمارے لشکر جب تیر اندازی کریں گے تو خدیں کے محافظ آگ کے انگارے اور پانی ہم پر نہ پھینک سکیں گے اور اگر وہ ایسا کر بھی لیں تو سیڑھیوں کے اوپر جو چھجے لگے ہوں گے ان کے باعث ہمارے ان لشکریوں کو نقصان نہ ہو گا جو شہر پناہ پر چڑھنے کی کوشش کریں گے اور چونکہ دیواروں پر بھی فصیل کے اوپر سے پانی اور آگ پھینکی جائے گی لہذا لکڑی کی ان دیواروں کو بھی آگ نہ لگے گی۔ اس لیے کہ کھولتے پانی سے لکڑی کی وہ دیواریں بھیگ جائیں گی اور جب ان پر انگارے پھینکے جائیں گے تو آگ نہ پکڑ سکیں گی اور ان دیواروں پر پھینکا جانے والا پانی بھی اس کے چھجے بیٹھے ہوئے ہمارے لشکریوں پر

اثر انداز نہ ہوگا۔ اس لیے کہ دیواریں کافی موٹی اور مضبوط رکھی جائیں گی۔ اس کے علاوہ اگر ممکن ہو تو اُن پر مٹی سے لپائی بھی کر دی جائے گی۔

اے میرے عزیزو! اب تم دونوں بتاؤ کہ سمرقند کا فتح کرنا ہمارے لیے آسان ہے یا دشوار؟

نور الدین کی گفتگو سننے کے بعد پیر محمد اور اللہ داد دونوں چونک سے پڑے تھے۔ پھر پیر محمد نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اے امیر نور الدین! بخدا آپ یقیناً بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اے امیر! آپ اُن جوانوں میں سے ہیں جو تمدن کی کندہ پر طوفانوں کی زبردستی لگاتے ہیں۔ جو وحشی صدیوں کے رازوں اور تاریخ کی رفتار پر افق کی لالی اور نعمت ریز گونج بن کر اتر جاتے ہیں۔

اے امیر! آپ یقیناً اُن سالاروں میں سے ہیں جو عارف آفاق بن کر اندھیل کی شدت اور نزع کے وقت کی طرح دشمنوں کے ہر منصوبے کو خواب کی طرح بے حقیقت بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

اے امیر! قسم خداوند کی آپ ہمارے لیے ایک نیا ورق، ایک نیا عنوان ہیں جس کی تحریریں اور جس کے الفاظ کے اندر ہم اپنے لیے نیزوں کی چمکتی انہول اور نحل نشان تلواروں کا قصص دیکھتے ہیں۔

اے امیر! آپ ہمارے لیے ہماریک دلوں کے اندر شوق کا ادراک اور اظہار کی بندش میں نسلوں کی ہمت ہیں۔

اے امیر! قسم خداوند کی آپ واقعی ایک صاحب سیف و ہمت ساتھی اور سالار ہیں۔

پیر محمد کی اس توصیف و تعریف کے جواب میں نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اے پیر محمد! میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے اور اللہ داد کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں جو کچھ اب تک کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس میں تمہارا اور

اللہ داد کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔

اب تم دونوں حرکت میں آؤ۔ پہلے اپنا پڑاؤ درست کراؤ، خیمے نصب کراؤ کہ لشکر میں شامل عورتیں اور بچے سخت سردی محسوس کر رہے ہوں گے۔

پیر محمد اور اللہ داد فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور لشکر کے خیمہ زن ہونے کا انتظام کرنے لگے تھے۔ جب کہ نور الدین بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے اندر چکرتے لگا کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی دیکھ بھال کی نگرانی کرنے لگا تھا۔

کافی دیر بعد نور الدین جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا اُس کے خیمے کے اندر آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ خیمہ خوب گرم ہو رہا تھا اور وہاں اینجلینا اپنے سامنے کھانے کے ڈھکے ہوئے برتن رکھے ہوئے بیٹھی تھی۔

جول ہی نور الدین خیمے میں داخل ہوا اینجلینا نے شکوؤں سے بھری ہوئی آواز میں کہا۔

”اے امیر! سب اپنے اپنے خیموں میں لوٹ آئے ہیں اور ہر کوئی کھانا کھانے کے بعد ستا رہا ہے۔ آپ تو اس طرح دیر سے اپنے خیمے کی طرف آئے ہیں جیسے آپ کے سر پر کوئی ذمے داری ہی نہ ہو۔ میں کافی دیر سے بیٹھی اسی انتظار میں تھی کہ آپ واپس آئیں تو اکٹھے کھانا کھائیں۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے اپنی تلوار اور خنجر کی پیٹی کھول کر ایک طرف رکھ دی اور پھر اس نے معذرت طلب لہجہ میں کہا۔

”اے اینجلینا! مجھے بخدا خیال ہی نہ رہا تھا کہ تم میرے خیمے میں کھانا لیے بیٹھی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید ابھی تم پیر محمد کے زنان خانہ میں ہی ہو گی اور وہیں تم نے کھانا کھالیا ہوگا۔ اس لیے میں لشکر کے اندر گھوم پھر کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اچھا آؤ پہلے کھانا کھائیں دیگر باتیں بعد میں ہوں گی۔“

اس کے ساتھ ہی نور الدین پلوٹھی مار کر اینجلینا کے سامنے بیٹھ گیا اور پھر وہ دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔



نور الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ کئی روز تک سمرقند شہر سے باہر پڑاؤ کیے رکھا۔ اس دوران شہر کے گرد و نواح سے درخت کٹا کر اس نے اپنے لشکر کے اندر لکڑی کے ڈھیر لگانے شروع کر دیئے تھے۔ پھر صنایع حرکت میں آئے اور ان درختوں کی لکڑی سے انہوں نے نور الدین کی تجویز کے مطابق پہلے متحرک دیواریں بنانا شروع کر دی تھیں۔

یہ دیواریں خوب چوڑی اور کافی بلند تھیں اور ان کو حرکت میں لانے کے لیے ان کے نیچے چھوٹے چھوٹے پتے لکڑی ہی کے بنا کر لگا دیئے گئے تھے اور دیواروں کے سامنے والے حصے پر مٹی کی پانی کساد کی گئی تھی تاکہ کھولتا ہوا پانی اور آگ کے انکار لکڑی کی اس دیوار پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

جب اس قسم کی دیواریں نور الدین کی خواہش کے مطابق تیار ہو گئیں۔ تب لکڑی ہی کی بہت بلند سیڑھیاں تیار کی گئیں۔ ان سیڑھیوں کو چاروں طرف سے کسی بالا خانہ کی سیڑھیوں کی طرح ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ان کے اوپر بھی لکڑی کی چھوہڑا چھت ڈال دی گئی تھی۔

ان سیڑھیوں کے نیچے بھی پتے لگا دیئے گئے تھے تاکہ انہیں آسانی کے ساتھ

سرکت میں لایا جاسکے۔

اس کے علاوہ ان سیڑھیوں کو چاروں طرف سے اور اُوپر سے دیواروں کی طرح ٹٹی سے پائی کر دی گئی تھی تاکہ جب انہیں کھینچ کر فصیل کے قریب کیا جائے تو فصیل کے اُوپر سے پھینکی جانے والی آگ اور کھوتا پانی ان پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

جب یہ دونوں چیزیں تیار ہو چکیں تب نور الدین نے شہر پر حملہ آور ہونے کی تمنا کی۔ وہ صبح ہی صبح شہر پر حملہ آور ہونے سے پہلے اپنے لشکر کے سامنے آیا اور شہر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے انتہائی کرب کے عالم میں مدغم اور وہمی آواز میں کہا۔

”اے سمرقند! توجہ کبھی امیر تیمور کی آماجگاہ تھا تو جانتا ہے کہ میں تیرے اندر ایک غلام کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ اے سمرقند! میں تیرا ممنون ہوں کہ تیرے اندر رہتے ہوئے مجھے غلام سے امیر اور شیخ بنا دیا گیا۔

اے سمرقند! اگر امیر تیمور کی سلطنت کو استوار اور بحال نہ کرنا ہوتا میں ہرگز تم پر حملہ آور نہ ہوتا۔ اے سمرقند! میں تجھے خلیل کی گمراہیوں، اخلاقی ضابطوں سے اس کے انحراف سے بچانا چاہتا ہوں۔

اے سمرقند! میرے رب نے مجھے تیرے اندر ہی عزت و شرف سے نوازا میں تیرے ہی احترام کو بحال رکھنے کے لیے حملہ آور ہو رہا ہوں۔“

نور الدین چند ثانیوں میں چارہا پھر اپنے ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھاتے ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کمال زندگی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

”اے اللہ! تو ہی جسے چاہے وقار و آزادی اور شرافتِ نسبی عطا کرے اور جسے چاہے اس کے سر سے تاجِ شاہی اتار کر بیڑیاں پہنا دے اور جسے چاہے عقوبت کے سمندر میں ڈال کر رکھ دے۔

خداوند! تو جس کے لیے چاہے حسرتوں کے انبار اور زندگی کی محرومیوں کے ڈھیر لگا دے اور اپنی خصوصی رحمت سے جس کے لیے چاہے قلب کا سکون اور رُوح کی طمانیت مہیا کر دے۔

رب لازوال! تو ہی تنقید و تذلیل اور شکست و ریخت دینے والا ہے اور تو ہی فتح و فوز مندی اور کامیابی و کامرانی عطا کرنے والا ہے۔ میں بھی ایک دریغہ گر اور بھکاری کی حیثیت سے تیرے سامنے دست بدعا ہوں۔ اے میرے اللہ! اس امتحان اس جنگ میں مجھے کامیابی و کامرانی عطا فرما کہ تو ہی ہر چیز کا عطا کرنے والا ہے۔ اپنی دعا ختم کرنے کے بعد نورالدین نے شہر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ اس حملے کی ابتدا شہر کے جنوبی دروازے کی طرف کی گئی تھی۔ پیر محمد کو نورالدین نے اس کے شکر کے ساتھ شہر کے جنوبی دروازے سے ذرا فاصلے پر مستعد کھڑا کر دیا تھا جب کہ خود وہ اپنے اور اللہ داد کے شکر کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہوا تھا۔ جب لکڑی کی دیواریں اور بلند و بالا سیڑھیاں حرکت میں آئیں تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے سمرقند سے باہر آوازوں کا ایک طوفان اور جنگل اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ اس لیے کہ نورالدین کے لشکر کی ان بڑی بڑی دیواروں اور کوہ پیکر سیڑھیوں کو تفصیل کی طرف دھکیلتے ہوئے زور زور سے تکبیریں بلند کرتے جا رہے تھے۔ سیڑھی کے دائیں بائیں ایک ایک دیوار تھی جس کی اوٹ میں سیڑھیوں کو دھکیلنے والے جوان کام کر رہے تھے۔

جس وقت یہ لکڑی کی دیواریں اور سیڑھیاں تفصیل سے نزدیک لائی جا رہی تھیں اس وقت خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد بھی شہر پناہ کے ایک برج میں کھڑے ہوئے تھے اس موقع پر شہزادہ خلیل نے امیر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے امیر شاہ! کیا تم بتا سکو گے کہ لکڑی کی یہ دیواریں اور یہ جو گنبد آگے لائے جا رہے ہیں اس سے کیا کام لیا جائے گا۔

لکڑی کی سیڑھیاں چونکہ ایک بالا خانہ کی سی شکل میں بنائی گئی تھیں لہذا شہزادہ خلیل یہ نہ جان سکا کہ وہ سیڑھیاں ہیں۔ تاہم اس کے استفسار پر امیر شاہ نے بتایا۔ اے آقا! جہاں تک میں سمجھا ہوں ان دیواروں کی اوٹ میں نورالدین حملہ آور ہوگا۔ اور یہ جو بالا خانہ کی صورت میں بلند گنبد آگے بڑھائے جا رہے ہیں۔ میرا اندازہ ہے ان کے ذریعے نورالدین اپنے لشکریوں کو تفصیل کے اوپر پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

اس پر خلیل نے فکر مندی سے پوچھا۔ اے امیر شاہ! تمہارا کیا اندازہ ہے۔
کہ نور الدین ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس پر امیر شاہ نے گردن جھکا کر کچھ سوچا، پھر کہا۔ اے آقا! نور الدین
کے متعلق کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ایک ایسا جرنیل ہے جو ہر ناممکن کو
ممکن بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بہر حال ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ نور الدین کو شہر پناہ سے دودھ ہی
روکیں اور اسے آگے بڑھ کر فصیل پر پڑھنے کا موقع فراہم نہ کریں۔

کہتے کہتے امیر شاہ چونک پڑا اور خلیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے آقا!
ذرا آپ سامنے دیکھیے، نور الدین نے ان سیڑھیوں اور دیواروں کو خوب پھیلا نا
شروع کر دیا ہے۔ میرے خیال میں وہ فصیل کے مختلف حصوں پر حملہ آور ہو کر ہماری
عسکری قوت کو بانٹ دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہذا آئیں ہم تینوں مختلف مقامات
پر کھڑے ہو کر نہ صرف اپنے لشکریوں کی راہنمائی کریں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی
کریں۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اس برج سے نکل کر مختلف اطراف میں پھیلنے
لگے تھے۔



نور الدین نے بھی حملہ آور ہونے کا بہترین طریقہ اپنایا تھا۔ اس نے چار سیڑھیاں
اور بہت سی دیواریں شہر کے جنوبی دروازے کی طرف بڑھائیں تھیں اور ان سیڑھیوں اور
دیواروں کی اوٹ میں اس کا لشکر لگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خود بھی ان ہی دیواروں کی اوٹ
میں شہر کی فصیل کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے علاوہ اس نے دروازے کے دائیں اور بائیں جانب بھی کئی سیڑھیاں
اور دیواریں آگے بڑھائی تھیں۔ ان سیڑھیوں میں نہ تو کوئی لشکر تھا نہ ہی دیواروں کے
پیچھے کچھ تیر انداز ضرور تھے۔

ایسا اس نے اس لیے کیا تھا کہ وہ دشمن کی قوت کو مختلف حصوں میں بانٹ دے

حالانکہ اس نے اپنے لشکر کی ساری ہی قوت کو شہر کے جنوبی حصے پر لگا دیا تھا اور دیگر اطراف سے آگے بڑھنے والی سیرٹھیاں اور دیواریں خالی تھیں۔ صرف اُن کے پیچھے تیر انداز تھے تاکہ وہ نزدیک جا کر تفصیل کے محافظوں پر تیر اندازی کر سکیں۔ انہیں یہ گمان دلا سکیں کہ آگے بڑھنے والی ہر سیرٹھی اور ہر دیوار کے پیچھے نور الدین کا لشکر تفصیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

نور الدین اپنی اس جنگی چال میں پوری طرح کامیاب رہا تھا اور شہزادہ خلیل امیر شاہ اور شیخ محمد بھی اس کے دھوکے اور چال میں پھنس گئے تھے۔ اس لیے کہ جدھر جدھر سے سیرٹھیاں اور دیواریں آگے بڑھ رہی تھیں اُدھر اُدھر انہوں نے اپنے لشکر کو پھیلانا شروع کر دیا تھا۔

جب یہ دیواریں اور سیرٹھیاں شہر پناہ کے نزدیک گئیں تو تفصیل کے اوپر سے ان پر چھوٹی چھوٹی منجنیقوں کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینکا گیا تھا لیکن یہ سیرٹھیاں اور دیواریں آگے بڑھتی رہیں اور کھولتے پانی اور انگاروں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس لیے کہ ان کے سامنے اور اُوپر والے حصے پر مٹی کی خوب موٹی تہ پڑھا کر لپائی کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ آگ لگنے سے محفوظ رہی تھیں۔

پھر جواب میں جب نور الدین نے اپنے لشکریوں کو تیر اندازی کا حکم دیا تو تفصیل کے اوپر کھڑے محافظوں کے لیے آگ کے انگارے اور کھولتا پانی پھینکنا لمحہ بہ لمحہ مشکل ہوتا چلا گیا تھا۔ کیوں کہ تیروں کی بارش میں انہیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا انتہائی مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

شہزادہ خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد اُدھر اُدھر بھاگتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ ابھی تک انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ خود نور الدین کس طرف سے حملہ آور ہو رہا ہے۔

نور الدین کے اس طریقہ جنگ نے ان میں ایک افراتفری اور ہلچل کا عالم

برپا کر دیا تھا۔ اندر جو بیڑھیاں شہر پناہ کے جنوبی دروازے کے قریب فصیل کے ساتھ آکر لگیں ان کے ذریعے نور الدین نے اپنے لشکر کو فصیل پر چڑھنے کا حکم دے دیا تھا اور وہ خود بھی ان چند لشکریوں میں شامل تھا جنہوں نے فصیل پر چڑھنے کی ابتداء کی تھی اور یہ سب دشمن کے تیروں اور اس کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی ڈھالوں کو اپنے سامنے کیے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے جو سمرقند کی شہر پناہ پر نمودار ہوا وہ خود نور الدین تھا اور اس کے پیچھے فصیل پر چڑھنے والوں کی ایک قطار بن گئی تھی۔

امیر شاہ نے بھی نور الدین کو فصیل پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ لہذا اُس نے اپنے لشکر کو اس سمت بڑھایا تھا تاکہ وہاں اپنی قوت میں اضافہ کر کے وہ نور الدین اور اس کے لشکریوں کو نیچے دھکیل دینے میں کامیاب ہو جائے جب کہ شہزادہ خلیل اور شیخ محمد دوسری طرف مصروف کار تھے۔

فصیل پر اترتے ہی نور الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ اراووں کو سلب کر لینے والی سحر آفرین قوت کی طرح شہر پناہ کے محافظوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

امیر شاہ پیچھے رہ کر اور بلند آوازوں میں شہر کرتے ہوئے اپنے محافظوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا لیکن اس کی ہر آواز اس کی ہر صدا کا رد ثابت ہو رہی تھی۔ اس لیے کہ نور الدین خود اپنے لشکر کی اگلی صفوں کے سپاہی کی حیثیت سے اس حملے میں شامل تھا اور وہ اپنے سامنے آنے والے ہر محافظ کے جسم کو تخت و تہت اور روح کو ریزہ ریزہ کرتا ہوا ان پر زوال و فنا کی کیفیت طاری کرتا جا رہا تھا۔

نور الدین کے حملوں سے ایسا لگتا تھا کہ شہر پناہ کی فصیل پر وہ ایک دیدہ دہن وحشی اور دکھوں کا آسیب بن کر اپنی پوری زندگی اور سفاکی پر اتر آیا ہو۔ اُس کی شمشیر جگہ دار دست اجل کی طرح چاروں طرف غم اور دکھ کی یلغار کرنے لگی تھی۔ شہر پناہ کے محافظوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ نور الدین کے اس حملے کو ناکام بنا دیں لیکن ہر لمحہ نور الدین کی قوت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے کہ جو

چار بڑی بڑی سیڑھیاں شہر کے جنوبی دروازے کے قریب فصیل کے ساتھ آگئی تھیں۔ ان کے ذریعے سے اس کے لشکر بڑی تیزی کے ساتھ فصیل پر چڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اور جب نور الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فصیل کے جنوبی حصے پر قبضہ کر کے شہزادہ کے محافظوں کو بچھے دھکیل دیا تو پھر فصیل کے اوپر سے چونکہ آگ کے انگارے اور کھولتا پانی پھینکنے کا عمل بند ہو گیا تھا۔ لہذا نور الدین کے لشکریوں کے اوپر آنے کی رفتار پہلے کی نسبت بہت زیادہ تیز ہوتی چلی گئی تھی۔

اب نور الدین نے فصیل پر آنے والے اپنے لشکریوں کو دو حصوں میں بانٹنے کے عمل میں ڈال دیا تھا فصیل پر چڑھتے کچھ سپاہی نور الدین کی طرف چلے جاتے اور کچھ اللہ داد کی طرف بھاگتے چلے جا رہے تھے۔

یوں نور الدین دائیں طرف فصیل پر آگے بڑھنا شروع ہوا جب کہ اللہ داد نے بائیں طرف یغناہ کرنی شروع کر دی تھی۔ یوں وہ دونوں پیاس کے صحرا اور وقت کے لمحوں کے تقاضے کی طرح آگے بڑھتے ہوئے اور شہزادہ خلیل کے محافظوں کا صفایا کرتے ہوئے فصیل کے زیادہ سے زیادہ حصے پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اور شیخ محمد کو جب خبر ہوئی کہ شہر کے جنوبی دروازے کی سمت سے نور الدین اپنے لشکریوں کے ساتھ فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور امیر شاہ اُسے آگے بڑھنے سے روکنے میں مکمل طور پر ناکام ہوا ہے تب ان دونوں نے بھی اپنے ماتحت کام کرنے والے محافظوں کا رخ فصیل کے جنوبی دروازے کی طرف کر دیا تھا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اس لیے کہ نور الدین اور اللہ داد کے لشکریوں کا ایک بڑا حصہ فصیل پر چڑھ چکا تھا اور اللہ داد اور نور الدین دو مختلف سمتوں میں شعاعوں کے آشکار کی طرح آگے بڑھتے ہوئے فصیل کے محافظوں کو غم کے حصار میں ڈبو تے چلے جا رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اس سمت آیا جس طرف سے نور الدین آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس نے دیکھا نور الدین حملہ آور ہوتے ہوئے یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے اس نے آنکھیاں

اڑھلی ہوں اور سنگِ دلِ وقت کی نفرت کو اپنا کر وہ تشنگی کے سراب اور قاتل لہروں کی طرح آگے بڑھنے کی قسم کھا چکا ہو۔

شہرِ پناہ کے محافظوں پر وہ پُرا سرار بیت کے بدترین سفرِ گرد آلود طوفانِ اوڑھنا فی شوریدہ ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے اُن پر بے چین خیالوں کی تھکن اور یاسیت و نا آسودگی طاری کرتا جا رہا تھا۔ شہرِ پناہ کے محافظ اب نور الدین اوڑھنا کے لشکریوں سے انتہائی نفرت زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان کا سامنا کرنے کے بجائے پیچھے ہٹنے کو ترجیح دے رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اور امیر شاہ نے جب یہ سماں دیکھا تو وہ فوراً بھاگتے ہوئے فصیل سے نیچے اتر گئے۔ ان کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ وہ دونوں فصیل سے نیچے بھاگ رہے ہیں تو انہیں بھی خطرہ محسوس ہوا۔ لہذا وہ بھی اپنی جانیں بچانے کی خاطر فصیل سے نیچے اُترنا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح نور الدین نے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک عام یلغار کا حکم دے دیا تھا۔

دوسری طرف جب شیخ محمد کے تحت کام کرنے والے اور اللہ داد کی یلغار کو روکنے والے لشکریوں نے دیکھا کہ شہزادہ خلیل اور امیر شاہ کے لشکری فصیل سے نیچے اُترنا شروع ہو گئے ہیں تو انہوں نے بھی اللہ داد کا سامنا ترک کر دیا۔ وہ بھی اپنی جانیں بچانے کی خاطر فصیل سے نیچے بھاگنا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر بعد نور الدین اور اللہ داد نے شہر کی فصیل پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا تھا۔

فصیل پر اپنا مکمل قبضہ کرنے کے بعد نور الدین نے اپنے لشکریوں کو نیچے اُتر کر شہر میں داخل ہونے میں سختی سکے ساتھ منع کر دیا تھا۔ خود وہ شہر کے جنوبی دروازے کے اوپر جو برج بنا ہوا تھا اس میں آیا اور اللہ داد کو بھی اس نے وہاں طلب کر لیا۔ جب اللہ داد نور الدین کے سامنے آیا تو اس نے شکوہ کرنے کے انداز میں نور الدین سے پوچھا۔ اے امیر! آپ نے اپنے لشکریوں کو فصیل سے اُتر کر شہر میں داخل ہونے کیوں روک دیا ہے۔ حالانکہ جس وقت فصیل کے محافظ نیچے اُتر رہے تھے اُس وقت

اُن کے اندر ایک پچل مچی ہوئی تھی اُس وقت اگر ہم اُن کا تعاقب کرتے ہوئے فصیل سے اُتر کر شہر میں داخل ہوتے تو ہم چند ساعتوں کے اندر اندر شہر پر اپنا قبضہ مکمل کر سکتے تھے۔

نور الدین مسکرایا، اللہ داد کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر بڑی نرمی اور شفقت میں اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا: "اے اللہ داد! یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ہم چند ساعتوں کے اندر شہر پر قبضہ کر سکتے تھے۔ شاید تم نے غور نہیں کیا فصیل کے نیچے شہزادہ خلیل امیر شاہ اور شیخ محمد نے جگہ جگہ گڑھے کھود رکھے ہیں اور ان گڑھوں کے آگے انہوں نے دھمے بنا رکھے ہیں اور ان گڑھوں کے اندر اپنے بہترین تیر انداز بٹھائے ہوئے ہیں اگر ہم اس وقت فصیل سے نیچے اُتر کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر انداز ہمیں چھید کر رکھ دیتے اور ہماری اس فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتے۔ اے اللہ داد! شاید تم نے ان گڑھوں کو نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا ہوتا تو پھر ایسی گفتگو نہ کرتے۔

نور الدین کے اس انکشاف پر اللہ داد نے غور سے نیچے دیکھا۔ تب اُس نے جائزہ لیا کہ واقعی نیچے جگہ جگہ گڑھوں کے اندر تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اُن کے سامنے بلند دھمے کھڑے کر دیئے گئے تھے اور گڑھوں میں بیٹھے ہوئے ان محافظوں پر اگر فصیل کے اوپر سے حیر اندازی بھی کی جائے تو تیران پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔

اللہ داد نے توصیفی انداز میں نور الدین کی طرف دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا: "اے امیر! میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں آپ کا فیصلہ یقیناً بہترین فیصلہ ہے۔ میں شہر کے اندر اور فصیل کے ساتھ گڑھے اور اُن کے سامنے بنائے دھمے کو دیکھ چکا ہوں۔ اب آپ بتائیے شہر میں داخل ہونے کے لیے ہمیں کیا طریقہ کار اپنانا چاہیے۔

اللہ داد کے اس سوال پر نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے کہا: "اے اللہ داد پہلے یہ کام کرو کہ فصیل کے سارے برجوں کے اندر اپنے محافظ مقرر کرو جو کہ بہترین

تیر انداز ہوں اور دوسرا کام نہ کرو کہ فصیل کے اوپر جو چھوٹی چھوٹی منجھنقیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کا رخ شہر کے اندر کی طرف پھیر دو۔ انہی منجھنقیوں کی مدد سے جو فصیل پر آگ کے انکارے اور کھولتا ہوا پانی پڑا ہوا ہے وہی آگ کے انکارے اور کھولتا ہوا پانی ہم شہر کے اندر گڑھوں کے اندر بیٹھے ہوئے تیر اندازوں پر پھینکیں گے۔ اس طرح وہ اپنے گڑھوں سے نکل بھاگیں گے اور جب ایسا ہو گا تو ہم صرف شہر کے جنوبی دروازے سے حملہ آور ہو کر نیچے اترنے کی کوشش کریں۔ ہمارا باقی سارا لشکر فصیل کے اوپر اپنے اپنے برجوں کے اندر رہے گا۔ تم خود بھی فصیل کے اوپر ہی ٹھہرے رہو گے۔ میں خود اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں اُتوں گا اور سامنے آنے والے محافظوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے میں شہر پناہ کا جنوبی دروازہ کھولنے کی کوشش کروں گا اور جب میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پیر محمد بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا تو اے اللہ داد تم دیکھو گے سمرقند شہر اور اس کے محافظ کھلتے طور پر ہمارے دھم دکر پر رہ جائیں گے۔

اللہ داد نور الدین کی اس تدبیر پر ایسا خوش ہوا کہ آگے بڑھ کر وہ نور الدین سے بغل گیر ہو گیا۔ پھر اس نے نور الدین کے آہنی خود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! جس لشکر کے آپ سالار ہوں بخدا وہ دشمن کے مقابلے میں اپنی کامیابی اور کامرانی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ آئیے اپنے اس منصوبے کی ابتدا کریں۔"

اس کے ساتھ ہی نور الدین اور اللہ داد دونوں حرکت میں آئے۔ فصیل پر اب چونکہ ان دونوں کے سارے لشکر ہی چڑھ آئے تھے لہذا انہوں نے فصیل کے سارے برجوں کے اندر محافظ مقرر کر دیئے۔ تاہم نور الدین نے اپنے لشکر کا بڑا حصہ شہر کے جنوبی دروازے کی فصیل کے آس پاس جمع کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ فصیل کے اوپر رکھی ہوئی منجھنقیوں کا رخ پھیر کر شہر کی طرف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد نور الدین اس برج پر آکھڑا ہوا جو مر کے جنوبی دروازے کے اوپر تھا اور جس کے ارد گرد اس کے لشکر ہی پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نور الدین

نے اللہ داد کو شہر کے اندر گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر اندازوں پر آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینکنے کا حکم دیا اور جوں ہی منجنیقیں حرکت میں آئیں اور ان کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی شہر کے اندر پھینکا گیا تو گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر انداز جیتے چلتے ہوئے گڑھوں سے نکل کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے برجوں کے اندر بیٹھے ہوئے اپنے محافظوں کو ان پر تیر اندازی کرنے کا بھی حکم دے دیا تھا۔

جس وقت خلیل امیر شاہ شیخ محمد کے لشکر کی گڑھوں سے نکل کر جیتے چلا ہوئے شہر کے اندر وئی حصے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اسی لمحہ وقت کی آندھیوں کے بدترین سیلاب، تند عناصر کی یلغار، مہیب رات کے آغاز کی طرح نور الدین حرکت میں آیا۔ اور اپنے لشکر کے ساتھ نیچے اترتے ہوئے اس نے سمرقند شہر کے جنوبی دروازے کے محافظوں اور ان کے سامنے پھیلے ہوئے خلیل کے لشکریوں پر حملہ کر دیا تھا۔ نور الدین کے حملوں میں اُجالوں کی سی تازگی، عمیق رازوں کی سی ترجمانی تھی، اور اس نے جنوبی دروازے کے محافظوں پر منفی خیالات اور بھر کی سیاہ رات کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے ان کے حصموں سے زندگی کا لہو نچوڑ لیا تھا اور ان کی حالت منقطع خوابوں اور زنگ آلود آئینے جیسی کر کے رکھ دی تھی۔ جنوبی دروازے کے محافظوں اور اس کے سامنے پھیلے ہوئے شہزادہ خلیل کے لشکریوں کا مکمل طود پر صفایا کرنے کے بعد نور الدین نے آگے بڑھ کر شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

اور اس کے ساتھ ہی پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ تشنگی کے سراپ کی طرح سمرقند شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شہر کے جنوبی دروازے کے پاس کھڑے ہو کر اور بلند آوازیں اللہ داد کو مخاطب کرتے ہوئے نور الدین نے اسے حکم دے دیا کہ وہ اپنے لشکر کے چاتھہ تفصیل کے اوپر ہی رہے اور سارے برجوں پر اپنے لشکریوں کو پھیلا دے۔

پس نور الدین کے اس حکم پر اللہ داد حرکت میں آیا اور پوری تفصیل کے اوپر

اُس نے اپنے محافظ بٹھا دیئے تھے۔ جب کہ خود نور الدین اور پیر محمد نے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ شہر کے اندر شہزادہ خلیل کے لشکر کے ساتھ جنگ شروع کر دی تھی۔

اہل سمرقند کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین اور پیر محمد اپنے لشکریوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو ان پر شہزادہ خلیل نے دولت اور بے راہ روی کا جو عارضی خول اور نشہ چڑھا رکھا تھا وہ فوراً ہی اُتر گیا اور سمرقند کے لوگ علی الاعلان شہزادہ خلیل کے خلاف آوازیں بلند کرنے کے علاوہ نعرے بھی لگانے لگے تھے خلیل کے لشکریوں نے جب شہر کے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔

لہذا اُن میں سے اکثریت نے نور الدین اور پیر محمد کے خلاف جنگ کرنا ترک کر دی وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے تھے اور جن لشکریوں نے خلیل کے حق میں لڑنے کا فیصلہ کیا تھا انہیں نور الدین اور پیر محمد نے صرت لمحوں کے اندر کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اور یوں شہر پر نور الدین اور پیر محمد کا مکمل طوق پر قبضہ ہو گیا تھا شہزادہ خلیل اور اس کی بیوی شادی ملک شہزادہ خلیل کی ماں خانزادہ، امیر شاہ اور شیخ محمد کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

جس وقت گرفتار ہونے والے ان سب لوگوں کو نور الدین اور پیر محمد کے سامنے پیش کیا گیا تو نور الدین نے پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے پیر محمد! امیر تیمور نے مرتے وقت تمہیں ہی اپنا جانشین مقرر کیا تھا لہذا یہ لوگ جنہوں نے امیر تیمور کے حکم کے خلاف بغاوت کی ہے یہ اس وقت اسیر ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ لہذا اے پیر محمد! ان کا فیصلہ تم ہی کرو۔"

پیر محمد نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا پھر اس نے بڑی عاجزی اور انکساری میں کہا۔ "اے امیر نور الدین! میں تو پہلے ہی اس جانشینی سے آپ کے حق میں دست بردار ہو چکا ہوں۔ لہذا خلیل، اس کی ماں خانزادہ، اس کی بیوی شادی ملک اور اس کے جرنیل امیر شاہ اور شیخ محمد کا فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہو گا۔"

نورالدین شہزادہ خلیل اور اُس کے ساتھیوں سے متعلق کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سمرقند شہر کا داروغہ زنداں بھاگتا ہوا وہاں آیا اور نورالدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "اے امیر نورالدین! میں آپ کو شہزادہ خلیل کے خلاف اس فتنے پر مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ ہی میں آپ کے سامنے اس خلیل کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش کرتا ہوں۔"

اے امیر! جب اس خلیل نے امیر تیمور کی موت کے بعد اُس کے احکامات سے لوگوں کو دانی اور سرکشی کرتے ہوئے بغاوت کا راستہ اختیار کیا اور از خود سمرقند کا حکمران ہونے کا اعلان کر دیا تب سمرقند کے قاضی، چند علماء اور کچھ فقہاء نے مل کر یہ فیصلہ دیا اور فتویٰ جاری کیا کہ خلیل سمرقند کا حکمران نہیں ہو سکتا ہے جب کہ اپنی موت سے پہلے امیر تیمور نے پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

اس پر یہ خلیل غضب ناک ہوا اور اس نے سمرقند کے قاضی کے علاوہ ان تمام علماء فقہاء کو زندان میں بند کر دیا جنہوں نے اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا تھا اور ان علماء میں شاہی طبیب مولائے تبریز بھی شامل ہیں۔

اے امیر نورالدین! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سب کو عورت و احترام کے ساتھ زنداں سے نکال کر یہاں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔

داروغہ زندان کی یہ گفتگو سن کر نورالدین اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اُسے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے کہا: "تم میرے ساتھ زندان کی طرف چلو، میں خود ان سب کو عزت و احترام کے ساتھ زنداں سے نکال کر یہاں لاؤں گا۔ اور شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ان سے مشورہ بھی کر دوں گا۔"

پھر نورالدین نے پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے پیر محمد! میں ان سب معزز قیدیوں کو نکال کر تھوڑی دیر تک یہیں لاتا ہوں۔ اس کے بعد سب مل کر ان اسیروں کا فیصلہ کرتے ہیں" پھر نورالدین بڑی تیزی کے ساتھ داروغہ زندان کے

ساتھ ہو لیا تھا۔

زندان میں پہنچ کر نور الدین کے حکم پر زندان کے داروغہ نے اُس کو ٹھہری کا دروازہ کھولا جس کے اندر سمرقند کے قاضی اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام اور فقہاء عظام بند تھے۔

جب دروازہ کھولا تو نور الدین اندر داخل ہوا اور ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اے قوم کے محترم فرزندو! میں نور الدین بن عماد الدین تم سب کی رہائی کا حکم جاری کرتا ہوں اور میں تم سب کو یہ خوش خبری بھی سنا تا ہوں کہ سمرقند کو میں اور پیر محمد نے فتح کر لیا ہے اور شہزادہ خلیل اس وقت اپنے حواریوں کے ساتھ ایک قیدی کی حیثیت سے ہماری گرفت میں ہے۔ لہذا آپ سب لوگ میرے ساتھ آئیے کہ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد شہزادہ خلیل کی قسمت کا فیصلہ کیا جاسکے۔“

نور الدین کے انکشاف پر ان سارے معزز قیدیوں نے اسے سمرقند کی فتح پر مبارک باد دی۔ پھر وہ سب نور الدین کے ساتھ ہو لیے تھے۔

زندان سے واپس جاتے ہوئے اچانک نور الدین نے لوگوں کو شور کرتے اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ امیر تیمور کا بیٹا شاہ رخ بھی خراسان سے اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا ہے۔

اس پر نور الدین اور زیادہ تیزی سے اس سمت بڑھا جہاں وہ پیر محمد کے سامنے شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کو کھڑا کر کے آیا تھا۔ وہاں پیر محمد کے قاضی، دیگر سارے علماء کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ بٹھایا پھر پیر محمد نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! ایسا لگتا ہے جیسے میرا چچا شاہ رخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ باہر سے آنے والے کچھ لوگ یہ آوازیں بلند کر رہے تھے،“

کہ شاہ رُخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ نراسان سے پہنچ گیا ہے۔

اس پر پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے نور الدین نے کہا۔ "اے پیر محمد! تم یہیں بیٹھو میں شہر سے باہر نکل کر شاہ رخ کا استقبال کرتا ہوں اور اسے یہاں لاتا ہوں تاکہ اب وہ شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کا فیصلہ خود ہی کرے۔"

نور الدین وہاں سے جانے ہی والا تھا کہ سامنے سے شاہ رخ اور اس کا بیٹا افغ بیگ اپنے گھوڑوں پر سوار آتے دکھائی دیئے۔ نور الدین اور پیر محمد دونوں نے اُٹھ کر ان کا استقبال کیا اور وہ دونوں باپ بیٹا بھی اپنے گھوڑوں سے اتر کر باری باری نور الدین اور پیر محمد سے بغل گیر ہوئے تھے۔

پھر شاہ رخ اور اس کا بیٹا افغ بیگ بھی آگے بڑھ کر نور الدین اور پیر محمد کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے تھے۔

نور الدین نے شاہ رخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! اے شاہ رخ! گوامیر تیمور نے اپنی موت سے پہلے پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن خلیل سے شکست کھانے کے بعد پیر محمد اس جانشینی سے دست بردار ہو چکا ہے۔ اب آپ ہی سمرقند اور اس عظیم سلطنت کے حکمران ہیں۔ لہذا یہ جو قیدی آپ کے سامنے کھڑے ہیں ان کی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کریں۔

شاہ رخ نے ایک بار غور سے خلیل کی طرف دیکھا اور اس نے محسوس کیا کہ خلیل زلمے کی دھول میں دفن رازوں کی طرح ویران اور ٹوٹے دل کی طرح غمگین تھا۔ پھر شاہ رخ نے نور الدین کو مخاطب کیا۔ اُس کے لہجے میں متانت اور دھیما پن تھا۔

"اے نور الدین! مجھے سارے حالات کی خبر ہو چکی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پیر محمد تمہارے حق میں دست بردار ہو چکا ہے اور تم نے سارے لوگوں کے سامنے میرے حق میں دست بردار ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

اے نور الدین! یہ تمہاری شرافت اور نجابت ہے کہ تم ایسا معاملہ کر رہے

ہو کہ پیر محمد کے بعد تم خود مجھے اس جانشینی کی پیش کش کر رہے ہو۔ حالانکہ اگر تم بھی خلیل جیسی گندی فطرت رکھتے تو تم خود بھی تو سمرقند کا حکمران ہونے کا اعلان کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے اسے نور الدین تم نے اپنی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے عظیم احسان رکھا ہے۔

اے نور الدین! چونکہ شہزادہ خلیل کو تم نے شکست دی ہے اور سمرقند کو تم نے ہی اس زہریلے سانپ سے نجات دی ہے۔ لہذا اس وقت جو قیدی تمہارے سامنے کھڑے ہیں ان کا فیصلہ بھی تم ہی کر دو گے۔

نور الدین سنبھلا پھر اس نے سمرقند کے قاضی اور دیگر علماء کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ اے عالم اسلام کے عظیم فرزندو! کیا تم سب مجھے ان قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی اجازت دیتے ہو۔

اس پر سمرقند کے قاضی اور دیگر علماء بولے۔ اے امیر نور الدین! آپ اہل قابل ہیں کہ آپ ان قیدیوں کا فیصلہ کریں۔ بخدا! ہم سب آپ کے اس فیصلے کا احترام کریں گے۔

سمرقند کے قاضی اور علماء جب خاموش ہوئے تو شہزادہ خلیل نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک بار زمین پر تھوکا پھر اس نے نور الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے اس غلام کا جاری کیا ہوا فیصلہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

خلیل کے یہ الفاظ سن کر شاہ رُخ زخمی سانپ کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت بے مروت برف کے طوفانوں جیسی بھیانک اور نفرتوں کی اداس رُت جیسی بوٹناک ہو گئی تھی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اپنے اُلٹے ہاتھ کا ایک ایسا زوردار طمانچہ اُس نے شہزادہ خلیل کے منہ پر دے مارا کہ خلیل لڑھکتا ہوا زمین پر گر گیا۔ خلیل جب دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تو شاہ رُخ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے

کہا۔ اے سانپ کی اولاد! تو یہ کیوں بھول گیا کہ تو ایک قیدی کی حیثیت سے یہاں کھڑا ہے جب کہ امیر نور الدین ایک فاتح کی حیثیت سے سمرقند شہر میں داخل ہوئے

ہیں تو نے یہ بات بھی ذہن میں کیوں نہ رکھی کہ پیر محمد نور الدین کے حق میں دست بردار ہو چکا ہے۔ گو نور الدین میرے حق میں بھی دست بردار ہو چکا ہے لیکن چونکہ میں نے بھی حکومت کا نظم و نسق نہیں سنبھالا، اس لیے نور الدین ہی اس وقت حقیقی طوط پر سمرقند کا حکمران ہے۔

اے خلیل! اب تمہاری قسمت کا فیصلہ نور الدین ہی کرے گا۔ تاکہ تمہیں احساس ہو کہ جس شخص کو تم غلام کہہ کر پکار رہے ہو اس کے جاری کیے ہوئے فیصلے کس قدر وقعت اور اہمیت رکھتے ہیں۔

پھر شاہ رخ نور الدین کی طرف مڑا اور کسی قدر خوشگوار لہجے میں اس نے کہا۔
”اے نور الدین! میں آپ سے التماس کروں گا کہ ان سب کی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کریں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے جرم ہر ایک کے گناہ سے آپ خود ہی واقف ہیں۔“

نور الدین سنبھلا پھر فیصلہ کن انداز میں اس نے ان سب امیروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب جب کہ شاہ رخ مجھے تم سب کے لیے منصف مقرر کر چکا ہے تو پھر اس وقت کے بدترین امیرو! مجھ سے اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ سنو!“
نور الدین تھوڑی دیر کا پھر دوبارہ بولتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ خلیل کی ماں خانزادہ ہے اس کی سزایہ ہے کہ اسے رہا کیا جائے اور اپنی باقی ماندہ زندگی یہ حرم میں امیر تیمور کی بیوہ اور شاہ رخ کی ماں ملکہ سرائے خاتم کی خدمت اور دیکھ بھال میں گزار دے اور یہ جو خلیل کی بیوی شاری ملک ہے جو اس ساری بفاؤ اور سرکشی کی سرغنہ ہے اس کی سزایہ ہے کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور کسی لاغر گدھے پر بٹھا کر اسے سمرقند شہر کے اندر گھمایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو احساس اور عبرت ہو کہ جو کام شاری ملک نے کیے اُن کاموں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور یوں اسے سارے شہر میں گھمانے کے بعد شہر بدر کر دیا جائے اور آئندہ کے لیے یہ سمرقند میں نہ رہ سکے۔“
نور الدین پھر اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھا۔

پھر اس نے خلیل کی طرف اشارہ کیا اور پہلے کی نسبت ذرا بلند آواز میں اس نے کہا یہ جو خلیل ہے جو کبھی شہزادہ خلیل کہہ کر پکارا جاتا تھا اس پر امیر تیمور اور شاہ رخ دونوں ہی کے بڑے احسانات تھے۔ اسے خبر تھی کہ امیر تیمور نے اپنی موت سے پہلے پیر محمد کو جاننشین مقرر کیا ہے اس کے باوجود شیخ نے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند میں داخل ہوا اور حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس شخص نے شہر کے اندر بے حیائی اور عیاشی کے فروغ کا کام کیا اور شراب نوشی کی لعنت کو اس نے عام کیا۔

ایسے مجرم کی سزا یہ ہے کہ اسے قید خانے میں ڈال دیا جائے کہ یہ اپنی باقی ماندہ زندگی ایک اسیر اور قیدی کی حیثیت سے زنداں میں گزار دے۔ اس لیے کہ بدی اور گناہ اس کے شعور، اس کے نہاں خانوں میں سرایت کر چکے ہیں اور اگر اسے رہا کیا گیا تو یہ آئندہ بھی بدی کی راہ اختیار کرتے ہوئے شاہ رخ اور اس کی اولاد کے لیے مسائل اور مصائب کھڑے کرتا رہے گا۔ لہذا اس کی سزا یہی ہے کہ یہ اپنی ساری زندگی قید خانے میں گزارے اور وہیں اپنی موت کے لمحوں کا انتظار کرے۔

نور الدین نے کتنے کتنے ذرا دم لیا پھر وہ دوبارہ بولا جہاں تک امیر شاہ اور شیخ محمد کا معاملہ ہے یہ وہ جرنیل ہیں جنہوں نے امیر تیمور کے ساتھ مختلف جنگوں میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور عمدہ کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ گو وقتی طور پر یہ شہزادہ خلیل کے لوبھ اور لالچ میں آکر اس کے ساتھ ہو لیے تھے تاہم اگر یہ یہاں کھڑے کھڑے وعدہ کریں کہ یہ اپنی باقی زندگی ایسے ہی شاہ رخ کے مطیع اور فرماں بردار بن کر رہیں گے جس طرح یہ ماضی میں امیر تیمور کے ساتھ رہتے رہے ہیں تو ان دونوں کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس پر امیر شاہ اور شیخ محمد نے کنکھیلوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھ کر نور الدین کے پاؤں پر گر پڑے۔

امیر شاہ نے نور الدین کے دونوں پاؤں کپڑ کر کہا: اے امیر! قسم خداوند کی اس خلیل نے لو بھ اور لالچ کے ذریعے ہمیں گمراہ کر دیا تھا۔ ہم دونوں اپنی غلطیوں کی

معافی مانگتے ہیں اور آئندہ کے لیے ایسی ہی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں جیسے ہم نے امیر تیمور کے ساتھ بسر کی تھی۔

نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں اٹھ کر اپنی جگہوں پر کھڑے ہو جاؤ تم دونوں کو معاف کیا جاتا ہے۔“

جب نور الدین یہ فیصلہ دے چکا تب شاہ رخ نے حکمانہ انداز میں وہاں کھڑے داروغہ زندان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ان سب کو یہاں سے لے جاؤ اور امیر نور الدین نے جو جو سزا ان کے لیے تجویز کی ہے اس پر عمل درآمد کراؤ۔“

اس پر امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ باقی کو زنداں کا داروغہ اپنے ساتھ لے گیا۔ خلیل کو قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ اُس کی ماں خاں زادہ کو نرم میں ملکہ سراے خانم کی خدمت میں مامور کیا گیا جب کہ شاری ملک کا منہ کالا کرنے کے بعد پہلے اُسے سمرقند کے شہر میں گھمایا گیا۔ اُس کے بعد اُسے شہر بدر کر دیا گیا تھا۔

جب یہ سارے معاملات طے ہو چکے تو نور الدین نے شاہ رخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے شاہ رخ! اب جب کہ آپ اور آپ کا بیٹا الف بیک یہاں پہنچ چکے ہیں تو آپ اب پیر محمد کے ساتھ مل کر سلطنت کا کاروبار سنبھالیں۔ میں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ آج ہی یہاں سے شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا اور اپنی باقی ماندہ زندگی وہاں کسی شہر یا قلعہ میں گننامی میں گزار دوں گا۔“

شاہ رخ نے شکوہوں سے بھری آواز میں کہا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے“

نور الدین! کہ تم ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ۔ بخدا! ہم اپنی آئندہ زندگی میں تو قدم قدم پر تمہاری ضرورت محسوس کریں گے اور یہ جو تم اپنی بیوی کا فوک کر رہے ہو تو اُس سے تو تم نے ہمیں کبھی آگاہ ہی نہیں کیا اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کون ہے اور کس کی بیٹی ہے اور کب تم نے اس سے شادی کر لی تھی۔

اس پر نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میری بیوی ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کا نام عماد الدین ہے اور وہ

دونوں ماں بیٹا اس وقت دریا ئے سیر کے کنارے ارگوت نام کی ایک بستی کی سر آئے
میں ٹھہرے ہوئے ہیں امد میں انہیں آج ہی وہاں سے لے کر شمال کی طرف روانہ
ہو جاؤں گا۔

اے شاہ رُخ ! میری تم سے گزارش ہے کہ مجھے روکنے کی کوشش نہ کرنا۔
اس لیے کہ میں شمال کی طرف نکل جانے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں اور اس میں میں کسی قسم
کی تبدیلی پسند نہ کروں گا۔ ہاں جب کبھی بھی اے شاہ رُخ ! تم پر کوئی ایسا وقت آیا
کہ تم نے میری ضرورت محسوس کی تو تم دیکھو گے کہ میں ہر ایسے موقع پر تمہارے پاس
پہنچ جایا کروں گا۔

شاہ رُخ نے اس بار کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ اے نور الدین ! اگر یہ بات
ہے تو میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی تم سے یہ بھی کہوں گا کہ اپنی
سلطنت کے شمالی حصّوں میں جو بھی شہر ہیں ان میں سے جس میں تم چاہو آباد ہو جاؤ
اور جس قلعے اور شہر کو تم پسند کرو گے میں اس کا تمہیں حاکم مقرر کر دوں گا لیکن اے
نور الدین ! یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے تم نے انجیلینا کے متعلق تو کوئی فیصلہ کیا
ہی نہیں کیا تم اس کے ساتھ شادی نہ کرو گے۔ جب کہ تم جانتے ہو کہ اس نے عہد
کر رکھا ہے کہ وہ اگر شادی کرے گی تو تم سے در نہ اپنی باقی ماندہ زندگی وہ تمہارے ساتھ
ایک لونڈی اور خادمہ کی حیثیت سے گزار دے گی۔

اس پر نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے کہا۔ اے شاہ رُخ ! انجیلینا کی
قسمت کا فیصلہ کرنا میری بیوی اربہ کا کام ہے۔ میں انجیلینا کو یہاں سے لے جا کر اس
کے سامنے پیش کر دوں گا۔ پھر جو بھی وہ فیصلہ انجیلینا کے متعلق کرے گی وہی مجھے قابل
قبول ہوگا۔

اس پر شاہ رُخ نے پوچھا۔ پر اس وقت انجیلینا کہاں ہے۔
نور الدین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ انجیلینا اس وقت شہر سے باہر میرے
شکر کے پڑاؤ میں ہے۔

شاہ رُخ نے فوراً اپنے سامنے کھڑے ہوئے سپاہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم فوراً جاؤ اور اینجیلینا کو یہاں بلا کر لاؤ اور اُسے کہنا کہ تمہیں تمہارا بھائی شاہ رُخ طلب کرتا ہے اور یہ کہ چونکہ امیر نور الدین یہاں سے کوچ کر رہے ہیں لہذا وہ بھی یہاں آئے تاکہ ہماری موجودگی میں وہ امیر نور الدین کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ سپاہی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے وہ چلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اینجیلینا اپنے گھوڑے پر سوار وہاں نمودار ہوئی۔ اُسے دیکھتے ہی شاہ رُخ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ نور الدین بھی اپنی جگہ سے اُٹھ چکا تھا۔

پھر شاہ رُخ نے اینجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اینجیلینا! اے میری بہن! تمہیں اس لیے یہاں بلایا گیا ہے کہ امیر نور الدین یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم میری موجودگی میں ان کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو۔

اس کے بعد نور الدین، شاہ رُخ پھر پیر محمد اور الف بیگ سے گلے ملا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں سے اس نے مصافحہ کیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، سب پر الوداعی نگاہ ڈالی اور پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہانک دیا تھا۔ اینجیلینا بھی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

تھوڑا سا آگے جا کر اینجیلینا اپنے گھوڑے کو نور الدین کے برابر لائی۔ پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے پوچھا: اے امیر! کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اریہ اور عماد الدین کا پتہ کرتے چلیں۔ کیا معلوم ایلان اب تک اُن دونوں کو یہاں سے نہ نکال سکا ہو۔ نور الدین نے شاید اینجیلینا کی اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ کیوں کہ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا: تم ٹھیک کہتی ہو اینجیلینا! آؤ پہلے ان دونوں کا پتہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑتے ہوئے تیزی سے ہانک دیا تھا۔

کے بازار میں نور الدین نے اپنے گھوڑے کو ایک مکان کے سامنے روک

لیا۔ اینجلینا بھی وہاں ٹک گئی پھر نور الدین نے اپنے سامنے ایک مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”اے اینجلینا! تم دیکھتی ہو، اس مکان کو باہر سے قفل لگا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ ایلاق، اریہ اور عماد الدین کو یہاں سے نکال کر لے جا چکا ہے۔“

اینجلینا جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ ساتھ والے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک خاتون نے باہر دیکھتے ہوئے نور الدین کو سلام کہا۔ قبل اس کے کہ نور الدین کچھ کہتا، اُس عورت نے خود ہی نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا۔

”اے امیر! اریہ اور عماد الدین کو تو ایلاق کل کا یہاں سے لے جا چکا ہے آپ اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔ اندر آ کر بیٹھیں کہ میں آپ کے ساتھ اینجلینا کی بھی خدمت کروں۔“

اس پر نور الدین نے اس خاتون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ”میں ضرور بیٹھتا ہوں۔“

پھر اس نے اس لیے کہ میں ایلاق ہی کی طرف جا رہا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اس خاتون کو سلام کیا اور اپنے گھوڑے کو اُس نے ہانک دیا تھا۔ اینجلینا بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

آخر نور الدین اور اینجلینا دریائے سیر کے کنارے ارگوت نام کی بستی میں ایلاق کی سرائے میں داخل ہوئے اور جب وہ دونوں سرائے کی پشت میں ایلاق کے سکونتی مکان کے سامنے آئے تو جوں ہی اینجلینا نور الدین کے ساتھ اپنے گھوڑے سے اُتری، حویلی کے اندر سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی نکلی اور بڑے پُر جوش انداز میں وہ اینجلینا سے پلٹ گئی تھی۔

اینجلینا کچھ پریشان سی ہو گئی تھی کیوں کہ اس نے اس سے پہلے اس لڑکی کو نہ دیکھ رکھا تھا۔ اور نہ ہی اس سے قبل ایلاق کے زنان خانے میں اُس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ پھر اینجلینا نے یہ بھی دیکھا کہ وہ لڑکی رات میں پوشیدہ چاندنی جیسی حسین

اور کبروں کی آبشار جیسی خوب صورت تھی ۔

اس کے جسم کی زیبائی ریشمی آجالوں کے حسن اور قربتوں کی آہٹ جیسی تھی ۔ اس لڑکی کے بے داغ خیالات کے نچوڑ جیسے حسن اور زیبائی کو دیکھتے ہوئے اینجیلینا کو یوں لگا گویا وہ لڑکی فطرت کی معتمہ اور زندگی کا ایک مکتب ہو اور یہ کہ وہ پھولوں کے ساتھ مسکرائے اور ندیوں کے ساتھ گنگنائے کے لیے پیدا ہوئی ہو ۔

جب وہ اجنبی لڑکی اینجیلینا سے علیحدہ ہوئی تب نورالدین نے اینجیلینا کو ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ۔

”اے اینجیلینا ! تم نے پہچانا ، تم سے بغل گیر ہونے والی یہ لڑکی کون ہے ۔“
اینجیلینا نے ایک بار غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا پھر اتھائی بے بسی میں اس نے نورالدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ ”اے امیر ! میں اسے پہچان نہیں سکی ۔ اس لیے کہ اس سے پہلے میں نے کہیں اسے نہیں دیکھ رکھا ۔“

اس پر نورالدین نے کھل کر ایک تہقہہ لگایا ۔ اینجیلینا اور زیادہ پریشان ہو گئی ۔ کیوں کہ نورالدین کے ساتھ ساتھ وہ لڑکی بھی خوشیاں بکھیرتے ہوئے تہقہے لگا رہی تھی پھر نورالدین نے اینجیلینا کی حیرت اور بے بسی کا غاتمہ کرنے کی خاطر اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

”اے اینجیلینا ! یہ لڑکی جو تم سے بغل گیر ہوئی ہے ، یہ میری بیوی اریسہ ہے ۔“
اس انکشاف پر اینجیلینا خوش ہو گئی ۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک بار پھر اریسہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا اور نورالدین کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا ۔
”میں حیران ہوں کہ اگر میں اریسہ کو نہیں پہچان سکی تو یہ کیسے جان گئی کہ میں اینجیلینا ہوں ۔“
نورالدین نے پوچھا ۔ ”اے اینجیلینا ! ارمنی محلہ میں جہاں میں اور تم اریسہ کا بہتر کرنے گئے اور وہاں جو بڑھیا ہم دونوں سے ملی تھی کیا تم نے اس بڑھیا کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا ؟“

اینجیلینا نے کہا ۔ ”ہاں جب امیر تیمور نے آپ کو نظر بند کر رکھا تھا تو وہ بڑھیا آپ

کے لیے دوپہر کا کھانا لے کر آتی تھی اور اس کے ساتھ اس کا ایک کڈاوا، کوٹا کاٹا ہوا، کوٹا تھا جو جنگی لباس پہنے رکھتا تھا اور اپنا چہرہ ہر وقت دھانچے رکھتا تھا۔ ایسا ہی جب رُکی تو نور الدین نے ایک نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

’اے اینجلینا! وہ لنگڑا سا ہی اس بڑھیا کا بیٹا نہ تھا بلکہ اس لنگڑے سا ہی لے بھیس میں اریہ اپنا آپ چھپا کر مجھ سے ملنے آیا کرتی تھی۔ اے اینجلینا! وہ لنگڑا سا ہی یہ اریہ ہی ہے جس سے تم بغل گیر ہو۔ اس نے تب سے ہی تمہیں دیکھ رکھا ہے۔ اس لیے یہ تمہیں پہچان گئی لیکن تم چوں کہ اس کی اصلیت سے آگاہ نہ تھیں لہذا اسے پہچان نہ کی۔ اس موقع پر اے اینجلینا اریہ سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک انتہائی خوبصورت اور توانا بچہ بھگتا تو اُن کی طرف آیا اور نور الدین نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اے اینجلینا! یہ میرا بیٹا عماد الدین ہے۔“

اریہ کو چھوڑ کر اے اینجلینا ایک دم عماد الدین کی طرف بڑھی۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں عماد الدین کو اس نے اٹھا کر اپنے ساتھ پٹا لیا اور اُسے بُری طرح چومنے لگی تھی۔ پھر اچانک اے اینجلینا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ساتھ ہی اس بے چاری کی حالت اس پر عجیبی ہو گئی تھی جس میں کوئی پھول کوئی کونپل نہ ہو۔ وہ اس پھل جیسی ہو گئی تھی جس میں بیج نہ ہو، اس پھول جیسی ہو گئی تھی جس میں مہک نہ ہو۔

اینجلینا کی اس حالت پر اریہ کو بڑا ترس اور رحم آیا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اینجلینا بے چاری سینہ شب میں آوازوں کی بارگزدشت اور سلگتی ہوئی گلی لکڑی جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اینجلینا کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ ایسے آنسو جو بے چارے بے وقعت اور بے قیمت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اریہ فوراً آگے بڑھی، عماد الدین کو اس نے اینجلینا سے لے لیا اور پھر اس نے دلاسا اور تسلی دینے کی خاطر اے اینجلینا کو اپنے ساتھ پٹا لیا تھا۔ اریہ کے اس طرح پٹانے پر اے اینجلینا بے چاری کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور وہ کھل کر رونے لگی تھی۔ اس

کی ہچکیاں اور سسکیاں بلند ہو رہی تھیں اور اس بے چاری کا جسم تخت تخت اور روح ریزہ ریزہ ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اپنی محرومیوں پر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی۔ پھر اینجلینا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس لیے کہ ایلاق کے سارے اہل خانہ بھی باہر آگئے تھے۔

اس موقع پر نورالدین نے اریبہ کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اریبہ! کیا تم نے اپنی تیاری مکمل کر رکھی ہے۔ اس لیے کہ ہم آج ہی شمال کی طرف کوچ کریں گے۔ اینجلینا کو اپنے ساتھ لپٹائے ہی لپٹائے اریبہ نے کہا۔ اے امیر! یہ کوچ آج نہیں بلکہ کل ہوگا۔ اس لیے کہ میں نے ایلاق کے اہل خانہ کے ساتھ مل کر جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق آج آپ اور اینجلینا کا نکاح ہوگا اور کل ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔

اس موقع پر اینجلینا نے چونک کر اریبہ کی طرف دیکھا۔ اس پر اریبہ نے مسکرتے ہوئے کہا۔ میں ٹھیک کہتی ہوں میری بہن! میری شادی امیر نورالدین سے پہلے ہو گئی تو کیا۔ ورنہ تم نے ان کی زیادہ خدمت کی ہے اور میری نسبت تم ان کی زیادہ مقدار ہو۔ اریبہ کی اس گفتگو پر عروس شرب کی طرح اینجلینا کی حیا آلود ہڈیاں جھجک گئی تھیں وہ سلگتی خوشبو کی طرح اب ہمک اٹھی تھی اور اس کی آنکھوں میں شادوں کی سی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔

پھر اریبہ اینجلینا کو سہارا دے کر اندر لائی۔ سب لوگ دیوان خانے میں بیٹھ گئے پھر اریبہ وہ زیورات نکال لائی جو امیر تیمور نے نورالدین کو دیئے تھے۔ یہ چار طلائی کڑے تھے جن میں ہرے جواہرات لکے تھے۔ الماس کے کانوں کے چار آویزے تھے، مروارید لگے ڈو طلائی ہار اور یا قوتوں سے مُر صاع دو جھومر تھے۔

اریبہ نے ڈو طلائی کڑے، دو آویزے، ایک ہار اور ایک جھومر اینجلینا کو پہنایا اور بڑی اپنائیت میں اس نے اینجلینا سے کہا۔ اے اینجلینا! تم میری بہن ہو۔ امیر تیمور کے دیئے ہوئے ان زیورات میں تم نصف کی حق دار ہو۔

اینگلینا کے چہرے پر پہلی رات کے کنوارے لمحوں میں لحاف والے کلاہوں جیسی غمی
 بکھر گئی تھی۔ پھر شام سے قبل ہی نورالدین اور اینجلینا رفاقت کے بندھن میں باندھ
 دیئے گئے اور دوسرے روز نورالدین 'اینگلینا' اریہ اور محمد والدین کے ساتھ شمال
 کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



شہنائے بالخير

ISBN 969 - 38 - 0025 - 7

اسلم راہی ایم اے
 غریب پورہ گجرات



اختتام محرم ۱۴/۱۰/۸۸
 بروز جمعہ المبارک بوقت سہ پہر
 آصف آباد کراچی



۱۔ ہیر لڈیم بھی رقم طراز ہے کہ اپنی بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنے کے لیے نورالدین شمال
 کی طرف چلا گیا تھا۔